U7591 5-12-95

Title – JAWAHAR-E-SUKHAN; YAANI URDU SHERA KE KALAAM KA INTIKHAB

Creator – Murattiba Mohd. Mubeen Kaifi Chiriyakoti

Publisher – Hindustani Academy (Allahabad).

Date – 1933

Pages – 2 + 3 + 24 + 640 + 4 + 4.

Subjects – Urdu Shayari – Intikhab –

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم-اے

شعبۂ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

جلد دوسری

۱۹۳۵

ہندوستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy
ALLAHABAD

PRICE	Unbound Copy Rs. 8/- Bound Copy Rs. 8/8

Printed by
Onkar Prasad Gaur at the K. P. Press
ALLAHABAD

فہرست

دیباچہ

ہندوستانی ایکیڈیمی صوبہ متحدہ کے اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا اور انتخاب کا کام مولوی محمد معین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کر دیا ۔ موصوف نے کئی سال کی محنت میں یہ انتخاب تیار کرکے اُس کو چھہ جلدوں میں ترتیب دیا ۔ اِس کے بعد اکیڈیمی کی جانب سے ہر جلد کے لئے ایک ایڈیٹر مقرر ہوا ۔ چنانچہ اِس دور کی دوسری جلد پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ‌داری میرے سپرد کی گئی نظرثانی کرتے وقت میں نے زیادہ ترحذف و ترمیم سے کام لیا ۔ شعرا کے حالات و سنین وغیرہ میں مولف کتاب کی تحقیق پر اعتماد کر کے صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں ' عبارت میں لفظی ترمیم کردی ' بیان کی ترتیب میں ضروری تغیر کر دیا ' اور بعض شعرا کے خصوصیات کلام از سر نو لکھے ۔ کلام کے انتخاب میں بھی زیادہ ترحذف سے کام لیا ۔ جو اشعار ذوق سلیم پر گراں معلوم ہوے ان کو نکال دیا ' جن شاعروں کے کلام کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں یا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے اِس دور میں شامل نہیں ہو سکتے اُنہیں خارج کر دیا ۔ اس کاٹ چھانٹ کے بعد کتاب کی ضخامت نصف کے قریب رہ گئی پھر بھی یہ جلد تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل ہے ۔

کتاب کے مسودے میں سے جہاں بہت کچھہ حذف کر دیا گیا ہے وہاں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ہے ۔ حضرت میر سے مجھکو جو دلی عقیدت اور ان کے کلام کی میری نظر میں جو وقعت ہے اُس نے مجھے مجبور کیا کہ اس شاعر اعظم کے جو بلند پایہ اشعار نظر انداز ہو گئے ہیں انہیں انتخاب میں شامل کر دوں ' مگر اِس کام کے لئے ضروری تھا کہ میر کے ساتوں دیوانوں کا شروع سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کیا جاے ۔ افسوس ہے کہ میری کم فرصتی نے اس کا موقع نہ دیا اور صرف ردیف الف میں کوئی سوا سو اشعار اضافہ کرنے کے بعد مجھے یہ خیال ترک کر دینا پڑا ۔

سودا کے قصیدے اور ہجویں ' میر کی مثنویاں اور واسوخت ' میر حسن کی مثنوی سحرالبیان ' ان چیزوں کے جو انتخابات اس کتاب میں شامل ہیں ان کا ذمہ دار زیادہ تر میں ہوں میر تقی میر کے حالات اور مقدمہ کتاب جس پر ' خصوصیات دور ' کی جگہ ' خلاصہ دور ' کا عنوان چھپ گیا ہے یہ دونوں چیزیں بھی میں نے از سر نو لکھی ہیں - ان کے علاوہ شعرا کے حالات و منتخبات مولف کتاب کی محنت کا نتیجہ ہیں -

کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کرتے وقت میں نے کتابت وغیرہ کی بہت سی غلطیوں پر نشان لگا دئے تھے اور ترتیب وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کر دی تھیں - لیکن افسوس ہے کہ نہ سب غلطیوں کی تصحیح ہوئی اور نہ کل ہدایتوں پر عمل کیا گیا بہر حال میں نے مطبوعہ نسخے پر ایک سرسری نظر ڈال کر غلطیوں کی فہرست بنادی ہے جس کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا - یہ فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے - ناظرین اس کو دیکھ کر غلطیوں کی تصحیح کر لیں - چند غلطیاں جن کی اس فہرست میں گنجائش نہ تھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں -

۱---میر کی ایک غزل کے پانچ شعر جو صفحہ ۴ میں موجود تھے صفحہ ۴۸ ۴۹ میں مکرر درج ہو گئے ہیں -

۲---مندرجہ ذیل شعر صفحہ ۴۶۹ اور صفحہ ۴۷۱ دونوں میں درج ہے :---

بے وفائی یہ تیری جی ہے فدا - قہر ہوتا جو باوفا ہوتا -

۳---ذیل کا شعر صفحہ ۴۷۳ میں بھی موجود ہے - اور صفحہ ۴۷۶ میں بھی :---

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر - مجھ کو اپنی وفا ہی راس نہیں

۴---صفحہ ۲۴ میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہونا چاہئے :-

ع آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا -

۵—صفحہ ۱۷۱ میں پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہونا چاہئے :—

ع جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے ۔

۶—صفحہ ۳۹۹ سطر ۶ میں لفظ 'مثنوی' کے بعد یہ عبارت چھپنے سے رہ گئی ہے :—

" سحرالبیان ہے ۔ نقادان سخن کی متفقہ رائے ہے کہ اردو شاعری اِس مثنوی "

۷—اصل کتاب میر کے حال سے شروع ہوتی ہے ۔ اس لئے جس صفحے پر میر کے حالات کی ابتدا ہوئی ہے اسی سے کتاب کے صفحوں کا شمار شروع ہونا چاہئے تھا ۔ مگر میر کے حالات جن صفحوں میں ہیں اُن پر " خلاصہ دور " کے سلسلے میں حروف ابجد لکھ دئے گئے ہیں ۔ اِس سے حالات میر مقدمہ کتاب کا جزو معلوم ہونے لگے ہیں حالانکہ وہ اصل کتاب میں شامل ہیں ۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اِس کتاب پر نظر ثانی کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا اور بہت کچھ حذف و اضافہ کیا پھر بھی یہ انتخاب ایسا نہ ہوا جیسا میرا جی چاہتا تھا ۔ میرا یہ کہنا مولف کتاب کی محنت کو کم کر کے دکھانا یا اُن کے مذاق سخن پر حرف رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف اُس اختلاف مذاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دو آدمیوں میں فطرتاً موجود ہوتا ہے ۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب

کوہ منصوری ۲ جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

خلاصہ دور

جلد دوم

مولف کتاب نے جس عہد کو اردو شاعری کا دوسرا دور قرار دیا ہے وہ تقریباً سنہ ۱۱۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے - اور کوئی ایک صدی تک قائم رہ کر سنہ ۱۲۰۰ھ کے قریب ختم ہوتا ہے - اردو شاعری کی تاریخ میں بعض حیثیتوں سے یہ دور سب سے زیادہ اہم ہے -

اس دور میں ایسے ایسے باکمال شاعر پیدا ہوئے اور انہوں نے ہر صنف سخن میں ایسے ایسے شاہکار پیش کئے کہ اردو شاعری بڑے بڑے مشکل پسند اور نکتہ چیں طبائع میں بھی مقبول اور معزز ہوگئی - اگر ایسے معجز نگار اور بلند فکر شعر اس دور میں جمع نہ ہو گئے ہوتے تو اردو شاعری کو مقبول عام ہونے میں بہت زمانہ لگتا اور ایک مدت دراز کے بعد شاید وہ اس قابل ہوتی کہ لوگ فارسی کی سی عزیز اور دلکش زبان کو چھوڑ کر اردو میں شعر کہنے کی طرف متوجہ ہوجائیں -

فارسی شاعری کی طرح اردو شاعری کی اہم صنفیں بھی تین تھیں - غزل - قصیدہ - مثنوی - اس دور میں اُن تینوں صنفوں کی تکمیل ہوئی - غزل کی تکمیل میر، سودا، درد، قائم اور مصحفی کی منت گزار ہے - قصیدہ اپنی تکمیل کے لئے

سودا، انشا اور مصحفی کا مرہون منت ہے - مثنوی کی تکمیل میر - اثر - حسن اور مصحفی کے ہاتھوں ہوئی - رباعیاں بھی اس دور کے متعدد شاعروں نے خوب خوب لکھیں - مگر خواجہ میر درد نے اس صنف سخن کی طرف خاص توجہ کی -

اس دور میں مرثیے کو بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی - متعدد شعرا ایسے گزرے جنہوں نے اپنی عمر اسی صنف شعر کی خدمت میں صرف کردی - ان میں سکندر، مسکین، گدا، افسردہ، احسان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے علاوہ میر اور سودا کے سے باکمال شاعروں نے بھی اس صنف کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور بہت سے مرثیے تصنیف کیے - سودا نے مرثیے کو شعر کی مشکل ترین صنف کہہ کر اس کی عظمت مسلم کردی - مرثیہ دوسرے اصناف سخن سے اس قدر الگ اور مقدار میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنا انتخاب علیحدہ چاہتا ہے اس لیے مرثیے اس جلد میں شامل نہیں کیے گئے ہیں -

بعض اصناف سخن جو اردو میں موجود ہی نہ تھے ان پر اس دور کے شعرا نے پہلے پہل طبع آزمائی کی - واسوخت اور مسمط کی بعض صورتیں میر نے اردو شاعری میں داخل کیں - ہجو گوئی کا راستہ میر ضاحک اور مرزا سودا نے دکھایا - ریختی کی ایک نئی صنف رنگین اور انشا نے ایجاد کی -

اصناف سخن کے علاوہ اس دور میں شاعری میں بعض خاص کیفیتیں بھی پیدا کی گئیں - میر نے محبت اور انسانیت کا بلند ترین معیار پیش نظر کردیا اور غم و حسرت کے دریا بہا دیے -

درد نے صوفیانہ خیالات شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیے ۔ حسن نے منظر کشی اور صورت نگاری کے بہترین نمونے پیش کیے ۔ جرات نے معاملہ بندی کا کمال دکھایا ۔ انشا اور رنگین نے ظرافت اور ہزل کو شاعری میں جگہ دی ۔ انشا نے مشکل زمینوں میں شعر کہنے کی ابتدا کی ۔ اور ایک نہایت مفید بات یہ ہوئی کہ ایہام گوئی متروک ہوگئی یعنی اردو کے قدیم شاعروں کے یہاں شعر کی بنیاد اکثر کسی خیال پر نہیں بلکہ کسی لفظ یا کسی صنعت پر ہوتی تھی ۔ یہ طریقہ اس دور میں ترک کردیا گیا ۔

زبان کی اصلاح اور توسیع کے لحاظ سے بھی یہ دور بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ مکروہ اور ثقیل لفظوں سے زبان کو پاک کرنا محاوروں میں تراش خراش کر کے ان کو سڈول بنانا ' نظم کی زبان سے زوائد یعنی بھرتی کے لفظوں کو نکال دینا ' اور زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کرنے کی کوشش کرنا اس دور کے شعرا کا شاندار کارنامہ ہے ۔ یوں تو کچھ زمانے کے بعد کچھ لفظ فطرتاً اور لزوماً متروک ہو ہی جاتے ہیں ' اور کچھ محاوروں کی شکل خود بخود بدل جاتی ہے ۔ لیکن اس دور کے شعرا نے اپنے ارادے اور کوشش سے زبان کو درست کیا ۔ بے شمار فارسی ترکیبوں ' محاوروں اور مثلوں وغیرہ کا خوبصورتی سے ترجمہ کر کے زبان کو وسعت دی ۔ اپنے فطری سلیقے اور غیر معمولی قدرت بیان کی بدولت اظہار خیال کے ہزاروں اسلوب پیدا کردیے ۔ اور اردو کو اس قابل بنادیا کہ اس میں باریک سے باریک خیال اور نازک سے نازک جذبات ادا کیے جاسکیں ۔ اس سلسلے میں میر ۔ سودا ۔ درد اور قائم کے خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان

حضرات کے مندرجہ ذیل دعوے خود ان کی اصلاحی کوشش کا ثبوت ہیں :-

(مہر)

ریختہ کاہے کو تھا اس رتبۂ عالی میں " مہر "
جو زمیں نکلی اسے تا آسماں میں لے گیا

ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں " مہر" کی استادی کا

(سودا)

کہے تھا ریختہ کہنے کو عیب ناداں بھی
سو یوں کہا میں کہ دانا ہنر لگا کہنے

(قائم)

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچرسی بہ زبانِ دکھنی تھی

اسی دور میں سید انشا نے دریائے لطافت لکھ کر زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کردیا - اِس معیار کی اشاعت میں رنگین نے سب سے زیادہ کام کیا - بچپن ہی سے اُن میں اِتنی جرأت تھی کہ اپنے استاد معظم و محترم بوڑھے شاہ حاتم کو اُن کے شاگردوں مریدوں اور عقیدتمندوں کے مجمع میں ٹوک سکتے تھے سن کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ جرأت بھی[1] بڑھتی

---

[1] دیکھو " مجالس رنگیں " مجلس اول -

گئي - رنگین ایک خوشحال اور تجارت پیشہ شخص تھے اکثر سفر میں رہتے تھے - جہاں جاتے تھے وہاں کے شاعروں اور شاعری سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے، شاعری اور زبان کے مسائل پر بحثیں چھیڑ دیتے تھے - اِن بحثوں کے سلسلے میں بڑے بڑے استادوں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر کے اُس پر اصلاح دے دیتے تھے - اِس طرح وہ زبان کی صحت اور فصاحت کے معیار کی اشاعت شہروں شہروں کرتے پھرتے تھے - اُن کی اِس کار گزاری کی تفصیل دیکھنا ہو تو اُن کی کتاب مجالس رنگین پڑھیے [1] -

زبان کی اصلاح کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اِس دور سے پہلے شاہ حاتم کے وقت سے اُردو شاعروں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ ہندی کے لفظ ترک کرکے اُن کی جگہ فارسی اور عربی کے مانوس اور کثیرالاستعمال الفاظ کو جگہ دی جائے - اِس دور میں اِس رجحان کو برابر ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ اِس کے آخری حصے میں فارسی ترکیبوں کا اِستعمال کثرت سے ہونے لگا - ''ہوس'' اور ''ہدایت'' کے کلام میں یہ بات خاص طور پر نمایاں ہے - فارسی شاعری کی تقلید کا رجحان بھی اِس دور سے پہلے شروع ہو چکا تھا - یہ رجحان بھی اِس

[1] یہ دلچسپ اور مفید کتاب سعادت یار خاں ''رنگین'' دہلوی نے سنہ 1215ھ میں تالیف کی اس کا ایک اڈیشن سنہ ۱۲۶۴ میں مطبع محمدی میں چھپا - ایک مدت تک یہ کتاب نہایت کمیاب رہی - مذکورہ اڈیشن کے کوئی چوراسی برس بعد راقم حروف نے اس کو ایک مقدمے اور ضروری فہرستوں کے ساتھ ترتیب دیا اور کتاب گھر لکھنؤ نے اس کو سنہ ۱۹۲۹ میں شائع کیا -

دور میں ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ جو تھوڑی بہت خالص ہندی تشبیہیں - استعارے - تلمیحیں وغیرہ اِس دور کے ابتدائی شاعروں کے یہاں نظر آجاتی تھیں آگے چل کر وہ بالکل مفقود ہوگئیں اور انداز بیان اور پرواز خیال دونوں میں فارسی شاعری کی تقلید ہونے لگی -

شاعری اور زبان کی ترقی کے ساتھ خیالات میں نزاکت اور بیانات میں تکلف کا پیدا ہو جانا ضروری ہے - اِس دور کے شعروں کا بیان ابھی قدرتاً اُتنا صاف اور بے تکلف نہیں ہے جتنا اُن کے پیشرووں کا تھا - لیکن ابھی تکلف تصنع کی حد تک نہیں پہنچتا اِس لیے اُس سے کلام کی صوری خوبیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور معنوی خوبیوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی -

اُردو شعرا کے تذکرے پہلے پہل اِسی دور میں لکھے گئے - 'میر' - 'مصحفی' - اور 'قائم' - جیسے کامل استادوں کے لکھے ہوئے تذکرے اب بھی موجود ہیں جو اُردو شعر کی تاریخ اور تنقید کے لیے بہت قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں - اِن کے علاوہ اور بھی متعدد تذکرے اِس دور میں لکھے گئے جن میں سے بعض ہندوستانی اور اکثر برطانوی کتب خانوں میں محفوظ ہیں -

اِس دور کے شعرا کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرنے کے بعد اِس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِن باکمالوں نے اپنی شاعری کو زیادہ تر اپنے پیشرووں کے مضامین میں محدود رکھا - ہاں اتنا ضرور کیا کہ پرانے مضامین کو نئے نئے پہلو نئے نئے اسلوبوں سے نہایت پرلطف اور پراثر انداز میں

پیش کیے - لیکن اِس دور کے آخری حصے کے اکثر شاعروں نے اپنا سارا کمال حسنِ بیان اور جدتِ ادا میں صرف کر دیا - البتہ ''رنگین'' اور ''انشا'' نے اتنی جدت ضرور کی کہ ظرافت بلکہ ہزل کو شاعری میں داخل کردیا - ریختی کا ایجاد بھی حقیقت میں ہزل کے لیے ایک نیا میدان تھا - اگر اِس صنفِ نظم میں عورتوں کے شریف و لطیف جذبات اُنھیں کی زبان میں ادا کیے جاتے تو اُردو شاعری میں ایک نہایت قابلِ قدر اضافہ ہو جاتا -

اِس عہد کے اکثر شعرا بہت پرگو تھے - مثلاً ''میر'' - ''سودا'' - ''مصحفی'' - ''جرات'' - ''رنگین'' - اِس لیے اُن کا تمام کلام یکساں نہیں ہے - بلند اور پست خیالات صوفیانہ اور سوقیانہ جذبات - درباری اور بازاری محاورات اکثر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں -

بہر حال اِن شاعروں نے اُردو زبان اور شاعری کی وہ جلیل القدر خدمتیں انجام دیں کہ اُن سے اِن کو غیر فانی عظمتیں حاصل ہوئیں - اور بعض شعرا نے بعض اصنافِ سخن میں وہ درجہ حاصل کرلیا کہ اُن کی صنفِ خاص میں اُن کا کوئی نظیر نہ اب تک ہوا ہے نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے - غزل میں میر کو قصیدے میں ''سودا'' کو - مثنوی میں حسن کو - صوفیانہ شاعری میں ''درد'' کو معاملہ بندی میں جرأت کو' ہزل میں انشا کو' وہ مرتبہ حاصل ہوا جو پھر کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا - مختلف اصنافِ سخن کے اتنے بڑے بڑے استاد کسی دور میں جمع نہیں ہوئے - اس دور کے باکمال شعرا کو جو عظمت اپنی زندگی میں حاصل تھی اس میں آج تک

کوئی کمی نہیں ہوئی اور جب تک اردو زبان باقی ہے ان کی بھی عظمت باقی رہے گی - مگر یہ فخر حضرت سلطان الشعرا میر تقی میر کے لیے مخصوص ہے کہ ان کے ہم عصروں سے لے کر آج تک کے تقریباً تمام ممتاز شعرا نے دل کھول کھول کر ان کی مدح کی ہے -

اس دور کی زبان میں بعض صرفی و نحوی خصوصیتیں ایسی تھیں جو بعد کو باقی نہیں رہیں اور بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے تھے جو آگے چل کر متروک ہوگئے یا ان میں کچھ لفظی یا معنوی تغیر ہوگیا - مثلاً اب جن حالتوں میں افعال متعدی کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری ہے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروری نہ تھا مثلاً 'میں کہا' میں کیا - میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے - فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضی تمنائی کے صیغوں پر 'ہے' اور اس کے اخوات کا اضافہ کرتے ہیں - اس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر 'ہے' وغیرہ بڑھاتے تھے - "اور آتا ہے" "کہتے ہیں" "پوچھتے ہو" " مارتا ہوں " کی جگہ " آئے ہے " " کہیں ہیں " پوچھو ہو " ماروں ہوں بولتے تھے - اسی طرح کہتا تھا سکتا تھا کی جگہ کہے تھا سکے تھا کہتے تھے - جمع کی حالت میں مونث فعلوں کے ماضی کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کی آخری " ی " کے بعد الف نون بڑھاتے تھے اور " آئیں " - " چلیں " - " دیکھیں " کی جگہ " آئیاں " - " چلیاں " - " دیکھیاں " اور " آتی ہیں " " بستی ہیں " - " ترستی ہوں " کی جگہ " آتیاں ہیں " -

"بستیاں ہیں" - "ترستیاں ہیں" بولتے تھے - فارسی اِسموں کی جمع فارسی قاعدے سے الف نون بڑھاکر ترکیب فارسی کی حالت میں اب بھی بولتے ہیں - مگر اُس عہد میں بغیر ترکیب کے بھی لاتے تھے یعنی خوباں - محبوباں - یاراں - بلبلاں وغیرہ انفراداً بھی اِستعمال کرتے تھے - "آکے" "ہوکر" وغیرہ کی جگہہ "آئے کے" "ہوے کے" وغیرہ کا اِستعمال قدیم زمانے میں عام تھا اِس دور میں بھی "میر" نے "ڈھاکر" کی جگہہ "ڈھاے کر" نظم کیا ہے مگر یہ صورت اِستعمال اِس عہد میں بہت شاذ تھی - جب مونث اسم جمع کی حالت میں موصوف واقع ہوتا تھا تو اُس کی صفت بھی کبھی کبھی جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً "کریاں ساعتیں" - "بھاریاں" "بیڑیاں" - "کو" کے محل پر کے "تئیں" تو اب تک لوگوں کی زبان پر ہے لیکن "تک" کی جگہہ "تئیں" کا اِستعمال اس! دور سے مخصوص تھا مثلاً "کب تئیں" "یہاں تئیں" کبھی کبھی "تک" کی جگہہ "لگ" بھی لاتے تھے مثلاً "کب لگ" جن حروف معلوی کے آخر میں اب "واو" یا "ی" ہے ان کے آخر میں اکثر نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً "کو" "سو" "نے" "سے" کی جگہ "کوں" "سوں" - "نیں" - "سیں" بولتے تھے - ضمیر حاضر "تو" کی جگہ "توں" اور کبھی کبھی "تیں" بھی استعمال - کرتے تھے - بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً "اِدھر" - "اُدھر" - "جدھر" - "کدھر" - "لہو" - "جگہ" "لگا" - "بجھنا" - "پھوٹنا" - مٹی - پھر کو "اِدھر" - "اُدھر"

" جدھر " - " کدھر " - " لوھو " - " جاگہ " - " ‌‌کلا " -
" باجلا " - " پھاٹلا " - " ماٹی " - " پھیر " - بھی کہتے ہیں۔

بعد کو ان لفظوں کی صرف پہلی صورتیں جو مختصر تھیں باقی رہ گئیں اور دوسری صورتیں متروک ہو گئیں - بعض لفظوں کے تلفظ میں صرف زرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً " ہلنا " - " گھسنا " اُس زمانے میں " ھلنا " اور " گھسنا " تھے - بعض لفظوں کے استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا مثلاً " اُن کو " " جن کے " کی جگہ " اُنھوں کو " " جنھوں کے " اور " میرے " " تیرے " کی جگہ " منجھ " " تجھ " بھی بولتے تھے - " جس " کا صلہ " تس " اور " جدھر " کا " تدھر " رائج تھا اب ان کی جگہ " اُس " اور " اُدھر " لاتے ہیں - " کسو " - " کبھو " " سبھو " " جنھوں " - " سبھی " نہ " تو " اب " کسی " " کبھی " - " جی " - " جوں " - " سے " کب " " تب " ہو گیے ہیں - " اُس نے " " جس نے " کی جگہ اُس زمانے میں " اُن نے " " جن نے " بولتے تھے - لفظوں کی تذکیر و تانیث میں بھی کہیں کہیں اختلاف تھا مثلاً " مزار " کو مونث اور " خلش " کو مذکر بولتے تھے -

اب تک جن لفظوں کا ذکر کیا گیا وہ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اب بھی بولے جاتے ہیں - ان کے علاوہ اُس دور میں ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو بالکل متروک ہوگیے اور اُن کی جگہ نئے لفظوں نے لے لی - مثال کے طور پر اِس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ہیں - ند ان - آخر - آخرکار " - " بستار - پھیلاو " - " اُور - طرف " -

'' نگر - شہر '' - '' تک - زرا '' - '' نت - ہمیشہ '' - '' تلک - زراسا '' - '' باس - بو - خوشبو '' - '' پون - ہوا '' - '' بچن - بات - قول '' - '' مکھ - منہ '' - '' زور - خوب '' - بہت '' - '' ٹھور - ٹھانوں - جگہ '' - '' وے - وہ کی جمع '' - '' انکھیاں - آنکھیں '' - '' کنے - کے پاس '' - '' کے بیچ - میں '' - '' موندنا بند کرنا '' - '' گہنا - پکڑنا '' - ان میں کے بعض لفظوں کا استعمال اُسی دور میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ دور کے آخر میں بالکل ترک ہو گیے - بعض زیادہ مدت تک رائج رہے - بعض جن کی تعداد بہت کم ہے آج تک کسی کسی کے زبان پر جاری ہیں مگر لکھنے میں مدت سے نہیں آتے مثلاً '' کسو '' - '' کد '' - '' کدھی '' - '' آتیاں ہیں '' -

سید '' انشا '' نے چند لفظ مثلاً جھمکوا واچھوے - بھلرے - ایسے نظم کردیے ہیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے - اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ متین شاعروں کی سنجیدہ شاعری کے لیے اِس طرح کے لفظ جس قدر نامناسب تھے ظریف طبع انشا کی ہزل آمیز شاعری کے لیے اُتنے ہی مناسب تھے - وہ اپنی شاعری سے سامعین پر جس طرح کا اثر ڈالنا چاہتے تھے اُس کے لیے اِن لفظوں سے اُن کو مدد ملتی تھی -

اس دور کی خصوصیتوں اور اس کے نمایندوں کے کارناموں سے تفصیلی بحث کرنا یہاں منظور نہیں ہے - اِن چیزوں کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا مقصود ہے اس لیے اس اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

میر

بارھویں صدی ھجری کی پہلی چوتھائی گزرنے کے بعد اکبرآباد کی زمین پر ایک ستارہ نمودار ھوا جو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا - کون اُردو داں ھوگا جو میر محمد تقی میر سے واقف نہ ھو -

خدائے سخن حضرت میر کے والد بزرگوار ایک صوفی منش، درویش صفت بزرگ تھے، نام محمد علی تھا مگر اپنے زھدواتقا کی بدولت علی متقی کہلاتے تھے - ایک مرتبہ ابتدائے سفر میں اُن کی نظر کیمیا اثر نے بیانہ کے ایک نوجوان کو ایسا متاثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اُن کی تلاش میں نکل کھڑا ھوا - آخر شوق کی رھنمائی سے اُس کو منزل مقصود کا پتا مل گیا - اکبرآباد پہونچ کر اُس نے میر علی متقی کا دامن ایسا مضبوط پکڑا کہ مر کے چھوڑا - میر تقی کی تربیت اِسی تارک دنیا درویش سید امان اللہ کی گود میں ھوئی -

ابھی میر صاحب کی عمر صرف دس برس کی تھی کہ سید امان اللہ نے انتقال کیا - اس حادثے نے اُن کو سخت صدمہ پہونچایا اور اُن کے والد تو اس غم میں ایسے پڑے کہ پھر نہ اُٹھے - باپ کی نا وقت موت سے میر صاحب پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا - سوتیلے بڑے بھائی نے کل ترکے پر قبضہ کر کے

ان کو ستانا شروع کیا ۔ جب اپنے گھر میں بیٹھنے کا ٹھکانا نہ رہا تو انہوں نے معاش کی تلاش اور علم کے شوق میں دہلی کا رخ کیا ۔ وہاں ان کے انہیں برادر یوسف کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو موجود تھے جو علم و فضل میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے ۔ میر صاحب نے انہوں کے یہاں قیام کیا ۔ مگر وہ سرچشمۂ علم ان کے لیے محض ایک سراب ثابت ہوا ۔

خان آرزو کی بے توجہی اور بدسلوکی سے تنگ آکر میر صاحب نے اُن کے یہاں کے قیام کو سلام کیا ۔ خواجہ محمد باسط نے اپنے چچا امیرالامراء نواب صمصام الدولہ سے اُن کی سفارش کی اور نواب نے اُنہ کچھ وظیفہ مقرر کر دیا ۔ ایک ذی علم بزرگ میر جعفر عظیم آبادی نے اُن میں تحصیل علم کا شوق دیکھ کر اُن کو بڑی محبت اور دلسوزی سے پڑھانا شروع کیا ۔

کچھ زمانے کے بعد امروہہ کے ایک سید سعادت علی خاں سے ملاقات ہوئی انہوں نے ان کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر ریختہ میں شعر کہنے کی صلاح دی ۔ ان امروہوی سید صاحب کی مزاج شناسی نے وہ ساز چھیڑ دیا جس کے نغموں سے تھوڑے ہی دنوں میں سارا شہر گونج اٹھا ۔

خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کے یہاں ماہوار مشاعرے ہوا کرتے تھے ۔ میر صاحب ان مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے ۔ خواجہ ناصر ایک صاحب کشف بزرگ تھے ۔ اُنہوں نے میر کا کلام سن کر ابتداہی میں اُن سے کہہ دیا تھا کہ ایک دن تم میر مجلس ہو جاؤ گے ۔ آخر وہ پیشین گوئی

پوری ہو کر رہی ـ جب اتفاقات زمانہ نے اس محفل کو درہم و برہم کر دیا تو میر صاحب اپنے یہاں ہر مہینے مشاعرہ کرنے لگے ـ

میر صاحب نے وہ زمانہ پایا تھا کہ دہلی کی سلطنت بالکل کمزور ہو گئی تھی ـ امیروں جاگیرداروں اور صوبہ داروں کی باہمی جنگیں احمد شاہ درانی کے حملے اور مرہٹوں کے تاخت و تاراج سے ایک ہلچل پڑی ہوئی تھی ـ شہر تباہ ہو رہے تھے ' آبادیاں ویران ہو رہی تھیں ' خاندانی عظمتیں مٹ رہی تھیں ' آبائی دولتیں لٹ رہی تھی ' میر صاحب زمانے کے یہ غیر معمولی اور تیز افتار انقلابات دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنی ذات پر ان کا اثر محسوس کرتے تھے ـ

اِس دور انقلاب میں میر صاحب کئی مسلمان امیروں اور متعدد ہندو راجاؤں کے دامن دولت سے وابستہ رہے ـ جہاں جاتے تھے لوگ اُن کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے ـ وہ اپنے انہیں ہندو مسلمان مربیوں کے ساتھ جنگوں کے میدانوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں ـ جہاں ہم اُن کو کبھی سفارت کی اہم خدمت انجام دیتے ہوئے دیکھتے ہیں اور کبھی دو فریقوں میں مصالحت کی کوشش کرتے ہوئے پاتے ہیں ـ اِن حالات سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر ہونے کی حیثیت سے جو عظمت میر صاحب کو حاصل تھی اُسکے علاوہ بھی اس عہد کے بڑے سے بڑے لوگوں کی نظر میں اُن کی شخصیت کا وقار اور انکی معاملہ فہمی ' نیک نیتی ' اور بے تعصبی کا اعتبار تھا ـ

ایک زبردست اور وسیع سلطنت کے ضعف سے نتائج کا جو سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ کہیں جاکر ختم ہو لیکن طوائف

السلوکی ' خانہ جنگی ' خانماں بربادی اور شریف گردی کی منزلیں ضرور پیش آتی ہیں - میر صاحب کے زمانے میں دھلی انہیں منزلوں سے گذر رہی تھی ' اور شرفائے دھلی ترک وطن پر مجبور ہو رہے تھے - میر صاحب ایک مدت تک انقلابوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے رہے مگر دھلی کی سکونت ترک نہیں کی - آخر جب گذر اوقات کی کوئی صورت نہ رہی تو ۱۱۹۷ ہجری میں نواب آصف الدولہ کی طلب پر لکھنؤ گئے - نواب نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کردیا - اُس زمانہ کے تین سو آج کے تین ہزار سمجھنا چاہئے - اِس معقول وظیفے کی بدولت میر صاحب عزت اور خوشحالی سے بسر کرنے لگے - آخر ۱۲۲۵ ہجری میں لکھنؤ ہی میں انتقال کیا - کچھ کم سو برس کی عمر پائی -

میر صاحب بڑے متوکل ' ذی حسن اور غیور بزرگ تھے - اِن صفتوں نے اُن کو نازک مزاج بھی بنا دیا تھا - اُن کی خود داری بڑے سے بڑے امیروں کی خوشامد اور بیجا ستائش کو جائز نہ رکھتی تھی - اُن کی صاف دلی اور انصاف پسندی معائب کے اظہار میں بیباک اور محاسن کے اعتراف میں فیاض تھی - وہ قناعت کا مجسمہ تھے - بعض اوقات فاقوں میں بسر کی مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ' لیکن قناعت کا وفور احسان مندی کے احساس پر غالب نہیں آگیا تھا - وہ چھوٹی سے چھوٹی اعانت کا بالاعلان شکریہ ادا کرتے تھے - نازک دماغ ایسے تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کو ٹھکرا دیتے تھے ' مگر کوئی خلاف مزاج بات برداشت نہ کرسکتے - وہ شیشے کا دل اور فولاد

کا جگر رکھتے تھے بڑی بڑی کڑیاں جھیل سکتے تھے ' مگر کڑی بات نہ اٹھا سکتے تھے ۔ وہ اپنے کمال سے بخوبی واقف تھے مگر ایسے خود بیں نہ تھے کہ کسی اور کا کمال اُن کو نظر نہ آتا ہو ۔

میر صاحب کو فطرت نے ایک درد بھرا دل عطا کیا تھا ' جن گودوں میں انہوں نے تربیت پائی ' جن تکلیفوں میں اُنکی زندگی بسر ہوئی ' اور جو انقلابات اُن کی آنکھوں نے دیکھے ' ان سب کے اثر نے ان کو سراپا درد بنا دیا ۔ اور دنیا اور اسباب دنیا کو اُنکی نظر میں بالکل بے وقعت کر دیا ۔ اسی استغنا ' بلند خیالی ' اور درد مندی نے اُن کی شاعری میں وہ شے پیدا کر دی جو کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی عشق و محبت بھی میر کی طبیعت کا ایک فطری عنصر تھا جسکو اُن کے والد کی تعلیم اور میر امان اللہ کی مثال نے اتنی ترقی دی کہ وہ تمام دیگر عناصر پر غالب آ گیا ۔ میر صاحب کی شاعری کو عشق کی زبان کہیں تو زیبا ہے ۔

میر کے لیے شاعری نہ کوئی صنعت تھی نہ تفنن طبع کا ذریعہ ' بلکہ شاعری اُنکی ذات کا ایک جز اور اُن کی طبیعت کا ایک عنصر تھی ۔ وہ شاعر پیدا ہوئے تھے ۔ اپنی موضوع بیشتر وہ خود ہی ہیں ' لیکن اُن کی یہ ا[illegible] ذاتی اور انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت کا [illegible] ہونے کی حیثیت سے ہے ۔ فطرت نے اُن کو شریف جذبات اور عالمگیر محبت و ہمدردی عطا کی تھی ' انسانیت بہت بلند تھا ' جس میں استغنا اور عزت

بہت بڑا درجہ حاصل تھا ' انکا دل درد اور ہمدردی سے اسقدر لبریز تھا کہ وہ کسی کی مصیبت دیکھ نہ سکتے تھے - چونکہ انکی شاعری اُن کے قلبی کیفیات کی صحیح تفسیر ہے اس لیے وہ بھی انھیں شریف جذبات اور بلند خیالات سے بھری پڑی ہے - مہر کی شاعری سے مہر کی سچی تصویر تصور کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے -

زبان میں انتہا کی صفائی ' بیان میں حد کی دلکشی اور زور ' کلام میں ترنم - خیالات میں سادگی ' جذبات میں بلندی ' طبیعت میں دردمندی ' انسانی فطرت کے دقیق رازوں تک نگاہ کی رسائی واردات قلبی کی صحیح ترجمانی مہر کی شاعری کے خاص خصوصیات ہیں - ان خصوصیات نے مہر کی شاعری کو درد و اثر کا ایک طلسم بنا دیا ہے - اور مہر کو غزل گوئی کا سب سے بڑا استاد منوا دیا ہے - یہ فخر صرف مہر ہی کو حاصل ہے نہ ان کے ہمعصروں سے لے کر آج تک کے اکثر با کمال شعرا نے اُن کے کمال کا پرزور لفظوں میں اعتراف کیا ہے - ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :—

(مرزا سودا)

" سودا " تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ

ہونا ہے تجھ کو " مہر " سے استاد کی طرف

(شیخ مصحفی)

اے " مصحفی " تو اور کہاں شعر کا دعویٰ

پھبتا ہے یہ انداز سخن " مہر " کے منہ پر

(شیخ '' ناسخ '')

شبہ " ناسخ " نہیں کچھ '' میر '' کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

(خواجہ '' آتش '')

" آتش " بقول حضرت " سودا '' شفیق من
ہونا ہے تجھ کو " میر '' سے استاد کی طرف

(مرزا '' غالب '')

'' غالب '' اپنا بھی عقیدہ ہے بقول '' ناسخ ''
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو '' غالب ''
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی " میر '' بھی تھا

(" ذوق '')

نہ ہوا پر نہ ہوا " میر " کا انداز نصیب
'' ذوق '' یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

(" عیش '')

سچ تو یہ شعرائے جہاں میں " عیش '' فقط
کلام '' میر '' ہے البتہ دل پزیر اپنا

(میر '' مجروح '')

یوں تو ہیں " مجروح '' شاعر سب فصیح
'' میر '' کی پر خوش بیانی اور ہے

ق

(" رند ")

شیخ " ناسخ " خواجه " آتش " کے سوا بالفعل " رند "
شاعران ہند میں کہتے ہیں طرز " میر " ہم

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے " میر " سے
عاشق ہیں " رند " ہم تو اسی بول چال کے

(" عرش ")

لاکھ تقلید کیجئے اے " عرش "
پر کب انداز " میر " آتا ہے

(" شاد " لکھنوی)

میں ہوں وہ طوطی ہندوستاں " شاد "
زباں جس کی ہے مثل " میر " اردو

(مولوی اسمعیل)

یہ سچ ہے کہ " سودا " بھی تھا استاد زمانہ
میری تو مگر " میر " ہی تھا شعر کے فن میں

(مرزا " داغ)

" میر " کا رنگ برتنا نہیں آساں اے " داغ "
اپنے دیواں سے ملا دیکھئے دیواں ان کا

(" جلال " لکھنوی)

کہنے کو " جلال " آپ بھی کہتے ہیں وہی طرز
لیکن سخن میر تقی " میر " کی کیا بات

(امیر مینائی)

شاعری میں "امیر" کی خاطر
"میر" اپنی زبان چھوڑ گئے

(امداد امام "اثر")

لیکن "اثر" جو چشم حقیقت سے دیکھئے
کوئی غزل سرا نہ ہوا "میر" کی طرح

(اکبر الہ آبادی)

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں "اکبر"
"ناسخ" و "ذوق" بھی جب چل نہ سکے "میر" کے ساتھ

("حسرت" موہانی)

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بے مثل ہے "حسرت" سخن "میر" ابھی تک

(مولانا "صفی" لکھنوی)

ابہامات غزل میں ساحر وہی
ہر نغمۂ دلکش میں بم و زیر وہی
"حافظ" کا جو فارسی میں رتبہ ہے "صفی"
اردو میں ہے مرتبۂ "میر" وہی

تمام شعرا کے دیوان اس نظر سے دیکھے جائیں تو شاید ہی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نکلے جس نے کسی نہ کسی عنوان سے "میر" کے شاعرانہ کمال کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اس زمانے کے متعدد شاعروں نے "میر" کی مدح میں مستقل نظمیں بھی لکھی ہیں۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو مولانا

"عزیز" لکھنوی ۔ حضرت "اثر" لکھنوی اور جناب "فرخ" بنارسی کی نظمیں اِس موضوع پر میری نظر سے گزری ہیں ۔

غزل میں تو "میر" کا کوئی مقابل ہے ہی نہیں ۔ مثنوی میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے ۔ اور اُردو میں وہ اس وقت کے موجد ہیں ۔ دیگر اصناف سخن میں بھی میر صاحب نے اپنے شاعرانہ کمال کے جوہر دکھائے ہیں مگر ان کے کمال غزل گوئی کے سامنے کسی اور چیز پر نظر نہیں پڑتی ۔

"میر" کی شہرت صرف اُردو شاعر کی حیثیت سے ہے مگر ان کی متعدد تصنیفات، فارسی نظم و نثر میں بھی موجود ہیں اُن کی جتنی تصانیف اب تک مل چکی ہیں ان کے نام اور مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے ۔

۱ــ۶ اردو غزلوں کے چھ دیوان ۔ جن میں چند قصیدے بھی شامل ہیں ۔

۷ ۔ دیوان ہفتم ۔ اس میں غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ "میر" کی تمام نظمیں جمع کردی گئی ہیں ۔ ان نظموں میں مثنویاں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں ۔ میر کی مثنویوں کا ایک مجموعہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ نے چند سال ہوئے مثنویات "میر" کے نام سے شائع کردیا ۔

۸ ۔ دیوان مراثی ۔ یہ سلاموں اور مرثیوں کا مجموعہ ہے اور میر کا جو مطبوعہ کلیات آجکل دستیاب ہوتا ہے اس میں شامل نہیں ہے ۔ مگر اسکا ایک قدیم قلمی نسخہ راقم کی

نظر سے گذرا ہے اور اس کی ایک نقل راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے -

۹ - دیوان فارسی - اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں بہت سی غزلیں ' متعدد رباعیاں ' ایک مثنوی اور ایک مسدس شامل ہے -

۱۰ - نکات الشعرا - یہ اُردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ ہے -

۱۱ - ذکرمیر — اس کتاب میں " میر " نے کچھ اپنے اور زیادہ تر اپنے زمانے کے حالات لکھے ہیں - یہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد کی مستند تاریخ ہے -

۱۲ - فیض میر — یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں " میر " نے چند صوفی درویشوں کے چشم دید حالات نہایت دلکش فارسی عبارت میں لکھے ہیں - اس دلچسپ رسالے کو راقم نے پہلے پہل ۱۹۲۹ع میں ایک مقدمہ اور اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا -

۱۳ - ایک قصہ فارسی نثر میں — یہ وہی قصہ ہے جس کو " میر " نے اپنی اُردو مثنوی شعلۂ عشق میں نظم کردیا ہے ان کتابوں میں سے دیوان فارسی - ذکرمیر اور فیض میر کا ایک ایک قدیم قلمی نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ہے - اور نمبر ۱۳ میں جس فارسی قصہ کا ذکر ہے اسکا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور میں ایک صاحب کے پاس ہے -

" میر " کی ان تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ فارسی کے زبردست انشا پرداز اور شاعر بھی تھے - مورخ بھی تھے - افسانہ

نگار بھی تھے اور فلسفی بھی تھے ۔ افسوس ہے کہ ان کے قلم سے نکلی ہوئی اُردو نثر کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوئی ۔ لیکن فورٹ ولیم کالج میں اُردو کتابوں کی تالیف و تصنیف کے لیے اُن کا بلایا جانا ثابت کرتا ہے کہ اُن کا شمار اُردو کے اعلیٰ درجے کے نثاروں میں بھی تھا ۔

انتخاب

ہنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

قطعہ

کل ، پانوں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ہجراں کے جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا

کفر کچھ چاہئے اسلام کی زینت کے لئے
حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا
جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا؟
تنگ احوال ہے اس یوسف زندانی کا

امیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کے کیا خجل
اے چشم! جوش اشک ندامت کو کیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
جگر ہی میں اک قطرہ خوں ہے سرشک
پلک تک گیا تو تلاطم کیا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کے اُور گئے، پر سجدہ ہر ہر گام کیا
یاں کے سفیدوسیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لاکر چھوڑ دئے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا
میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو؟ اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

وعدہ تو کیا اُس نے دم صبح کا لیکن
اس دم کے تئیں مجھ میں اگر جان رہے گا
چھٹتے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رہے گا

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
ہم خاک کے آسودوں کو آرام! نہ آیا
بےہوش مئے عشق ہوں، کیا میرا بھروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا
نے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل "میر" کسو کام نہ آیا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اِس آشفتہ سری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا
ٹک "میر" جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

سلهم تکاهی کرے ہے جس تس کا — حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب — ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
فیض، اے ابر! چشم تر سے اٹھا — آج دامن وسیع ہے اس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے — حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

اولجھاؤ پڑگیا جو ہمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز، جان کا جنجال ہوگیا

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے ہو
ہے خیر "میر" صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

دل بہم پہونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا
آپڑی ایسی یہ چنگاری کہ پیراہن جلا

جب جلوں سے ہمیں توسل تھا　　اپنی زنجیر پاہی کا غل تھا
بسترا تھا چمن میں جوں بلبل　　نالہ سرمایۂ توکل تھا
اُن نے پہچان کر ہمیں مارا　　منہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار　　یادِ ایام، جب تحمل تھا

اک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دور میں ناسور ہوگیا
شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی کبھو
اب دیدۂ ترکو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا
رکھ ہاتھ دل پر ''میر'' کے دریافت کر کیا حال ہے؟
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بےتاب سا

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں ہماری ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ　　ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا

نالہ ہم خاکساروں کا آخر خاطر عرش کا غبار ہوا
وہ جو خنجر بہ کف نظر آیا "مہر" سو جان سے نثار ہوا

مانند شمع مجلس، شب اشکبار پایا
القصہ "مہر" کو ہم بے اختیار پایا
شہرِ دل ایک مدت، اُجڑا بسا غموں سے
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اُٹھتے تھے "مہر" شب سے
واں جاکے صبح دیکھا، مشت غبار پایا

آخر کو مرگئے ہیں اس کی ہی جستجو میں
جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اسے نہ پایا
ہونا تھا مجلس آرا گر غیر کا تجھے، تو
مانند شمع مجھ کو کاہے کو یوں جلایا

دی آگ رنگ گل نے واں اے صبا چمن کو
یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو
احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا
یا روئے یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گذری
کیا ذکر، ہم صفیرو! یاران شادماں کا

کیا طرح ہے آشنا کہیے، کبھی نا آشنا
یا تو بیگانہ ہی رہیے ہوجیے یا آشنا
کون سے یہ بحر خوبی کی پریشاں زلف ہے
آتی ہے آنکھوں میں میری موج دریا آشنا

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا
مرے سلیقے سے میری نبھی تھی قسمت میں
تمام عمر، میں ناکامیوں سے کام لیا

سیر کے قابل ہے دل صدپارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

بوئے خوں سے جی رکا جاتا ہے اے باد بہار
ہوگیا ہے چاک دل شاید کسی دلگیر کا
بس طبیب اٹھ جا! مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام جاں آخر ہوا، اب فائدہ تدبیر کا
کس طرح سے مانیے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرا تو دیکھو "میر" کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا

کثرت میں درد و غم کی نہ نکلی کوئی طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا

لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا

دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا

مت کر عجب جو "مہر" ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا ؟

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا

دل جو نہ تھا تو رات ، زخود رفتگی میں "مہر"
گہ انتظار ، گاہ مجھے اضطراب تھا

کچھ نہیں سوجھتا ہمیں ، اس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا

عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا

مسند آبروئے زاہد علامہ لے گیا
اک مغ بچہ ' اتار کے عمامہ لے گیا
داغ فراق و حسرت وصل ' آرزوے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا

اے تو کہ یاں سے عاقبت‌کار جاے گا
غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے کہا مجھے
بےچارہ ' کیونکہ تا سر دیوار جائے گا
تدبیر میرے عشق کی ' کیا فائدہ ؟ طبیب !
اب جان ہی کے ساتھ یہ ازار جائے گا
آئے میں اس کے حال ہوا جائے ہے بغیر
کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائے گا
دیگی نہ چین ' لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے ہاتھ سے تلوار جائے گا

کیا کہوں کیسا ستم ' غفلت سے مجھ پر ہو گیا
قافلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا
مدعا جو ہے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں
ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا
بےکسی مدت تلک برساکی اپنی گور پر
جو ہماری خاک پر سے ہو کے گذرا ' رو گیا

مت ہو دشمن اے فلک! اس پائمال راہ کا
خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیر اللہ کا

جو سنا ہشیار، اس میخانے میں تھا بےخبر
شوق ہی باقی رہا ہم کو دل آگاہ کا

شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازی گاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل
آغاز، مرے غم کا انجام نہیں رکھتا

ناکامی صد حسرت، خوش لگتی نہیں ورنہ
اب جی سے گذر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

تو وہ متاع ہے کہ پڑی جس کی تجھ پہ آنکھ
وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

اٹھ اے نالہ ہے خدا کا ناؤں بس تو نہ آسماں سے نکلا
نامرادی کی رسم "میر" سے ہے طور یہ، اس جوان سے نکلا

گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

۱۱

گرمئی عشق مانع نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو ' کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا   لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن   جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار '' میر '' اس سے   عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو گا

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
بتاں کی '' میر '' ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

قدر رکھتی نہیں متاع دل
سارے عالم میں ' میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے "میر"
پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرائے بجلی!
جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد
کہ روزگار کے سر خوں ہے ہزاروں کا

تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے
جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا

تری ہی زلف کو محشر میں ہم دکھا دیں گے
جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل
ہوگا کمیں میں ہاتھ کسو داد خواہ کا

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا
تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

هر قدم پر تھي اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا
سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

گل و بلبل بہار میں دیکھا ایک تجھ کو هزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید هیں آنکھیں یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو "مہر" سنتے تھے اُن کو اس روزگار میں دیکھا

مہر کي تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
اشک تر، قطرۂ خوں، لخت جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہتر نکلا
داغ هوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیئے گھر سے تو باهر نکلا
دل کي آبادي کی اس حد هے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا هے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
هملے جانا تھا لکھے گا تو کوئي حرف اے "مہر"
پر ترا نام تو اک شوق کا دفتر نکلا

هم رہ روان راہ فنا هیں بہ رنگ عمر
جاویں گے ایسے، کھوج بھي پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں "میر" باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

دھوکا ہے تمام بحر دنیا　دیکھے گا کہ ہونٹھ تر نہ ہوگا
آئی جو شکست آئنے پر　روے دل یار ادھر نہ ہوگا
پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں　ماتم زدہ "میر" اگر نہ ہوگا

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام
ناصح جو تو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا
جیتے تو ان نے "میر" مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹا، گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

میں نہ کہتا تھا کہ منہ کر دل کی اور
اب کہاں وہ آئینہ، ٹوٹا گیا
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر، سو مرتبہ لوٹا گیا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے "میر" ایسا سودا نہ ہوا ہو گا

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت میں ہوئے ہم
پر سیر ہو اُس شخص کا دیدار نہ پایا

چشم خوں بستہ سے کل رات، لہو پھر ٹپکی
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو
کشمکش میں بےقراری کے یہ پھوڑا چھل گیا
رشک کی جاگہ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کی "میر"
نعش کے ہمراہ جس کی گور تک قاتل گیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے
یہاں وہی ہے جو اعتبار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے "میر"
مذہب عشق اختیار کیا

دکھ اب فراق کا، ہم سے سہا نہیں جاتا
پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر
کب آ کے خون میں، میں یاں نہا نہیں جاتا
خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے "میر"
کہ ٹک بھی اس گلی اس بن رہا نہیں جاتا

سمجھے تھے ہم تو "میر" کہ ناسور کم ہوا
پھر ان دنوں میں، دیدۂ خونبار نم ہوا
آئے بہ رنگ، ابر عرق ناک تم ادھر
حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا
کافر! ہمارے دل کی نہ پوچھو اپنے عشق میں
بیت الحرام تھا سو وہ بیت الصنم ہوا

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھی کبھو گذرا نہ پر فشانی کا

نمود کر کے وهیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو ''مہر'' بھی اک بلبلا تھا پانی کا

سوا میں سجدے میں پر نقش مہرا یار رہا
اُس آستاں پہ مري خاک سے غبار رہا
کبھی نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کي طرح
تمام عمر همیں اس کا انتظار رہا
بتوں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا
اُس کے دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا
خاک تک کوچۂ دل دار کي چھانی ہم نے
جستجو کي پہ دل گم شدہ پایا نہ گیا
مہ نے آ سامنے، شب، یاد دلایا تھا اسے
پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا
ہم سے ہی حال تبہ اپنا دکھایا نہ گیا
زیر شمشیر ستم ''مہر'' تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

میں تو تھا صید زبوں صید کہ عشق کے ہیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

خوف آشوب سے فوغائے قیامت کے لئے
خون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
'' مہر '' مت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سلایا نہ گیا

گریباں سے رھا کو نہ تو پھر ہے
ہمارے ہاتھ میں دامن ہمارا
ہوا رونے سے راز دوستی فاش
ہمارا گریہ تھا دشمن ہمارا
بہت چاہا تھا ابر تر نے لیکن
نہ سلت کم ہوا گلشن ہمارا
چمن میں ہم بھی زنجیری رہے ہیں
سنا ہو گا کبھی شیون ہمارا

گلیوں میں اس کی ' اب تک مذکور ہے ہمارا
افسانۂ محبت مشہور ہے ہمارا
بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو
کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا

ھیں مشت خاک لیکن جو کچھ ھیں " مہر " ھم ھیں
مقدور سے زیادہ مقدور ھے ھمارا

سحر گہہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے ھم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کی وضع نے ھم کو کیا داغ
کہ ھر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیراھی رو تھا
نہ دیکھا " مہر " آوارہ کو لیکن
غبار اِک ناتواں سا کوبہ کو تھا

راہ دور عشق میں روتا ھے کیا
آگے آگے دیکھئے ھوتا ھے کیا
قافلے میں صبح کے اِک شور ھے
یعنی غافل ھم چلے سوتا ھے کیا
سبز ھوتی ھی نہیں یہ سر زمیں
تخم خواھش دل میں تو بوتا ھے کیا
یہ نشان عشق ھیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کی عبث دھوتا ھے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
"مہر" اس کو رائیگاں کھونا ہے کیا

آنکھوں نے راز داری محبت کی خوب کی
آنسو جو آئے آئے رہے تو لہو بہا

بے کسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غمخوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

وصل و ہجراں یہ جو دو منزل ہیں راہ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالہوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر "مہر" سرو آستاں مارا گیا

اٹھتے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں آنسو
ڈول ڈالا ہے سری آنکھوں نے اب طوفاں کا
لہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا

جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہوگیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

اک وہم سی رہی ہے ، اپنی نمود ، تن میں
آتے ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا

تشخص فائدہ ناصح ! تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد ، دل جس کا لگا ہوگا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے
جوش حیا سے ہم نے وہ آستاں نہ پایا

یہ عیش گہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے
ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
وہ پہلی التفاتیں ، ساری فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اس کو میں "میر" آپ چوکا

سر سے سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یک جا

بسان شمع جو مجلس سے ہم گذر تو گئے
سراغ کیجو نہ پھر تو نشان پانے کا
سراہا ان نے ترا ہاتھ، جن نے دیکھا زخم
شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا
شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ "مہر" اب جو گدا ہے شراب خانے کا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئی "مہر"
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا
دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا

مجلس آفاق میں پروانہ ساں
"میر" بھی شام اپنی سحر کر گیا

آیا جو واقعے میں در پیش عالم مرگ
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
کس کی نگہ کی گردش تھی "میر" روبہ مسجد
محراب میں سے زاہد مست و خراب نکلا

ایسے بت بے مہر سے ملتا بھی ہے کوئی
دل "میر" کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھ مزاج ان دنوں مکدر تھا
سر سری تم جہان سے گذرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا
دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم
یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا
بار سجدہ ادا کیا تہ تیغ
کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

تیرا رخ مخطط' قرآن ہے ہمارا
بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہمارا

گر ہے یہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں
دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا
ساحت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
اک قطرہ خوں یہ دل کا طوفان ہے ہمارا

آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
رات ، حیران ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی "مہر"
درد پنہاں تھے بہت ، پر لب اظہار نہ تھا

بے طاقتی سکوں نہیں رکھتی ہے ہم نشیں
رونے نے ہر گھڑی کے مجھے تو ڈبو دیا
پوچھا جو میں نے درد محبت کو "مہر" سے
رکھ ہاتھ ان نے دل پہ تنک اک آہ رو دیا

داغ اور سینے میں کچھ بگڑی ہے ، عشق ، دیکھیں
دل کو جگر کو کس کو اب درماں دے گا
گھر چشم کا ڈبو مت ، ذرا رک گئی یہ رو رو
کیا "مہر" ہاتھ سے تو یہ بھی مٹی دے گا

کل ، چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا

ایک چشمک، دو صد سنان مژہ
اس نکیلے کا بانکپن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
عاشقوں کو جلا وطن دیکھا
حسرت اس کی جگہ تھی خوابیدہ
"میر" کا کھول کر کفن دیکھا

جہاں کوفتنے سے خالی کبھو نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کی رات سے شاید
سر شک یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کے "میر"
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ مری جان کو تیغ کشیدہ تھا
دل بے قرار گریۂ خو نیں تھا رات "میر"
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمیں
مر گیا پر یہ کبھی گبر مسلماں نہ ہوا

شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب
کسی عنوان سے ہم چشم عزیزاں نہ ہوا

سلک مجھے بہ جاں قبول اس کی عوض ہزار بار
تابہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

دس کی ہوا، کہاں کا گل، ہم تو قفس میں ہیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

قطعہ

سر مار کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں
سینے پہ مجھ کو اس کے مذکور نقش پا تھا
سو بخت تیرہ سے ہوں پامالی صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا

کہاں آئے میسر تجھ سے مجھ، کو خود نما اتنے
ہوا یوں اتفاق آئینہ تیرے رو بہ رو ٹوٹا
وہ بےکس کیا کرے، کہہ تو رہے دل ہي کي دل ہي میں
نہت بے جا ترا دل ''مہر'' سے اے آرزو! ٹوٹا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
صیاد! دل :ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ، کو بھي ہو نصیب، یہ گلزار دیکھنا
گر زمزمہ یہي ہے کوئي دن، تو ہم صفیر
اس فصل ہي میں ہم کو گرفتار دیکھنا
آنکھیں چرائیو نہ تک ابر بہار سے
میری طرف بھي دیدۂ خوں‌بار دیکھنا

قدم تک دیکھ کر رکھ، ''مہر'' سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منھ کو دھوتا رہے گا
بس اے "مہر" مژگاں سے پوچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

گئی تسبیح اس کی نزع میں کب "میر" کے دل سے
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا
مانند حرف صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا
دل بھی مرا جریدۂ عالم میں فرد تھا
تھا پشتۂ ریگ باد یہ اک وقت کارواں
یہ گرد باد کوئی بیاباں نورد تھا
دل کی شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں
واں چیں جبیں پہ آئی کہ یاں رنگ زرد تھا
اک گرد راہ تھا پئے محمل تمام راہ
کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا
عاشق ہیں ہم تو "مہر" کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب سرد تھا

مغاں! مجھ مست بن پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کوئی رہتا ہے جیتے جی ترے کوچے کے آنے سے
تبھی آسودہ ہو گا "میر" صاحب جی کو کھووے گا

گئے قیدی ہو، ہم‌آواز جب صیاد آتوتا
یہ ویراں آشیانہ دیکھنے کو ایک میں چھوٹا

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول
گل گشت سرسری نہیں اس گلستان کا
گل، یاد گارچہرۂ خوبانِ بے خبر
مرغ چمن، نشاں ہے کسو خوش بیان کا

نقس بیتھے ہے کہاں خواہش آزادی کا
تنگ ہے نام رهائسی تیرے صیادی کا

تیرے کوچے کے رہنے والوں نے یہیں سے کعبے کو سلام کیا
عشق خوباں کو "میر" میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا

خوبی کو اس کے چہرے، کی کیا پہونچے آفتاب
ہے اس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا

تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں "میر" سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

عطر آگیں ہے باد صبح مگر کھل گیا پیچ زلف خوشبو

کل شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ہو چلا ہوں بیشتر از صبح سرد سا
قصد طریق عشق کیا سب نے بعد قیس
لیکن ہوا نہ ایک بھی اس رہ نورد سا
کیا "میر" ہے یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا
نم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
زہے طالع اے "میر" ان نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک، تجھے کیا ہوا تھا

ترے کوچے میں مری خاک بھی پامال ہوئی
تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا هي هے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پہونچیو اے "مہر" خدا کو سونپا

گلہ نہیں هے همیں اپني جاں گدازي کا
جگر پہ زخم هے اس کي زباں درازي کا
خدا کو کام تو سونپے هیں میں نے سب لیکن
رهے هے خوف مجھے واں کی بے نیازي کا
کسو کي بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش هے میرے هی رنگ سازي کا
بسان خاک هو پامال راہ خلق اے "مہر"
رکھے هے دل میں اگر قصد سرفرازي کا

سینہ دشنوں سے چاک تا نہ هوا
دل جو عقدہ تھا سخت وا نہ هوا
سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ هی جدا نہ هوا
هم تو ناکام هی جہاں میں رهے
یاں کبھو اپنا مدعا نہ هوا
"میر" افسوس وہ کہ جو کوئی
اس کے دروازے کا گدا نہ هوا

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے همیں تو دیا سا بجھا دیا

تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا

کیا کچھ نہ تھا ازل میں جو طالع تھے نادرست
ہم کو دل شکستہ قضا نے دلا دیا

تکلیف درد دل کی عبث ہم نشیں نے کی
درد سخن نے ''میر'' سبھوں کو رلا دیا

ہرشے حیات کا تو سبب ہے حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

اس کے فروغ حسن سے چمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

ہم مذہبوں میں صرف کرم سے ہے گفتگو
مذکور ذکر یاں نہیں صوم و صلوات کا

کیا ''میر'' تجھ کو نامہ سیاہی کی فکر ہے
ختم رسل سا شخص ہے ضامن نجات کا

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی
جانے ہے خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا
اس شوخ کی مجلس میں ' جانا ہمیں' پھرواں سے
اک زخم زباں تازہ ' ہر روز اٹھا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا
پھر پھر گیا ہے آ کر منھ تک جگر ہمارے
گذرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاہے کو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھ کو ' اے ابر زور برسا
وحشی مزاج از بس مایوس بادیہ ہیں
ان کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا
انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو
گو "میر" بے سروپا ظاہر ہے بے خبر سا

تیغ ستم سے اس کے مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا
قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے
نکلے ہے کوئی لخت دل اب سو جلا ہوا
بدتر ہے زیست مرگ سے ہجران یار میں
بیمار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا
اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب کہ کیا

اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا
کیا کیا زیان ''میر'' نے کھینچے ہیں عشق میں
دل ہاتھ سے دیا ہے جدا، سر جدا دیا

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا؟
زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے
چھوٹا نہ میں ہی، تھا جو گرفتار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

ستم سے گو ترے یہ کشتۂ وفا نہ رہا
رہے جہان میں تو، دیر میں رہا نہ رہا
سوئے تو ہم، پہ دلِ پر کو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑ کا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا
حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو "میر" میں تھی
گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

کرتے ہی نہیں ترک، بتاں طور جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی
حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا
کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا

وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا
فائدہ اب، جب کہ قد محراب سا خم ہوگیا
کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو "میر"
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہوگیا

پہونچے ہے کوئی اس تن نازک کے لطف کو
گل، گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہوگیا
کچھ آب دیدہ رات سے خوناب سا ہوا
سمجھے تھے ہم تو "میر" کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

دیکھو آرسی کو یار ہوا محو ناز کا
خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا
ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے
اس کو وہی ہے شوق ابھی ترک تاز کا
اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھی
کھلنا تو دیکھو اس مژۂ نیم باز کا
کوتاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب
جی پر وبال سب ہے یہ عمر دراز کا
ہے کیمیاگروں میں مقید یہ قدر خاک
پر قدر کچھ نہیں ہے دل پر گداز کا

مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا
ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑی دل میں جائے ہے
انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا
پھر ''میر'' آج مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

غم ابھی کیا محشر مشہور کا
شور سا ہے تو و لیکن دور کا
حق تو سب کچھ ہی ہے تو ناحق نہ بول
بات کہتے سر کٹا منصور کا
طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل
مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا
چشم بہنے سے کبھو رہتی نہیں
کچھ علاج اے ''میر'' اس ناسور کا

نظر میں طور رکھ اس کم نما کا
بھروسا کیا ہے عمر بے وفا کا
گلوں کے پیرہن ہیں چاک سارے
کھلا تھا کیا کہیں بند اس قبا کا
پرستش اب اسی بت کی ہے ہر سو
رہا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے
پڑے ہے پاؤں بے ڈھب کچھ صبا کا

ہوئے آخر کو سارے کام ضائع نا شکیبی سے
کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرط شوق سے جی بھی اُدھر چلا
یہ چھیڑ دیکھو ہنس کے رخ زرد پر مرے
کہتا ہے "میر" رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کیا لطف ہے جیتے جو برے حال کوئی "میر"
جی ہی سے تو نے ہاتھ اُٹھایا بھلا کیا

اِس موج خیز دہر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا
اک آن اِس زمانے میں یہ دل ہے وا ہوا
کیا جانئے کہ "میر" زمانے کو کیا ہوا

از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی راہ میں
آتا نہیں ہے پھر کے اُدھر کا گیا ہوا

یوں پھر اٹھا نہ جائیگا اے ابر دشت سے
گر کوئی رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا
دامن سے منھ چھپائے جلوں کب رہا چھپا
سوجا ہے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا
دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہائے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا

نہ صبر ہے ' نہ ہوش ہے ' نہ عقل ہے نہ دین
آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں' مستی سے لہو سی آنکھیں
سج تری دیکھ کے اے شوخ! حذر ہم نے کیا
کیا کیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں
رات کے سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو تمیز
ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کیا معمور کیا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
رہتے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے
اس بن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار
کچھ وجہ بھی کہ آپ کا منہ ہے اتر رہا
اکدم میں یہ تعجب کہ مرے سوپہ پھر گیا
جو آب تیغ برسوں ترے تا کمر رہا
کاہے کو میں نے "میر" کو چھیڑا کہ اُن نے آج
یہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا

ٹک جوش سا اٹھا تھا مرے دل سے رات کو
دیکھا تو ایک پل ہی میں دریا سا ہوگیا
جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا
اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہوگیا
کل تک تو ہم وے ہنستے چلے آئے تھے یہیں
مرنا بھی "میر" جی کا تماشا سا ہوگیا

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کیا کہوں
لگ اٹھی یہ آگ ناگہ کہ گھر سب پھک گیا
ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو یہیں اڑ چلا
دیکھو اب پیری میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا
اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا
سرکش کسو سے ایسی کدورت رکھے وہ شوخ
ہم اس کی خاک راہ ہیں ہم سے غبار کیا

غنچہ ہی وہ دہان ہے گویا — ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا
مسجد ایسی بھری بھری کب ہے — میکدہ اِک جہان ہے گویا
بسکہ ہیں اس غزل میں شعر بلند — یہ زمیں آسمان ہے گویا
وہی شور مزاج شیب میں ہے — "میر" اب تک جوان ہے گویا

تیشے سے کوہکن کے کیا طرفہ کام نکلا
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنر تھا
ہوش اُڑ گئے سبھوں کے شور سحر سے اس کے
مرغ چمن اگرچہ اِک مشت بال و پر تھا

تڑپے زیر تیغ ہم بے قول آہ
دامن پاک اس کا خوں میں بھر گیا

جی رک گئے اے ہمدم دل خون ہو بھر آیا
اب ضبط کریں کب تک منہ تک تو جگر آیا
تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گا
سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا
برخستہ ترا خواہاں اِک زخم دگر کا تھا
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا
در ہی کے تئیں تکتے پتھرا گئیں آنکھیں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب "میر" کے گھر آیا

یار ہے "مہر" کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا

درد دل کو ہمارے ٹک دیکھو
یہ بھی پر پیچ و تاب ہے کاکل سا

اک نگہ ، ایک چشمک ، ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا

ٹوٹی زنجیر پائے "مہر" مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم ، غل سا

تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

ہماری خاک پہ اک بیکسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا — اندرونی میں جیسے باغ لگا
"مہر" اس بے نشاں کو پایا جان — کچھ ہمارا کہیں سراغ لگا

دست و پا گم کرنے سے میرے کھلے اسرار حق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر اک پا گیا

داغ محجوبی ہوں اس کا میں نہ سمجھے زاہدو
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کے شرما گیا

ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب تیار ہوں
دل کی روز و شب کی بے تابی سے جی گھبرا گیا

اک بار بھی آنکھ اپنی اس پر نہ پڑی مرتے
سو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اٹھا دیکھا
جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں
کچھ ساری خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

ناگہ جو وہ صنم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے، خدا یاد آگیا
اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
توڑا ہی تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

گرم سمجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لئے منھ پہ نقاب
آخری وقت مرے، منھ کا چھپانا کیا تھا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کرچلا طوفاں ہوا
جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا، پھر آساں ہوا

تم جو کل اس راہ نکلے برق سے ہلتے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ہوا
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ہے تب سے "مہر"
جیب جاں وابستۂ زنجیر تا داماں ہوا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
جاگہ سے اپنی جانا اپنا نہیں وطیرا
غیرت سے "میر" صاحب سب جذب ہو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوہو سوکھا جوان کا چہرا

ظالم پھرائے سو پھرا قلب پھر گئے
چلتے وہ رشک ماہ جو ہم سے جدا پھرا
آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تلک دل بھرا پھرا
بندہ ہے پھر کہاں کا جو صاحب ہو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ہے جس سے خدا پھرا

جانا اس آرام گہ سے ہے بعینہ اس طرح
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے ادھر پہلو لیا
کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہے ہائے
خوبرو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

پھول نرگس کا لئے بہوچک کھڑا تھا راہ میں
کس کی چشم پر فسوں نے "مہر" کو جادو کیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے ' مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا
تجھ پر کوئی اے کم جاں! دیکھا نہ یوں مرتا ہوا
مدت ہوئی اُلفت گئی ' برسوں ہوئے طاقت گئی
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانئے اب کیا ہوا
وے دن گئے جو ' یاں کبھو اُٹھتا تھا دل سے جوش سا
اب لگ گئے ' رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا
مستی میں لغزش ہوگئی معذور رکھا چاہیے
اے اہل مسجد! اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا
جوں حسن ہے اِک فتنہ گر تیوں عشق بھی ہے پر خطر
وہ شہرۂ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہوا

تمام روز ' جو کل میں پئے شراب پھرا
بسان جام لئے دیدۂ پرآب پھرا

وہ رشک گنج ہی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون تھا جس میں نہ میں خراب پھرا
کہیں ٹھہرنے کی جایاں نہ دیکھی میں نے "میر"
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

اُڑتی ہے خاک یارب شام و سحر، جہاں میں
کس کے غبار دل سے یہ خاک داں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت! اللہ رے تیری صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا محل، بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب! اتنا کڑھا نہ کرئے
اس غم نے "میر" تم کو جی سے ندان مارا

یہ "میر" ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
انداز سخن کا، سبب شور و فغاں تھا
واقف تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی داغ خرابی میں نہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا، نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعوی وحشت ہے مجھی سے
جس دن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا وہ کہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا
عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ
زلف نے تیری تو زنار بندھایا ہوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو تک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

کیا کہوں بیتابئی شب سے کہ ناچار اس بغیر
دل مرے سینے میں دودو ہاتھ اچھل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا
نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا
یہیں ہیں دیرو حرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا
کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سر، اب ماریں
خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا
رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے
سروں پہ اپنے ہے احسان شکستہ پائی کا
ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل
بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب
اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو   دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات   اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہوگئے مجبور اس میں کیا اختیار ہے اپنا

ہو گوشہ گیر، شہرت مد نظر اگر ہے
عنقا کی طرح اپنا عزلت سے نام نکلا
کیوں کر نہ مر رہے جو بے تاب "مہر" سا ہو
اک آدھ دن تو گور سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب ترے رہ میں "مہر" گرد آلود
لو ہو مہر آ، نہا نہیں جاتا

کچھ عشق و ہوس میں فرق کر لے کدھر ہے وہ امتیاز تیرا
کہتے نہ تھے "مہر" مت کڑھا کر دل ہو نہ گیا گداز تیرا

نام اس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے
دل کا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا
رہتی تھی بے دماغی اک شور تھا وطن میں
آنکھوں کے مند گئے پہ آرام سا تو پایا

مطلب تنہا ہی کب ہے جس تس کا
حسرتیں ہی یہ آشنا کس کا

شام سے کچھ بجھا سا رھتا ھے
دل ھوا ھے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رھے ھیں سب
ھاتھ دستہ ھوا ھے نرگس کا
فیض اے ابر! چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ھے اس کا
تاب کس کو جو حال ''میر'' سنے
حال ھی اور کچھ ھے مجلس کا

تحمل نہ تھا جس کو تک سو وہ میں
ستم کیسے کیسے اٹھانے لگا

آنسو مری آنکھوں میں ھر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
صد شکر کہ داغ دل ' افسردہ ھوا ورنہ
یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا
کہتے تو ھو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ھیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جو کچھ نظر پڑی ھے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ھے خواب کا
شاید کہ قلب یار بھی تک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے کے ھوں انقلاب کا

رو، فرصت جوانی پہ جوں ابر بے خبر
انداز برق کا سا ہے عہد شباب کا
لایق تھا ریجھنے ہی کے مصراع قدیار
میں معتقد ہوں "مہر" ترے انتخاب کا

کیا کوئی زیر فلک اونچا کرے فرق غرور
ایک پتھر حادثہ کا آ لگا سر پھر گیا
بعد مدت اس طرف لایا تھا اس کو جذب عشق
بخت کی برگشتگی سے آتے آتے پھر گیا
سخت ہم کو "مہر" کے مر جانے کا افسوس ہے
تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے آخر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی
ظالم نگاہ چشم ادھر کی، غضب کیا

لڑگئیں آنکھیں اڑائی دل نے چوٹ
یہ تماشائی عبث گھائل ہوا
ایک تھے، ہم ویسے نہ ہوتے مست اگر
ایسا ہونا بیچ میں حائل ہوا
"مہر" ہم کس ذیل میں، دیکھ اس کی آنکھ
ہوش اہل قدس کا زائل ہوا

کوئی فقیر، یہ اے کاشکے دعا کرتا
کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
ترے مزاج میں تاب و تعب تھی "میر" کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا
ہوا ابر رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے
لگے ہے ہمیں وہ تو عیار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
جو ایسا ہی تم ہم کو سمجھو ہو سہل
ہمیں بھی یہ جینا ہے دشوار سا
مگر آنکھ تیری بھی چپکے کہیں
ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا
چمن ہوئے جو انجمن تجھ بے واں
لگے آنکھ میں سب کی، گل خار سا
کھڑے منتظر ضعف جو آگیا
گرا اس کے در پر میں دیوار سا
دکھاؤں متاع وفا کب اسے
لگاواں تو رہتا ہے بازار سا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغِ حرماں ہے خاک میں بھی ساتھ
جی گیا پر نہ یہ نشاں گیا

پہونچایا مجھ کو عجز نے مقصودِ دل کے تئیں
یعنی کہ اس کے در ہی پہ میں ناتواں گرا

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا
واں کام ہی رہا تجھے، یاں کام ہو چکا
موسم گیا وہ ترکِ محبت کا ناصحا
میں اب تو خاص و عام میں بدنام ہو چکا
یا خط چلے ہی آتے تھے یا حرف ہی نہیں
شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
تڑپے ہے جب کہ سینے میں اُچھلے ہے دو دو ہاتھ
گر دل یہی ہے "میر" تو آرام ہو چکا

کی بلبل اور گل کی جو صحبت کی سیر "میر"
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

سینے میں شوقِ "میر" کے سب درد ہو گیا
دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منہ زرد ہو گیا

کیا تو ؟ نمود کس کی ؟ کیا ہے کمال تیرا
اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا
پہلا قدم ہے انساں ! پامال مرگ ہونا
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
تفصیل حال میری تھی باعث کدورت
سو جی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے "میر" حال تیرا

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہوگئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا
اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ تر نے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا
دل بے تاب و بےطاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جاکر ہوں اگر ہو اختیار اپنا

"میر" بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

شکست دل عشق کی جان کیا
نظر پھیری تونے تو وہ مر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اس کے اب
مزاج آپ کا "میر" کیدھر گیا

کیا ہے جو راہ دل کی ، طے کرتے مر گئے ہم
جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر رہے گا

پلنگ کو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا
سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
کب کہا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا
پھول خوش رنگ اور اُس نے فرش پر بچھ کر ہوا

کبھی تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا
بتا کے کعبے کا رستا اسے بھلاؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے یار کے گھر کا

"مہر" کے ہوش لے ہیں ہم عاشق
فصل گل جب تلک رہی ، مست رہا

گئی نیند ، شیون سے بلبل کی رات
کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قد یار کے آگے سرو چمن
کھڑا دور جیسے گنہ گار تھا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
اب کسی مثلِ بہار سے آگے جلوں ہوا

دیکھا پلک اُٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر
اے عمرِ برق ! جلوہ گئے تو شتاب کیا

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشم دلبراں کی ادا
دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ
دیکھی چلنے کی دلبراں کی ادا
خاک میں مل کے "مہر" ہم سمجھے
یہ ادائی تھی آسماں کی ادا

میں تو افسردہ ہی چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

وہ روئے خوب اب کی ، ہرگز گیا نہ دل سے
جب گل کھلا چمن میں تب داغ ہم نے کھایا

آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا
خواب عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا

ترے غم کے ہیں خواہاں سب، نہ کھا غم
کمی کیا ہوئی جو اک میں نہ ہوں گا

"میرؔ" کے نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا　　اس سیہ خانہ میں چراغ جلا

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا
مجھ کو شاعر نہ کہو "میرؔ" کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کی آمد ناتواں میں لے گیا
"یا محبت" کہہ کے یہ بارِ گراں میں لے گیا
خاک و خوں میں لوٹتا ہوں جا کر اس کا التفات
جان کو تھا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ عالی میں "مہر"
جو زمیں نکلی اسے تا آسماں میں لے گیا

تھا نزع میں دست "مہر" دل پر   شاید غم کا یہی محل تھا

تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ایک سے
دیدہ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک، ایک آن میں
عشق میں اس کے گذرنا جان سے مشکل ہے کیا

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو؟ سلام کیا؟

بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
تلخ بدلے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر إکو گذارانہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
جی رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں ایک
بوالہوس کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا

جلوے سے اس کے جل کے ہوئی خاک، سنگ و خشت
بے تاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لائے گا

اس کے دامن تلک نہ پہونچا ہاتھ
تھا سر دست جیب چاک ہوا
تر سے اس رشک خور کی گرمی سے
کچھ تو ہے نم سے جو تپاک ہوا

کہا حسن خوباں بد راہ کا	ہمیشہ، رہے نام اللہ کا
پشیماں ہوا دوستی کرکے میں	بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
اسیری کا دیکھا نہ مژدہ مجھے	مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا

چشم سے خوں ہزار نکلے گا
دوستی دل کا بخار نکلے گا
آندھیوں سے سیاہ ہو گا چرخ
دل کا جب کچھ غبار نکلے گا
ناز خورشید کب تلک دیکھیں
گھر سے کب اپنے یار نکلے گا
عزلت "میر" عشق میں کب تک
ہو کے بے اختیار نکلے گا

رقعہ ہمیں جو آوے ہے سو پیچ میں پلندا
دیتا دیجگی جواب اجل کے پیام کا

صاحب هو مار ڈالو مجھے تم و گر نہ کچھ
جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

عمر آوارگی میں سب گذری کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا

راہ اس سے ہوئی خلق کو کس طور سے یارب
ہم کو کبھی ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
خوں ہوتی رہی دل ہی میں آزردگی میری
کس روز گلہ اس کا مرے تا بہلب آیا
آئے ہوئے اُس کے تو ہوئی بے خودی طاری
وہ یاں سے گیا اُٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

ہرآن تھی سر گوشی ' یا بات نہیں گاہے
اوقات ہے اک یہ بھی ' اک وہ بھی زمانہ تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا
اس عشق کے میداں میں ' میں ہی تو نشانہ تھا

مت سہل ہمیں سمجھو پہونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں
اس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اس زندگی سے مارے ہی جانا بھلا تھا "میر"
رحم ان نے میرے حق میں کیا، کیا ستم کیا؟

اب کے جو گل کی فصل میں ہم کو جنوں ہوا
وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں ہوا
تھا شوق طوف تربت مجنوں مجھے بہت
اک گرد باد دشت مرا رہنموں ہوا

گرم ملنا اس گل نازک طبیعت سے نہ ہو
چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مرجھانے لگا
چشمک اس مہ کی سی دلکش دید میں آئی نہیں
گو ستارہ صبح کا بھی آنکھ جھپکنے لگا
کیونکر اس آئینہ رو سے "میر" ملئے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بھی دیکھو شرمانے لگا

آنکھ پڑتی تھی تمہاری منہ پہ جب تک چین تھا
کیا کیا تم نے کہ مجھ بے تاب سے پردہ کیا
لوگ دل دیتے سنے تھے "میر" دے گذرا ہے جی
ایک اپنے طور پر ان نے بھی اک سودا کیا

صد سخن آئے تھے لب تک پہ نہ کہنے پائے ایک
ناگہاں اس کی گلی سے اپنا جانا ہو گیا

رهنے کے قابل تو ہرگز تھی نہ یہ عبرت سرائے
اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہو گیا

ہو گئے ہم محبت کی بے شعوری سے اسیر
شیخ میں کچھ ہوش تھا میخانے سے جاتا رہا
''میر'' دیوانہ ہے اچھا، بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رہا

نہ پوچھو خوب ہے بد عہدیوں کی مشق اس کو
ہزار عہد کئے پر وہی تکلف تھا

گلی میں اس کی، میری رات کیا آرام سے گذری
یہی تھا سنگ بالیں، خاک تھی، بستر، جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں
قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا

عاقلانہ حرف زن ہو ''میر'' تو کرئیے بیاں
زیر لب کیا جانئے کہتا ہے کیا مجذوب سا

سر گذشت اپنی سبب ہے حیرت احباب کی
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

کیا کہیے دماغ اس کا گلگشت میں گل "میر"
گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر منہ نہ لگایا

مرید پیر مغاں صدق سے نہ ہم ہوتے
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا
کسو طرح سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ
ہمیں بھی کاش کے ایسا کوئی ہنر آتا
شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید
جو "میر" ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

بس ہو تو دام کو بھی اس پر نثار کر دے
یک نقد دل رکھے ہیں سو تو ہے مال اس کا

بوسہ اس بت کا لے کے منہ موڑا
بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھا بلند
کوہکن نے تو سر بہت پھوڑا
ہے سبب بام آفتاب عجب
کوئی سو کیا ہے "میر" دل توڑا

ہے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا ہے چارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو
کچھ پاس نہیں تمہیں ہمارا
جب جی سے گذر گئے ہم اے ''مہر''
اُس کوچے میں تب ہوا اِگذارا

کیا کہیے حال، کہیں دل زدہ جاکر اپنا
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا
دوریِ یار میں ہے حال دل ابتر اپنا
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

آخر کو خواب مرگ ہمیں جا سے لے گئی
جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا   لوٹا مارا ہے حسن والوں

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یار خود نما کا
کیا میں ہی جاں بہ لب ہوں بیماری دلی سے
سارا ہوا ہے عالم اس درد بے دوا کا

بند اس قبا کا کھولیں، کیا ناخن فقیراں
وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

ڈرتا ہوں ظالمان جنزا چھاتی دیکھ کر
کھلنے لگیں نہ واہ رے زخم اس کے ہاتھ کا
کیوں کر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے
خو کر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا
واعظ کہو سو سچ ہے، ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا
عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سر و سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اس کے توسل کیا

حقیقت نہ "مہر" اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تساہل کیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہاں سے کب کا
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منہ سب کا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے
تم کو ہو گا حصول مطلب کا

رحم کیا کر، لطف کیا کر، پوچھ لیا کر آخر ہے
"مہر" اپنا، غم خوار اپنا، پھر زار اپنا، بیمار اپنا!

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا
ٹھہراؤ سا ہو جاتا، یوں جی نہ چلا جاتا
تب تک ہی تحمل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو، ہم سے نہ رہا جاتا

مستانہ اگرچہ میں، طاعت کو لگا جاتا
پھر بعد نماز اُٹھ کر مے خانہ چلا جاتا
دیکھا نہ اُدھر ورنہ، آتا نہ نظر پھر میں
جی مفت مرا جاتا اِس شوخ کا کیا جاتا

شب، آہ شرر افشاں ہونٹوں سے پھری میرے
سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا

ہے شوق سے رو بے بد نامی و رسوائی
کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا

تھا "میر" بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

لو ہے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
مجلس جوں چراغ کوئی اٹھا جلا گیا

ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی کر نہ جائے
آنکھوں سے اس کی رات جو تلوے ملا گیا

سرگرم طلب ہو کر ڈھونڈا کیا میں آپ ہی
کیا جانئے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا

مرتا تھا جس کے خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
"میر" ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے، درد و غم سے مرجھایا گیا
جی کو مہماں سمجھتے تھے مہماں سا آیا گیا

ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے
اک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
سر ، اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ " مہر " جی کا دماغی خلل گیا

ہم سے تو جز مرگ کچھ، تدبیربن آئی نہیں
تم کہو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا
داخل دیوانگی ہی تھی ہماری عاشقی
یعنی اس سودے میں ہم نے جان کا نقصاں کیا
شکر کیا اس کی کریمی کا ادا بندے سے ہو
ایسی اک ناچیز مشت خاک کو انساں کیا

سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی
اپنی غیرت میں وہ کچھ، آپ ہی جلا جاتا تھا

جہاں بھرا ہے تیرے شور حسن و خوبی سے
لبوں پہ لوگوں کے ہے ذکر جا بہ جا تیرا
نظر ، کنھوں نے نہ کی حال " مہر " پر افسوس
غریب شہروفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا
عشق میں کس حسن سے فرہاد ظالم مرگیا

ہم تو تھے مصر دوستی اس کے
کسو کے دشمن جہان سارا تھا
آسماں کسی کسو کے خاک ہوا
آسماں کا بھی ڈوبا ستارا تھا

خوب کیا جو اہل کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترک سوال کیا

ہم کوئے مغاں میں تھے ماہ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

آنکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاری کا گل بوکے دوش یہاں لاوے گا
اب تو جوانی کا یہ نشہ ہے بے خود تجھ کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

جہالت نے عالم کسی کو دنیا ستدہ ہی ہو جانا ہے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا
دل میں نہیں اس راہ میں کوئی افسوس ملال اب پھرتا ہوں
پھر رفیق و شفیق یہ ایسا کہیں دنیا میں پاؤں گا

قیامت کا عرصہ ہے اے 'میر' درہم
مرے شور و زاری نے میدان سارا

جگر خوں کیا ' چشم نم کر گیا
گیا دل سو ہم پر ستم کر گیا

یاری کئے کسو کا کاہے کو نام نکلا
ناکام عشق تھا تو عاشق کا نام نکلا
ہنگامے سے جہاں میں ہم نے جنوں کیا ہے
ہم جس طرف سے نکلے اک ازدہام نکلا
جانا تھا تجھ کو ہم نے تو پختہ مغز ہوگا
دیکھا تو "میر" تیرا سودا بھی خام نکلا

خوش زمزمہ طیور ہی ہوتے ہیں "میر" اسیر
ہم پر ستم یہ ' صبح کی فریاد سے ہوا

زار کیا ' بیمار کیا ' اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا
چاہا ہم نے کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا
عزت کھوئی ذلت کھینچی ' عشق نے خوار و زار کیا

چاهت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اٹھ جانے سے اُس کو ہم سے حجاب ہوا
ساری ساری راتیں جاگے، عجز و نیاز زاری کی
تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے خواب ہوا

"مہر" گذرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے
یعنی دس دن جینے کے میں اپنے ہی ماتم میں تھا

مرنے کا بھی خیال رہے "مہر" اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسی کے جا نہ سکے
تن پہ زبان شکر ہے ہر مو، اپنی شکستہ پائی کا
آنا سن ناداری سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے
کیا کہیے اندیشہ بڑا تھا اس کی منہ دکھلائی کا

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھی طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوا ہے کیا؟ اچھی آنکھوں والوں کا

ابھی ہوں منتظر، جاتی ہے چشم شوق ہر جانب
بلند اس تیغ کو ہونے تو دو سر بھی جھکا دوں گا

بلا میں زیر سر ہوں کاش افتادہ رہوں یوں ہی
اٹھا گر خاک سے تو "میر" ہنگامے اٹھاؤں گا

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ اے "میر"
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیئے یہاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
کھلنے کي بھي لکھنے کی بھي ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کي بے تابي سے خط بھیجا پیغام کیا
خط و کتاب لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیئے
حرف و سخن سے تپتا لہو ہو اب جو کچھ ارقام کیا
"میر" جو اس نے منھہ کو ادھر کر ہم سے کوئي بات کہي
لطف، کیا احسان کیا، انعام کیا، اکرام کیا

مرنا اس کے عشق میں خالي نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسي کے کان کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی! کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے؟ وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

وصل میں رنگ اڑگیا میرا   کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا
طوف مشہد کو کل جو جاؤں گا   تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
چھانتا ہوں دسو گلی کی خاک   دل کو اپنے کہیں تو پاؤں گا
اس کے در پر گئی ہے تاب و تواں   کون طاقت اب کیونکر کے جاؤں گا

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا
رکھے ہے شوق اگر رحمت الٰہی کا

ہرچند پھرا غبار ہمارا اڑا ہوا
تیری گلی میں لائی صبا تو بجا ہوا

پہلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا
جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا
حالت ہے نزع کی یاں آ دم ہے ساتھ ہیں ہم
آنکھوں میں منتظر ہے دم واپسیں ہمارا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ ان ہاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بت‌خانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرتے جاؤں گا

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

برسوں تئیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا
اُس کی نگاہ مست کا دھایا ہی تھا فریب
پر شیخ، طرز دیکھ کے ہوشیار ہو گیا
کیا متقی تھا "مہر" پر، آئین عشق میں
مجرم ساکشت، و خوں کا سزاوار ہو گیا

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراری
کسو دن "مہر" یوں ہی مر رہوں گا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا، ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوئے افسردہ، دیکھو گے اک دن سرد ذرا

"مہر" نے اپنے درد دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو کوش دل سے ملا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاویں تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہووے گا

"مہر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
راہ رہی کعبہ کی ادھر، یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جستجو مدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "مہر" پھر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا   مبتلا عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں   اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا
قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا
نہ گیا اس طرف کا خط لکھا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
یار ہمراہ نعش جس دم تھا
وائے ! مردے میں میرے دم نہ ہوا
بے دلی میں ہے "مہر" خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کی جستجو اس کی، نہ پایا
ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا
وصیت "مہر" نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جلوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا کہ "مہر" عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا
لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا
بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش
ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا
شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق
یعنی کہ ہستی، ننگ عدم تھی خجل گیا

کہا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریائے گریہ جوش زناں تھا بہا کہا

عالم مستی، کہا عالم رہا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

غربت ہے دل آویز بہت شہر کی اس کے
ایسا نہ خیال ہم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پھر کس سمت بلایا
نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اس کی
نہ سمجھے ہم، اسی سے دل لگایا
قریب دیر، حیف آیا تھا لیکن
ہمیں رستہ نہ کعبے کا دکھایا

نہ اٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رہا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اُٹھ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا
بدن میں اُس کے ہے ہر جائے دل کش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کہا نماز اے "مہر" اس اوقات کی
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اُٹھایا

میں رنج عشق کھینچ کے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کی ذات مری گھر میں کچھ نہیں
یعنی کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباہا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا

ہم صبر رکھیں گے پہ تاب دل کو
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

دیر ' بد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ہی پیار آیا

نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایاں کار نکلا
جو لوگ تھے بے کچھ آشنا تھے انہوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نہ پہونچی جو دعائے " مہر " واں تک تو عجب کیا ہے
علوئے مرتبہ ہے بس کہ اس درگاہ عالی کا

روز و شب ' روتے کڑھتے گذرے ہیں   اب یہی اپنا روزگار ہوا

کیونکہ سب عمر صحبت میں کٹی تھی " مہر "
اپنا جینا تو کوئی دن میں دشوار ہوا

جو قافلے اگئے تھے انھوں کی اٹھی بھی گرد
کیا جانئے غبار ھمارا کہاں رھا
اعضا ، گداز عشق سے ایک ایک بہہ گئے
اب کیا رھا ہے مجھ میں جو میں نیم جاں رھا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قد خم ھمارا

کیا کہئے ؟ عشق ، حسن کی آپ ھی طرف ھوا
دل نام قطرہ خون یہ ، ناحق تلف ھوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتی ہے شمع تب سے بے اختیار ھر شب
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا ، ھستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

اندوہ سے ھوئی نہ رھائی تمام شب
مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب

تا دل سے میری پلکوں پہ قطرے سرشک کے
دیکھے رہے ہیں "مہر" دکھائی تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے، کہاں ہے اب
تیر و کماں ہے ہاتھ میں، سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے، سامنے ہمارے عیاں ہے اب

کیوں اس کے رو برو نہ کریں مذکور تو حشر میں
نکلے مرے سوال میں نکلے مرے جواب
گذرے ہیں "مہر" لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
ہم برے ہی سہی، بھلا صاحب

ظالم سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آتا ہے بازار میں صاحب

کیا کہیں حال؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانے کدھر ہے اب

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب
کاشکے کے ہو جائے سینہ چاک چاک
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

التفات زمانہ پر مت جا   "میر" دیتا ہے روزگار فریب

عالم کے لوگوں کا ہے، صورت کا سا عالم
ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے تازہ ہوئے
دل کھینچتا ہے جانب صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہیں تو یہ کام، پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں "میر" ہے آرام بہت

کہتے ہیں "آگے تھا بتوں میں رحم"
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات

مرجاں کوئی کہے ہے کوئی ان لبوں کو لعل
کچھ رفتہ رفتہ پاہی رہے گی تکرار بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوشیدہ کب رہی ہے کسی کی اڑائی بات
خط لکھتے لکھتے ''مہر'' نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

چشم رونے لگی پھر آب بہت
شاید آئے گا خون ناب بہت
دل کے دل ہی میں رہ گئے ارماں
نہ رہا موسم شباب بہت

اب تو وفا ، مہر کا مذکور ہی نہیں
تم کس سے کی کہتے ہو یہ ہے کہاں کی بات

سو شہروں میں ہو عاشق تو ایک اسی سے شرماویں
اس مستی میں آنکھیں اس کی رہتی ہیں ہشیار بہت

آئے ہیں ''مہر'' ملنے کو باز جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اس پہ وفا سے آج

ساقي ٹک ایک موسم گل کي طرف تو دیکھ
ٹپکا پڑے ھے رنگ ' چمن میں ھوا سے آج
تھا جي میں' اُس سے ملئے توکیا کیا نه کہئے "مہر"!
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل' حیا سے آج

وے بھوري پلکیں اگر کھپ گئیں جي میں تو وھیں
رخنے پڑجائیں گے واعظ! ترے ایمان کے بیچ

کل هم بھي سحر باغ میں تھے ساتھ یار کے
دیکھا تو اور رنگ ھے سارے چمن کے بیچ

آئے جو لب پر آہ تو میں اُٹھ کھڑا ھوا
بیٹھا گیا نه مجھ سے تو ایسي ھوا کے بیچ

میں بے دماغ عشق اٹھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ھی رھی گلستاں کے بیچ
اتنی جبیں رگڑی که سنگ آئینه ھوا
آنے لگا ھے منھ نظر اس آستاں کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں ' دامن گل چیں ھوئے
گل فشاني کر رھی ھے چشم ' خوں باري کے بیچ

جان کو قید عناصر سے نہیں ہے وا رہی
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ
ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے "میر" کیا ہے گریہ و زاری کے بیچ

ستھراؤ کردیا ہے تمنائے وصل نے
کیا کیا عزیز مرگئے اس آرزو کے بیچ

دور گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح
دل بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح ٹک اس مجنوں سے ڈر
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

ہم سے یاں مرگ کیا جدا سو ہوا
جان [illegible] ماتم ہے دل ناشاد

لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک اس دل جلے کی ہے برباد

رکھیے بغیر [illegible] اے رشک ماہ منہ
آنکھوں میں یوں ہماری عالم سیاہ [illegible]

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد
کعبے تو گئے، بھول کے ہم دیر کا رستا
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی
کہ میں کدھر ہوں؟ کدھر ہے قفس؟ کدھر صیاد؟
سنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتش گل
چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر، صیاد!

نہ درد مندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالۂ و فریاد

چا دیوارئی عناصر "میر" خوب جاگہ ہے پر ہے بے بنیاد

وعدے برسوں کے کتنے دیکھے ہیں
دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم
اس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

جوں شمع صبح گاہی اک بار بجھ گئے ہم
اس شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر

قدم تیرے چھوٹے تھے جن سے، اب وہ ہاتھ ہے سر ہے
مرے حق میں نہ ہونا ہی تھا یاں تک دسترس، بہتر

میں مشت خاک یارب؟ بار گران غم تھا
کیا کہیے؟ آ پڑا ہے اک آسماں زمیں پر
جو کوئی یاں سے گذرا کیا آپ سے نہ گذرا
پانی رہا کب اتنا ہوکر رواں زمیں پر
کچھ بھی مناسبت ہے یاں عجز، واں تکبر
وہ آسماں پر ہیں، میں ناتواں زمیں پر

اک بار تونے آکر خاطر نہ رکھی میری
میں جی سے اپنے گذرا سو بار ترے خاطر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
کس پر تھے بے دماغ کہ ابرو بہت ہے خم
کچھ زور سا پڑا ہے کہیں اس کمان پر
دامن میں آج "میر" کے داغ شراب ہے
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

کیوں ؟ آنکھوں میں سرمےکا تو دنبالہ رکھے ہے
مت ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھی کسو کا
ہے " مہر " فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

آنکھ اس کی اس طرح سے نہیں پڑتی تک ادھر
اب خوب دیکھتے ہیں تو چتون کا ڈھب ہے اور
کیا کہئے حال دل کا جدائی کی رات میں
گذرے ہے کب کہانی کہے سے یہ شب ہے اور
دل لےچکے دکھا کے رخ خوب کو تبھی
اب منہ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ہے اور
کیا بات ٹھہری اے ہمہ عیاری و فریب
آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیر لب ہے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ہیں سارے " مہر "
شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ہے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ تو جرس کر

صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا
ہے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور
وہ کیا یہ دل لگی ہے فنا میں کہ رفتگاں
منہ کرکے بھی نہ سوئے کبھو پھر جہاں کے اور

یارب! ہے کیا مزا سخن تلخ یار میں
رکھتے ہیں کان سب کے جو اس بدزباں کے اور
کیا حال ہو گیا ہے ترے غم میں "مہر" کا
دیکھا گیا نہ ہم سے تو شکل اس جواں کے اور

نشے طور سیکھے نگاہِ غضب اور
مگر اور تھی، تب ہوئی ہو اب اور
ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ
نہ دل ہے کچھ اور زبان اب اور

تم تیغ اپنی کھینچ کر کیا سوچ میں ہو گئے
مرنا ہے اپنا جس میں ہم اس میں تھان کے
اس کوچہ مراد کو پایا نہ ہم نے "مہر"
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کے

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر
کہہ اے نسیم صبح! گلستاں کی کیا خبر؟
سر رہتا ہے ایک نشہ انہیں جن کو ہے شناخت
ہے زاہدوں کو مستیٔ عرفاں کی کیا خبر!

گرمی سے گفتگو کی کہاں تاب اس جہاں پر
شعلہ ہے شمع ساں یہاں ہر اک سخن زباں پر

تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پھروں غش رہے ہے
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت و تواں پر

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
کھنچی تیغ اس کی تو یاں نیم جاں تھے
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

کوتاہی کی میرے طول عمر نے
جور میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

کا ہے کو اس قرار سے تھا اضطراب خلق
ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بے قرار اور

جب تک بہار رہتی ہے، مست بہار تو
عاشق ہیں "میر" ہم تو ترے عقل و ہوش پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

دل نہیں دردمند اپنا "میر"   اور نالے اثر کریں کیوں کر

تو بھی رباط کہن سے صوفی سیر کو چل ٹک
ابر سیہ قبلہ سے اگر جھوم پڑا ہے خانوں پر
دل کی حقیقت عرش کی عظمت ہے ' معلوم نہیں
سیر رہی ہے اکثر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر

چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئی
عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

زور ہوا ہے چل صوفی ٹک تو بھی رباط کہنہ سے
ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آیا ہے مے خانے پر

کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سج کو شوخ !
آنکھوں میں جان آئی ہے ایدھر نگاہ کر
چھوڑ اب طریق جور کو اے بے وفا سمجھ
نبھتی نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر
اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل " میر "
اک نعرہ تو بھی پیش کش صبح گاہ کر

شوریدہ سر وکھا ہے جب سے اس آستاں پر
میرا دماغ تب سے ہے هفتم آسماں پر

لوگ سر دیئے جاتے ہیں کہیں
پیار کے پیاسوں کے [illegible] پر

عشق و ہوس میں آخر، کچھ تو تمیز ہوگی
آئی طبیعت اس کی اگر امتحان اوپر

کان اس طرف نہ رکھے، اس حرف ناشنو نے
کہتے رہے بہت ہم، اس کو سنا سنا کر
وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقت رفتن
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اٹھا اٹھا کر

آیا ہے اب قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر

اقرار میں کہاں ہے؟ انکار کی سی خوبی
ہوتا ہے شوق غالب اس کے نہیں نہیں پر

مختار روئے ہستی، تجھ کو اگر کریں!
تو اختیار کر دیجے بے اختیار کر

پورا نہیں ہے باب اجابت [illegible] را ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز
ٹوٹا تھا کس کا شیشۂ دل توڑنے سنگ دل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے، صدا ہنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں "مہر"
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

اس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز
غنچہ ہے وہ، لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز
سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی
پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز

کب تک کھلے گی صبح، قیامت کی شام کو
عرصہ ہوا، نہیں ہوا ہوں گلہ گر سا ہنوز

قیس و فرہاد پہ نہیں موقوف
عشق لاتا ہے مرد کار ہنوز

کیا ہوا؟ خوں ہوا کہ داغ ہوا
دل ہمارا نہیں گداز ہنوز

ہے پریشاں دشت میں، کس کا غبار ناتواں
گرد، کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بے تاب ہو
اے ستم دیدہ "مہر" ظالم ہے ستمگر بھی ذاں کے پاس

رخصت سیر باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

کیا رکھا کرتے ہو اٹھلے سے محبت ہر دم
ٹک کبھو بیٹھو کسی طالب دیدار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغ بچوں سے اے زاہد
ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس

کیا جانیئے کہ کہتے ہیں کس کو بیگانگی
بیگانے ہی سے ہم رہے اس آشنا کے پاس

شمع ان لبوں کے بوسے کو اس ریجھ سے نہ جھک
رکھتا ہے کون آتش سو زندہ گھاس پاس

گل و گلزار سے کیا ؟ قیدیوں کو
ہمیں داغ دل و کنج قفس بس

اب سے جاکر کے پھر نہ آئے ہم
بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ہے "میر"
مہر کی اس کو اک نظر ہے بس

بہار اب کی بھی جو گذری قفس میں
تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس
نہ آیا وہ مرے جاتے ' جہاں سے
یہیں تک آشنائی ہو چکی بس
رکھا اس بت کو پھر بھی ' یا خدا یا
تری قدرت نمائی ہو چکی بس

....

پر اسیری کا گلہ ملوم پہ ہمارے کیا فلک
مر ہی رہنے کا قفس کے در و دیوار کے پاس

....

"میر" ایدھر بہت ہے دل کا خیال [illegible] یہاں وہاں پڑا ہے اور افسوس

....

گل کو ہوتا ' صبا قرار اے کاش
رہتی اک آدھ دن بہار اے کاش
جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش
ہے اجل "میر" اب پڑا مرنا
عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کرتے ہیں سب تمنا پر "مہر" جی نہ اتنی
رکھے گی مسار تم کو پایانِ کار خواہش

اہل خصوص اپنے دیکھو ہو آرسی میں
پھر پوچھتے ہو ہنس کر مجھ بے نوا کی خواہش

پانوں پڑتا ہے کہیں آنکھیں کہیں
اس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش

کہا پتنگ کو شمع روئے "مہر"
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

یار آنکھوں تلے ہی پھرتا ہے
بڑی مدت سے ہے نظر درپیش
غم سے نزدیک مرنے کے پہونچے
دور کا "مہر" ہے سفر درپیش

ہوں کی پا مالی سر فرازی ہے   راہ میں ہو مرا مزار اے کاش

عشق کی راہ چل خبر ہے شرط
اولِ گام ترک سر ہے شرط

دل کا دینا ہے سہل کیا اے "میر"
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

ساتھ ہم بھی گئے ہوں دور تلک
جب ادھر سے کہیں چلا ہے خط

کہا درد دل رات کہا "میر" نے
اٹھایا بہت اس کہانی سے حظ

تم اور ہم سے محبت تمہیں ' خلاف خلاف
ہم اور الفت خوب دگر ' دروغ دروغ

دو حرف زیر لب کہے ' پھر ہو گیا خموش
یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

.. نے تو پر فشانی نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف۔

محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف
نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ہوا تھا مری چشم تر کی طرف

دیکھی ہے جب سے اس بت کافر کی شکل "مہر"
جاتا نہیں ہے جی تلک، اسلام کی طرف

شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
انکھیں اہل نظر کی ہیں دی اس کے قدم کے نشاں کی طرف

شاید متاع حسن کھلی ہے کسو کی آج
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف

اسے ڈھونڈھتے "میر" کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

اے تجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو ' ہزار حیف

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیجے
گر چاہنے میں ہوتا کچھ، اختیار عاشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے ' بلا ہے عشق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کے ہاں خدا ہے عشق
دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل
عشق کے درد کی دوا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا
آرزو عشق ' مدعا ہے عشق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو " میر "
مرنا ہی اصل درد کا ہے انتہائے شوق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

تنہا تو اپنے گور میں رہنے پہ بعد مرگ
منت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیر خاک

تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک
آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں، بجا ہے
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

کیا جانئے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

کچھ ہوا ے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نغمہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

گلی تک تیری، لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

✓ کہاں پھر شور شیون جب کہا "مہر"
یہ ہنگامہ ہے اس ہی نوحہ گر تک

دست و پا مارے وقت بسمل تک
ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
✓ کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ!
سعی کر، ٹک پہونچ کسی دل تک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بےقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

طاقت ہو جس کے دل میں رہ دو چار دن رہے
ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دی کس واسطے؟
حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور تک

اس رشک مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
ہر چند پہونچی مری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اس سے سو دل میں ہی خوں ہوئی
نومید، یوں بسر کرے کوئی کہاں تلک

دل تنگ ہو چکے تو نہ ملیئے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یے لوگ کم شریک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
سب موئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک
تربت "میر" پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ کشت کا
باعثِ آبادیٔ صحرا ہے چشم گریہ‌ناک

محبت میں جی سے گئے "میر" آخر
خبر، کشتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

ہر چند صرف غم ہیں، لے دل جگر سے جاں تک
لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک
ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم
خبر کچھ تو آئی ہے اس بے خبر تک

وا ماندہ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بے کس
دشوار ہے پہونچنا اب اپنا، کارواں تک

عہد و عید و حشر و قیامت ہیں دیکھئے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک
صیاد اسیر کر کے جیسے اُٹھ گیا ہو "مہر"
وہ دام کی شکن میں گرفتار کب تلک

"مہر" بادوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ ✓

غافل ہیں، ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
تو، ہم ہیں اور آپ ہیں مت دے کسی کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز بھی یہ درمیاں کے لوگ
فردوس کو بھی آنکھ اُٹھا دیکھتے نہیں
کس درجے سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

جل جل کے سب عمارتِ دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرم و سرد دھر سے یکساں نہیں ہے حال
پانی ہے دل ہمارا کبھی ' تو کبھی ہے آگ
یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسی؟ عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ
افسردگئی سوختہ جاناں ہے قہر "مہر"
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاہر ہے میرے منھ سے مرے مدعا کا رنگ

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
ان آنکھوں کے بیمار ہیں "مہر" ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دل ' گل بے بہار کے ہے رنگ

ایک گردش میں ہیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ہیں آسماں سے لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

پاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
بیٹھا ہے میری خاک سے اٹھ کر غبار الگ

وہ کون سی امید برآئی ہے عشق میں
رکھتا ہے کس امید پہ امیدوار دل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا
ملے تو، ہم سے تو سب سے جدا مل

نہ ٹک واشد ہوئی جب سے لگا دل
الٰہی غنچہ پژمردہ ہے یا دل

حال مستی جوانی تھی سو گئی
"میر" اس کا خمار ہے تا حال

طریق عشق میں ہے رہنما دل
پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل

کھل جائیں گی پھر آنکھیں، جو مرجائے گا کوئی
آتے نہیں ہو باز، مرے امتحاں سے تم

آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے
مشتاق پر فشانی ہیں اک مشت خاک ہم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش، شرار و برق
رکھتے ہیں دل جلے کے بہم سب تپاک ہم

مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی ہے اب تو "مہر"
دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم

ہوس تھی عشق کرنے میں و لیکن
بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

ہوا جس کے لئے، اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے "مہر" کا کچھ مدعا ہم

جہاں "مہر" زیر و زبر ہو گیا
خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام

کو چہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لوگ ' لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
آستاں پر ترے گذاری عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

سوکھے غم سے ہوئے ہیں ناتنا سے
پر دلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم
ولقۂ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کیونکہ گرد علاقہ بیٹھو سکے
دامن دل جھٹک رہے ہیں ہم

میں نے جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
عشق ' جانا تھا مار رکھے گا
ابتدا میں تھی انتہا معلوم
طرز کہنے کی کوئی چھپتی ہے
مدعی کا ہے مدعا معلوم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم بھی کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے ہی رہا اس کے یہ سرِ پر شور
جو کھائیے ہے تو مرے طالع رسا کی قسم
جدال دیر کی رہیاں سنیں کہاں تک "میر"
اٹھو حرم کو چلو اب تمھیں خدا کی قسم

سوکھی ہی جاتی ہے سب کشت ہوس ظالم
اے ابرتر آکر ٹک، ایدھر بھی برس ظالم
صیاد بہار اب کی سب لوٹوں گا کیا میں ہی
ٹک باغ تلک لے چل میرا بھی قفس ظالم
جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو ہنستا تھا
صحبت نہ رہی یوں ہی ایک ادھر برس ظالم
سر رشتۂ ہستی کو تم دیے چکے ہاتھوں سے
کچھ ٹوٹے ہی ہیں جاتے اب تار نفس ظالم

تدبیریں کریں اپنی تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کے ہوں آپ میں جب ہم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ہوگا
آ نکلے اگر عرصہ میں یوں نالہ بہ لب ہم
تربت سے ہماری نہ اٹھی گرد بھی اے "میر"
جی سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ہم

اب چھوڑئے جہاں وہیں گویا ہے درد سب
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام

میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفر
مجبور سے غبار رکھتے ہیں اہل وطن تمام

منظور سجدہ ہے ہمیں اس آفتاب کا
ظاہر میں یوں کریں ہیں نماز زوال ہم

کون کہتا ہے منہ کو کھولو تم
کاشکے پردے ہی میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے ہے حسن
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
رات گذرے ہے سب تڑپتے "مہر"
آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو
نہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم
نہ تک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم
خدا سے بھی شب کو دعا مانگتے
نہ اس کا لیا نام غیرت سے ہم

اُڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا ہے گود میں بھر کر وہیں سے ہم

ہردم جبیں خراشی، ہرآن سیلہ کاری
حیران عشق تو ہیں پر گرم کار ہیں ہم

چاہیں تو تم کو چاہیں، دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواہش دلوں کی تم ہو، آنکھوں کی آرزو تم

لطف و مہر و خشم و غضب، ہم ہر صورت میں راضی ہیں
حق میں ہمارے کر گذرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم

راہ تکتے تکتے اپنی آنکھیں بھی پتھرا چلیں
یہ نہ جانا تھا کہ سختی اس قدر دیکھیں گے ہم

چپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کار عشق کی حیراں ہیں
سوچو حال ہمارا ٹک تو، بات کی تہ کو پاؤ تم

سوزدروں نے ہم کو پردے میں مار رکھا
جوں شمع آپ ہی کو کھا کھا کے رہ گئے ہم

دیر، کعبہ گئے ہیں اکثر ہم
یعنی ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم
کوفت سی کوفت، اپنے دل پر ہے
چھاتی کو تانکتے ہیں اکثر ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکے ہے بہت
ملا ہی دیں گے تری تیغ سے گلو کو ہم

عشق ہمارے درپے جاں ہے، آئے گھر سے نکل کر ہم
باہر، پر دیکھا یہی فلک ہے جاویں کدھر چل کر ہم

کب تک یہ دز دیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں چرا لینا
دلبر ہوتے فی الواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو "مہر" فقیر ہوئے تم تو
ایسی مناجاتوں سے آگے کاش نہ ہاتھ اٹھاتے تم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطری
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم، کیا جانئے کیدھر ہیں ہم

فاش نہ کرئیے راز محبت، جانیں اس میں جاتی ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر اک کے تا مقدور چھپاؤ تم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور "مہر"
هم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

بہلانے کو دل ' باغ میں آئے تھے سو بلبل
چلانے لگے ایسے کہ بیزار ہوئے ہم
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
دشنام کے اب اس کے سزاوار ہوئے ہم
ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے ' اٹھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوئے ہم

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے
اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
آسودگی تو معلوم اے ''مہر'' جیتے جی یاں
آرام تب ھی پاؤں جب جی سے ہاتھ اُٹھاؤں

دم آخر ہے بیٹھ جا ! مت جا
صبر کر تک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے روی و زلفِ یار ہے رونے سے کام یاں
دامن ہے ماہ پہ ابر نمط صبح و شام یاں
تا کام رہنے ہی کا تمھیں غم ہے آج "میر"
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یاں

نہ کہا تھا اے رفوگر مرے ٹانکے ہوں گے ڈھیلے
نہ سیا گیا یہ آخر دلِ چاک بے قراراں

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتشِ دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقت خوش ان کا جو ہم بزم ہیں تیرے، ہم تو
در و دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں
ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی، تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
تجھ بن اس جانِ مصیبت زدہ غم دیدہ پہ ہم
کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنر عشق
رونے کے نگیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردود صبا ہوں
دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شب ہجراں
میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں

ناموس دوستی سے گردن پھنسی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم، تب تک نباہتے ہیں
سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

جی انتظارکش ہے آنکھوں میں رہگذر پر
آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں
آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری
حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں
آنکھیں تو تونے دی ہیں اے جرم بخش عالم
کیا تیری رحمت آگے، اپنے گناہ دیکھوں

چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دست کاریاں

تربت سے عاشقوں کے نہ اٹھا کبھو غبار
جی سے گئے ولے نہ گئیں رازداریاں

رکھتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب
لے جائے گا یہ سوختہ دل ' کیا بہشت میں
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانند گرد باد
آوارگی تمام ہے میری سرشت میں
کب تک خراب سعی طواف حرم رہوں
دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کنشت میں

خار در جن نے لڑی موتی کی در دکھلایا
اس بیاباں میں وہ ابلہ پا میں ہی ہوں

" میر " آوارہ عالم جو سنا ہے تونے
خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں ہی ہوں

جاتا ہے اک ہجوم غم عشق جی کے ساتھ
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ' ہر دکاں میں

ہم ٹھیلیں سو کچھ تو توانائی چاہئے
سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں
سوزش رہی ہے اب تو ہر اک استخوان میں

خرد مندی ہوئی زنجیر ' ورنہ
گذرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
گداز عشق میں یہ بھی گیا " میر "
یہی دھوکا سا ہے اب پیرہن میں

ان آئینہ رویوں کے کیا " میر " بھی عاشق ہیں
جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو ہم آخر مخصوص کر چکے ہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا ' اپنی طرف ہے سارا
اس مشت خاک کو ہم موجود جانتے ہیں

مانند شمع ہم نے ' حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

میں صید جو ہوا تو ندامت اُسے ہوئی
اک قطرہ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں

نہ تنگ کر اُسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اُس صنم کے لئے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اوٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو "مہر"
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جفائیں دیکھ لیا بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

صبر و طاقت کو روؤں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں ہوں بہت، کس کس کا میں ماتم کروں
گرچہ میں گنتی میں ہوں، پر ایک دم مجھ تک تو آ
یا اِدھر ہوں یا اُدھر، کب تک شمار دم کروں

کہیں مست، چالاک، ناخن نہ لاگے
کہ سینہ ہے قرب و جوار گریباں
نشاں اشک خونیں کے اڑتے چلے ہیں
خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں

پاس مجھ کو بھی نہیں ہے "مہر" اب
دور پہونچی ہیں مری رسوائیاں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتئی راز نہاں ہوں
دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا
میں باعث آشفتگئی طبع جہاں ہوں
ہوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے
اس باغ خزاں دیدہ میں ' میں برگ خزاں ہوں
رکھتی ہے مجھے خواہش دل بسکہ پریشاں
در پے نہ ہو ' اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

کبھی داغ رہتا ہے ' کبھی دل جگر خوں
ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں

جی میں پھرتا ہے "مہر" وہ مہرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

پری سمجھے تجھے وہم و گماں سے
کہاں تک اور ہم دل اب جلاویں

مری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک
میں نقش پا کی طرح پائمال اپنا ہوں

سید هو یا چمار هو اس جا وفا هے شرط
کب عاشقی میں پوچھتے هیں ذات کے تئیں

ملنے لگے هو دیر دیر ، دیکھئے کیا هے کیا نہیں
تم تو کرو هو صاحبی ، بندے میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگ گل دونوں هیں دل کش ، اے نسیم
لیک بہ قدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

کوئی تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت هیں

خوبرو سب کی جان هوتے هیں   آرزوئے جہان هوتے هیں
کبھو آتے هیں آپ میں تجھ بن   گھر میں هم میہمان هوتے هیں

سینے پہ داغ کا احوال میں پوچھوں هوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھو هو وے گا سزاوار چمن

کم نہیں هے دل پہ داغ بھی اے مرغ اسیر
گھر میں کیا هے جو هوا هے تو طلبگار چمن

کہتے هیں باتیں بنا کے لاکھ ایک
یاد رہتی ترے حضور نہیں

پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش
ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلی "مہر"
خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں

آنا وہ تیرے کوچے میں ہوتا جو "مہر" یاں
کیا جانئے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح!
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنی لیکن
ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں

اک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھنچے نہ "میر"
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کے قید سے
مرغ سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

مہلے سیر کیا تھا جن کے لئے بلا کا
وے بات بات میں اب ' تلوار کھینچتے ہیں
ناوک ہے " مہر " اس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ہو مجھپر ' واجب‌التعزیر ہوں

خلاف ان ابر خوباں کے ' سدا یہ جی میں رہتا ہے
یہی تو " مہر " اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

سنا جاتا ہے شہر عشق کے گرد
مزاریں ہی مزاریں ہوگئی ہیں

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو
کبھی پاتے بھی ہو بحال ہمیں

(۱۲)

وجہ کیا ہے کہ "مہر" ملنے پہ ترے
نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آکے تم نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

موے ، سہتے سہتے جفا کاریاں کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں

دن نہیں ، رات نہیں ، صبح نہیں ، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے "مہر" کہ اک دم تجھے آرام نہیں

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
مہر ہی مورد عنایت ہے ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

بت ، برہمن کوئی نا محرم نہیں اللہ کا
ہے حرم میں شیخ ، لیکن "مہر" وہ محرم نہیں

خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اُس سے کہ عقبیٰ میں
مگر تو "مہر" صاحب شہرۂ عالم ہیں یہ دونوں

ہے تکلف نقاب وے رخسار
کیا چھپیں، آفتاب ہیں دونوں

سو جگہ اس کی آنکھیں پڑتی ہیں
جیسے مست شراب ہیں دونوں

آگے دریا تھے، دیدۂ تر "مہر"
اب جو دیکھو! سراب ہیں دونوں

مدعی، مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے، اسے کیا کہتے ہیں؟

عشق کے شہر کی ہی رسم کے ہیں کشتے ہم
درد بیمار کا جو ہو اس کو دوا کہتے ہیں

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے، یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ہے، کوئی مہرباں نہیں

اس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد "مہر"
وہ دور اب نہیں، وہ زمیں آسماں نہیں

کوئی بجلی ! گرا اب تلک بھی
پیدا ہوگا ہمارے آشیاں میں

بھرے ہے چھانتا ہی خاک اے "مہر"
ہوس کیا ہے مزاج آسماں میں

اٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر
اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں
کہے ہے ہر کسوئی ' اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں ' خدا میں
بلا ' ٹھہرادار بغیر عشق نہ کر؟
نہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اُڑے ہیں "میر" لیکن ہم ہوا میں

سیرو حرم سے تو تو ' ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں

فہم میں میرے نہ آیا ' پردہ در ہے طفل اشک
روؤں کیا ' اے ہمنشیں! میں اپنی نادانی کے تئیں؟
جب جلے چھاتی بہت ' تب اشک افشاں ہو نہ "میر"
کیا ' جو چھڑکا اِس دھکتی آگ پر ' پانی کے تئیں؟

کیا کہوں؟ اول بہ‌خود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ ' چپکا سا رہ جاتا ہوں میں
اِک جگہ ' کب ٹھیرنے دے ہے یہ مجھ‌کو روزگار
کیوں تم اُکتاتے ہو اِتنا آج کل؟ جاتا ہوں میں
ہے کمال عشق ' پر بے‌طاقتی دل کی دلیل
جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں

بس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں ' لیک " مہر "
دل مرا رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

مدت ہوئی کہ بھیج میں پیغام بھی نہیں
نامے کا اُس کی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایام ہجر کریے بسر کس اُمید پر
ملنا اُنہوں کا صبح نہیں ' شام بھی نہیں

روؤں تو اُٹھے دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اُس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

خاک اُڑاتا اشک افشاں ' آن نکلوں میں تو پھر
دشت کو دریا کروں ' بستی کے تئیں صحرا کروں

کیا کہیے اُٹھائیں ہجراں کی ' درد و غم میں ؟
تڑپا ہزار نوبت ' دل ایک ایک دم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں ؟
اِس سے آنکھیں لگیں ' تو خواب کہاں ؟

بےکلی دل ہی کی تماشا تھی
برق میں ایسے اضطراب کہاں؟
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا
ہم نہ ہوویں، تو پھر حجاب کہاں؟
گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں؟
عشق کا گھر ہے "میر" سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں؟

کاشکے، دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا، ایک کھوتے عشق میں

جا، ہمیں اُس گلی میں گر رہنا
ضعف و بےطاقتی بہانے ہیں
عشق کرتے ہیں اُس پری رو سے
"میر" صاحب بھی کیا دوانے ہیں

اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر "میر" یہی
زندگی ہو چکی اپنی تو ان آزاروں میں

اب کے جلوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کھلے لطافت اُس تن نازک کی "میر" کیا ؟
شاید یہ لطف ہوگا کسو جان پاک میں

خاک ہوئے ' برباد ہوئے ' پامال ہوئے ' سب محو ہوئے
اور خدائی عشق کے روگے ' کیسے ہم ہموار کریں ؟
زردیٔ رخ ' رونا ہر دم کا ' شاہد دو جب ایسے ہیں
چاہت کا ' انصاف کرو تم ' کیوں کر ہم انکار کریں ؟

ہوتا ہے گرم کیا تو ' اے آفتاب خوبی !
اک آدھ دم رہیں ہیں تو ' شبنم‌نمط ہوا ہوں

ہے عاشقی کے بیچ ' ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

نکلے ہوس ' جو اب بھی ہو وارہی قفس سے
شایستۂ پریدن دو چار پر رہے ہیں
نے غم ہے ہم کو یاں کا ' نے فکر کچھ ہے واں کا
صدقے جنوں کے ' کیا ہم بے درد سر رہے ہیں

یوں قیدیوں سے کب تک ہم تنگ‌تر رہیں ؟
جی چاہتا ہے ' جا کے کسو اور سر رہیں

کیا کیا لقب ہیں ، شوق کے عالم میں ، یار کے ؟
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں ؟

کیا کہیے ، آہ ، جی کو قیامت ہے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں
بازار میں دکھائی ہے کب اُس نے جنس حسن
جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ہو کل ، لیکن
بےدل ایسا ہی رہا شب ، تو یہ بیمار کہاں ؟
گوکہ گردن تمہیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
ہاتھ اُٹھاتا ہے جفا سے وہ ستمگار کہاں ؟

اے ! مجھ سے تجھ کو سو ملے ، تجھ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تونے مجھے ، منہ پر نہ لایا ایک میں
عالم کی میں نے سیر کی ، مجھ کو جو خوش آیا ، سو تو
سب سے رہا محظوظ تو ، تجھ کو نہ بھایا ایک میں

چمن میں جاکے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں سے گل بداماں ہیں
رہا ہے کون سا پردا ترے ستم کا شوخ ؟
کہ زخم سینہ ہمارے سبھی نمایاں ہیں

جور کیا کیا ، جفائیں کیا کیا ہیں ؟
عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں

گلہ عشق کا ، بدو خلقت سے ہے
غم دل کی ، کچھ انتہا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں ؟
نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
نہیں دیر اگر ، "مہر" کعبہ تو ہے
ہمارے ، کوئی کیا خدا ہی نہیں

اندیشہ زاد رہ کا رکھیے تو ہے مناسب
چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اس نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے ، کہے تو کہ سایا ہمیں
کہے تر رہیں ، گاہ خوں بستہ تھیں
ان آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
نہ سمجھے کئی دشمنی عشق کی
بہت ، دوستوں نے جتایا ہمیں

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ، ہم تو کھوئے گئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں ؟
شب ، آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا
انہیں نے کنارے لگایا ہمیں
جلیں پیش و پس جیسے شمع و پتنگ
جلا رہ بھی جس نے جلایا ہمیں

روے سخن جو ہے تو مرا چشم و دل کی اور
تم سے خدا نہ خواستہ مجھ کو گلا نہیں

کیا کہیں ، آتش ہجراں سے گلے جاتے ہیں
چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

معلوم نہیں ، کیا ہے لب سرخ بتاں میں
اس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں
یہ دل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے
ٹھہرو کوئی دم آن کے ، اس ٹوٹے مکاں میں
وے یاسمن تازہ شگفتہ میں کہاں ''میر''
پائے گئے لطف ، اس کے جو پانوؤں کے نشاں میں

غفلت دل سے ستم گذریں ہیں سو مت پوچھو
قافلے چلنے کو تیار ہیں، ہم خواب میں ہیں
اِس سے کیا دور؟ جو بیٹھے بھی ہیں یہ اظہار
پاس، اِس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں
ہم بھی اِس شہر میں اُن لوگوں سے ہیں، خانہ خراب
"میر"! گھر بار جنھوں کے رہ سیلاب میں ہیں

نگاہ حسرت بت، دیر سے جانے کی مانع ہے
مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوے کعبہ لاؤں میں

رو چکا خونِ جگر سب، اب جگر میں خوں کہاں؟
غم سے پانی ہو کے کب کا بہہ گیا، میں ہوں کہاں؟
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
جائے گریہ ہے یہاں، لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں؟

اِس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک
ٹکڑے ہو کے گیا لباس کہیں

ظلم و ستم کیا؟ جور و جفا کیا؟ جو کچھ کہیے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں! رہتا نہیں واں، پھر آتا ہوں
پھاڑ کے خط کو گلی میں ڈالا، شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیونکر؟ اُس سے میں شرماتا ہوں

پہلے فریب لطف سے اُس کے ' کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں ' کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

یہ تصرف عشق کا ہے سب ' وگرنہ ظرف کیا ؟
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اِس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن‌زار کا ہے تو گل تر
بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو ' واں کے ہم بھی ہیں

رہے پھرتے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں ' اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
اُس کے کاکل کی پہیلی ' کہو ؟ تم بوجھے ' " میر "
کیا ہے ؟ زنجیر نہیں ' دام نہیں ' مار نہیں

جہاں سے دیکھیے ' اِک شعر شورانگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

بہ حالِ سگ ' پھرا کب تک کروں یوں اس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ہوں " میر " آخر میں بھی انساں ہوں

جہاں ہو تیغ بہ کف کوئی سادہ ' جا لگنا
اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو ' من ' اے " میر "
تمیز رنج و خیالِ نشاط ' مجھ کو نہیں

بہار آئی ' کھلے گل ' پھول ' شاید باغ صحرا میں
جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

جاتے ہے جی ' نجات کے غم میں   ایسی جنت گئی جہنم میں
بےخودی پر نہ " میر " کی جاؤ   تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

دیکھ آئے ' ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال اٹھے ہیں

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسي روز و شب ؟
ھے فرق " مہر " برق و دل بےقرار میں

گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے
جیسے اسیر تازہ بےتاب ہو قفس میں

مرنا ہے خاک ہونا ' ہو خاک اُڑتے پھرنا
اِس راہ میں ابھی تو در پیش مرحلے ہیں
کس دن چمن میں، یا رب! ہوگی صبا گل افشاں ؟
کتنے شکستہ پر ہم، دیوار کے تلے ہیں

شرر ہے ' اشک ہیں اب چشم تر میں
لگی ہے آگ ' اِک میرے جگر میں
نگیں عاشق و معشوق کے رنگ
جدا رہتے ہیں ہم وے ایک گھر میں
بلا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر
قیامت گم ہوئی اُس شور و شر میں
رہا تھا دیکھ ایدھر " مہر " چلتے
عجب اِک نا اُمیدي تھي نظر میں

قصور اپنے ہی طول عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

جھمکے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں
خدا ساز تھا آزرِ بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں
ہمیں بے نیازی نے بٹھلا دیا
کہاں اتنی طاقت کہ منت اٹھائیں

مجھ کو دماغِ وصفِ گل و یاسمن نہیں
میں ' جوں نسیم ' باد فروشِ چمن نہیں
ہم کو خرامِ ناز سے مت خاک میں ملا
دل سے ہے جن کو راہ ' یہ اُن کا چلن نہیں

مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا ادھر سے یاں
جاتی رہی جان اسی رہگذر سے یاں
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے
ہوتی نہیں تسلیِ دل ' اب خبر سے یاں

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اُس آئینہ رو کو صبح
ہم بس اُمید پر شبِ غم کو سحر کریں
لاویں کہاں سے خونِ دل اتنا کہ " میر " ہم
جس وقت بات کرنے لگیں ' چشم تر کریں

کیا راہ چلنے سے ہے اے ''میر''! دل مکدر
تو ہی نہیں مسافر' ہے عمر بھی گذر میں

شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی ہے قریب
جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش   ہمیں اب اُمید رہائی نہیں

جی ہی جانے ہے ''میر'' جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج' طرف کعبے کے' بہتیرا ہم لائے ہیں

حساب پاک ہو روز شمار میں' تو عجب
گناہ اتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں
تلاش ''میر'' کی اب میکدوں میں کاش کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

وہ جو خرام ناز کرے ہے' ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے' دل ہے میرا سنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں' اتنے دل کے تنگ نہیں

شعر "میر" بھی پڑھتا ہے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اُس ناداں کو نام سے میرے نلک نہیں

برے حال اُس کے گلی میں ہیں "میر"
جو اٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

پاؤں کو دامن محشر میں ناچاري سے ہم کھینچیں کے
لائق اپني وحشت کے اُس عرصے کا میدان نہیں

یوں ناکام رہیں گے کب تک ؟ جی میں ہے اِک کام کریں :
رسوا ہوکر مارے جاویں ' اُس کو بھي بدنام کریں

ملتا نہیں ہے شعر بھی وہ حرف ناشنو
دل ہی میں خوں ہوا کیں مري نکتہ دانیاں

کسو سے دل نہیں ملتا ہے ' یارب !
ہوا تھا کس گھڑي اُن سے جدا میں

دل ہے داغ ' جگر ٹکڑے : رہ جاتے ہیں چپ کے سے
چھاتي سراہیے اُن لوگوں کی جو چاہت کو نباہیں ہیں

دل اُلجھے اِن بالوں میں، تو آخر سودا ہوتا ہے
کوچے کو زنجیر کے یعنی زلفوں سے دو راہیں ہیں

رونا روز شمار کا مجھ کو آتا پھر اب رہتا ہے
یعنی میرے گناہوں کو کچھ حصر و حد و حساب نہیں

دیکھی تھیں ایک روز تری مست انکھڑیاں
انگڑائیاں ہی لیتے ہیں اب تک خمار میں
شور اب چمن میں میری غزل‌خوانی کا ہے "میر"
اِک عندلیب کیا ہے کہوں میں ہزار میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ہلتی ہے تو توڑ دیں ہم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ہیں

کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالم حسن میں، نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے، واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالاں برسوں، لیکن اب فرہاد نہیں

چلتے ہیں ناز سے جب، ٹھوکر لگے ہے دل کو
آتیں نہیں سمجھ میں اِن دلبروں کی چالیں

مےکشی صبح و شام کرتا ہوں　　فاتحہ مستی مدام کرتا ہوں

قطعہ

کوئی ناکام یوں رہے کب تک　　میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب　　کام اپنا تمام کرتا ہوں

مر گئے نا اُمید ہم مجبور
خواہشیں جی کی اپنے جی میں رہیں
دیر سے "میر" اُٹھ کے کعبے گئے
کہیے کیا؟ نکلے جا کہیں کے کہیں

اُس سے ٹھہرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں

میں منہ نہیں لگایا بنت العنب کو گاہے
تب تھا جوانِ صالح، اب پیر میکدہ ہوں

رنگینیٔ زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ
سو رنگ بدلے جاتے ہیں، یاں ایک آن میں

آئے ہیں "میر" کافر ہوکر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ' زنار ہے کمر میں

طرفہ خوش‌رو' دم خوں‌ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں منھ پھیر لیا کرتے ہیں
غم و اندوہ و بےتابی' الم' بے طاقتی' حرماں
کہوں' اے ہم نشیں! تاچند غم ہاے فراواں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اِس دل کو اب' ناصح
سحر خوں‌بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صداے آہ' جیسے تیر' جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا جانیے' اے گوہر مقصد! تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو
اِس جینے سے اب دل کو اُٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھ کو قسم' ظلم سے مت ہاتھ اُٹھا تو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اُس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان' جو قاصد رسول ہو
جاویں نثار ہونے کسو ہم کس بساط پر
اِک نیم جاں رکھیں ہیں' سو وہ جب قبول ہو

آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم   شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں   اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا   "میر" کا طور یاد ہے ہم کو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہو رہے، جو بے بال و پر رہائی ہو
اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہونچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

گر ذوق سیر ہے، تو آوارہ اِس چمن میں
مانند عندلیب گم کردہ آشیاں ہو
اُس تیغ زن سے کہیو، قاصد! مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہوں، گر قصد اِمتحاں ہو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے   آہ تم بھی تو اِک نظر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے   ناخن شوق کا ہنر دیکھو

آرام ہوچکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دل بیقرار کو

ر ھنستا ھی میں پھروں جو مرا کچھ ھو اختیار
پھر کیا کروں میں دیدۂ بےاختیار کو

اچھی لگے ھے تجھ بن، گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اِتنا دماغ کس کو

خاکِ حسرت‌زدگاں پر تو گزر بے وسواس
اِن ستم کشتوں سے ابھی عرض تمنا کیا ھو

عالم ھے شوق کشتہ، خلقت ھے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو، آنکھوں کا مدعا تو

سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں
پر یہ تو ھو کہ نعش پہ میری نماز ھو
اک دم تو ھم پہ تیغ کو تو بے دریغ کھینچ
تا عشق میں، ھوس میں، تنک امتیاز ھو
جوں توں کے اُس کی چاہ کا پردا کیا ھے میں
اے چشم گریہ‌ناک نہ افشاے راز ھو

نالہ اگر مرا سبب شور و شر نہ ھو
پھر مر بھی جائیے تو کسو کو خبر نہ ھو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر، روز قیامت رہتی ہے
رات کبھو اُرہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھاتے ہو

ہائے اُس زخمی شمشیر محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو
گل ہو، مہتاب ہو، آئینہ ہو، خورشید ہو "مہر"
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

سرو، گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک
چاہیے رو اُس کا سا رو ہو، قامت ویسا قامت ہو
ہو جو ارادہ رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصد اقامت ہو
شور و شغب کو راتوں کے ہمسائے تمہارے کیا روویں
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے "مہر" جی تم جو سلامت ہو

خلقی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں
پاس جوش گل و دل گرمیِ ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو پہ گلابی رکھو
ہاتھ میں جام کو لو، آپ کو بدنام کرو
رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی
"مہر" جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

ہیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

دل صاف ہو، تو جلوہ‌گہہ یار کیوں نہ ہو ؟
آئینہ ہو، تو قابل دیدار کیوں نہ ہو ؟
رحمت، غضب میں نسبت برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو، تو گنہ‌گار کیوں نہ ہو ؟
ہردم کی تازہ مرگ جدائي سے تنگ ہوں
ہونا جو کچھہ ہے، آہ، سو اِک بار کیوں نہ ہو ؟

کامل ہو اِشتیاق تو اِتنا نہیں ہے دور
حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو ؟
شاید کہ آوے پرسش احوال کو کبھو
عاشق بھلا سا ہووے، تو بیمار کیوں نہ ہو ؟

مجنوں جو دشت گرد تھا، ہم شہر گرد ہیں
آوارگي ہماري بھی مذکور کیوں نہ ہو ؟

ہردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو ؟
کچھہ ہم نے کي ہے ایسي ہی تقصیر کیوں نہ ہو ؟

وے جو مست بےخودی ہیں عیش کرتے ہیں مدام
میکدے میں دہر کے مشکل ہے ٹک ہشیار کو

زیادہ حد سے تھی تابوت "میر" پر کثرت
ہوا نہ وقت مساعد یہ ناز کرنے کو

حال تم "میر" کا اے اہل وفا مت پوچھو
اُس ستم کشتہ پہ جو گذری جفا مت پوچھو
ہوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اس کے آتے ہی میں کیا کیا نہ گیا، مت پوچھو

نالۂ شب نے کیا ہے جو اثر، مت پوچھو
ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر، مت پوچھو

اُس کی طرز نگاہ، مت پوچھو   جی ہی جانے ہے، آہ، مت پوچھو

قطعہ

تھا کرم پر اسی کے شب مدام   میرے اعمال، آہ، مت پوچھو
تم بھی، اے مالکان روز جزا   بخش دو اب گناہ، مت پوچھو

کہنے سے "میر" اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اِس دل خانہ خراب کو

چاہتا ہے جی کہ ہم تم ایک جا تنہا ملیں
ناز بےجا بھی نہ ہووے ' کم‌نگاہی بھی نہ ہو

واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو
معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اِس داستاں تلک تو
اے کاش خاک ہی ہم رہتے کہ "میر" اِس میں
ہوتی ہمیں رسائی اُس آستاں تلک تو

بے طاقتی میں شب کو پوچھو نہ ضبط میرا
ہاتھوں میں دل کو رکھا ' دانتوں تلے جگر کو
ہے روزگار میرا ایسا ہی یہ کہ یارو
مشکل ہے فرق کرنا ٹک شام سے سحر کو
نزدیک ہے کہ جاویں ہم آپ سے ' اب آؤ
ملتے ہیں دوستوں سے جاتے ہوئے سفر کو

نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر "مہر" سا سر گرم آہ سرد ہوگا تو

بدزباں ہو، جیسے خوش اسلوب ہو
کیا نہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

سائے میں ہر پلک کی خوابیدہ ہے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو
اشعار "میر" پر ہے اب ہائے وائے ہر سو
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

یہی مشہور عالم ہیں، دو عالم
خدا جانے ملاپ اس سے کہاں ہو
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہو
نہ دل سے جا، خدا کی تجھ کو سوگند
خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو
تم اے نازک تنو ہو کے سب کے
تسلائے دل و آرام جاں ہو

نہ تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اتنی چپ بھی نہیں ہے خوب، کوئی بات کرو

کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موئے ہیں
کچھ پوچھو نہ اُس شوخ کی رنجش کے سبب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے کے تلے "میر"
کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

تک نہ چل اے نسیم باغ کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا ، گل ہو
مجھ دوانے کی مت ہلا زنجیر
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غل ہو
منکشف ہو رہا ہے حال "میر"
کاش تک یار کو تامل ہو

اِس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپنی بھی نظر میں ٹھہرے جاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے
ہونے دو اُسے ابھی جواں تو
کیا اُس سے رکھیں امید بہبود
پھرتا ہے خراب آسماں تو
یہ طالع نارسا بھی جاگیں :
سوجائے تک اُس کا پاسباں بھی
مت تربت "میر" کو مٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو

رہتے ہو تم آنکھوں میں' پھرتے ہو تمھیں دل میں
مدت سے اگرچہ یاں آتے ہو نہ جاتے ہو

چھاتی ' قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو
کس طرح ' آہ ' خاک ندامت سے میں اٹھوں ؟
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دستگیر ہو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اِتنے سے قد پہ تم بھی قیامت شریر ہو

ٹک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو " میر " صاحب و قبلہ فقیر ہو

نہ لکھیں یار کو محضر ہمارے خون ناحق کا
دکھا دیویں گے ہم محشر میں اُس کے دست رنگیں کو
لئے تسبیح ہاتھوں میں جو تو باتیں بناتا ہے
نہیں دیکھا ہے واعظ تونے اُس غارتگر دیں کو
گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے " میر " آشفتہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بےمحابا دنیا ہو اور تو ہو
ایسی کہو گے کچھ تو، ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے
ممکن نہیں کہ شیشہ توٹا ہوا رفو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لونگا میں ہی
تم دست لطف اپنا سر سے مرے اُٹھا لو
یاران رفتہ ایسے کیا دورتر گئے ہیں
تک کر کے تیزگامی اُس قافلے کو جالو
یوں رفتہ اور بےخود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی ''میر صاحب'' اپنے تئیں سنبھالو

سر، خاک آستاں پہ تمھاری، رہا مدام
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو

سختیاں، دیکھیں تو، ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر، ہو سو ہو
کہتے ہیں تھرا ہے تیرا اور غیروں کا بگاڑ
ہیں شریک اے ''میر'' ہم بھی تیرے، بہتر، ہو سو ہو

ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق "مہر" لیک
اس درد لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہے
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو
کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو
اس پردے میں، خیال تو کر تو، خدا نہ ہو

ملائمت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو
بے خودی رہتی ہے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہیں آگاہ تو
اس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جا، اے آہ، تو
"مہر" تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو
محل شکر ہے، آتا نہیں گلا مجھ کو
پڑا رہے کوئی مردا سا تب تلک خاموش؟
ہلا کہیں، لب جاں بخش کو، جلا مجھ کو

درستی جیب کی اِتنی نہیں ہے اے ناصح
بلے تو سینۂ صد چاک دے سلا مجھ کو

سب سر گذشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
آخر ہوئی کہانی مری، تم بھی سو رہو
خطرہ بہت ہے "میر" رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں
دکھائی دے ہے: موئے ہی پہ اب رہائی ہو

مستی اُن آنکھوں سے نکلی ہے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ہے جام مل کو

یاں جرم گنتے، انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے
واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو
هستی پر ایک دم کی تمھیں جوش اِس قدر
اِس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں؛ تم بھی آؤ، جانے دو

کرتے ہو تم نیچی نظریں، یہ بھی کوئی مروت ہے؟
برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم؛ آنکھ سے آنکھ ملانے دو
اب کے بہت ہے شور بہاراں، ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں، دھومیں ہم کو مچانے دو
کیا جاتا ہے اِس میں ہمارا چپ کے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سنبھلنا تھا سو سنبھلا، ناصح کو سمجھانے دو

جب کبھو ایدھر سے نکلے ہے، تو اِک حسرت کے ساتھ
دیکھے ہے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو

سارے بازار جہاں کا ہے یہی مول، اے "میر":
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

ہجراں کی سر گذشت مری گفتنی نہیں
کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

شب، آنکھ مری لگنے نہیں دیتی ہے بلبل
اِس مرغ کی بیتابیٔ آواز تو دیکھو

کیا بالخیر ز جا ہے کوچۂ عشق
تم بھی یاں "میر" مول اک گھر لو

ہم کو دیوانگی ، شہروں ہی میں خوش آتی ہے
دشت میں قیس رہو ، کوہ میں فرہاد رہو
" میر '' مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے ، پیارے
اِس خرابے میں ، مری جان ! تم آباد رہو

زخموں پر اپنے ، نون چھڑکتے رہا کرو
دل کو مزے سے بھی تو تلک آشنا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی اُلجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

اُڑایا غم نے اب کے سوکھے پتوں کی روش ہم کو
الہی سبز رکھیو باغ خوبی کے نہالوں کو

جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے " میر ''
تمہیں تو چاہیے ہر کام میں شتاب کرو

آلودہ خون دل سے صد حرف منہہ پر آئے
مرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو
دل '' میر '' دلبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھہ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

کام گئے میں شوق سے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
باز رکھا ہے تابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

تھی وفا و مہر تو بابت دیار عشق کی
دیکھیں شہر حسن میں اِس جنس کا کیا بھاو ہو

اِن اُجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جی میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

کیا فرض، مستی کی رخصت ہے مجنوں کو
کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجنوں کسو؟

اِن پلکوں کی کاوش سے زخمی ہے جگر سارا
لے تار نگاہوں کے، نازک سا رفو کیجو

مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں
پائے کوبان دست افشاں آن کے پیدا کرو

موسمِ گل آیا ہے، یارو! کچھ میری تدبیر کرو
یعنی سایۂ سرو و گل میں اب مجنوں کو زنجیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے ، مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی تک ، اے آہ و نالہ! قلبوں میں تاثیر کرو

خلع بدن کرنے سے عاشق ، خوش رہتے ہیں اِس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ہو
نم داری کچھ دیدۂ تر کی "مہر" نہیں کم دریا سے
جوشاں ، شورکناں آ جاوے ہے ، یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
حسن عمل کی واں بھی مکافات ہو تو ہو
منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا "مہر" کی
ذات مقدس اُن کی بھی ذات ہو تو ہو

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا
کوئی جیسے لاوے گنہگار کو

کیونکے نیچے ہاتھ کے رکھا دل بےتاب کو؟
وہ جو تڑپا لے گیا آسودگیِ خواب کو
چاہتا ہے جب مسبب آپہی ہوتا ہے سبب
دخل اِس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو
دم بہ خود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ "مہر"
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

بے چین بستر پر رہا، بے خواب خاکستر پہ ہوں
صبر و سکوں جب سے گئے پایا نہیں آرام کو
" مہر " اب بھلا کیا ابتدائے عشق کو رونا ہے تو
کر فکر جو پاوے بھی اِس آغاز کے انجام کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں
واقعہ " مہر " ہے درپیش عجب یاروں کو

ابتدا ہی میں مرگئے سب یار
عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

فرصت بود و باش یہاں کم ہے
کام جو کچھ کرو شتاب کرو
" مہر " جی، راز عشق ہوگا فاش
چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

رہے آبرو " مہر " تو ہے غنیمت
کہ غارت میں دل کی ہے ایسا ہے آبرو

چاہت میں خوبرویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو
بے تاب دل کا، مرگ کہیں مدعا نہ ہو
آزاد پر شکستہ کو صد رنگ قید ہے
یا رب، اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

ہے دامن گل‌چیں ، چمن جیب ہمارا
دنیا میں رہے دیدۂ خون‌بار ہمیشہ

تری گل‌گشت کے خاطر بنا ہے باغ داغوں سے
پر طاؤس سینہ ہے تمامی دست گل دستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک ، انتہا ہے یہ
شکر اُس کی جفا کا ہو نہ سکا
دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ
نعشیں اُتھتی ہیں آج یاروں کی
آن بیتھو تو خوش‌نما ہے یہ
تیغ پر ہاتھ دم بہ دم کب تک ؟
اِک لگا چک کہ مدعا ہے یہ

دل گیا ، ہوش گیا ، صبر گیا ، جی بھی گیا
شغل میں غم کے ترے ہم سے گیا کیا کیا کچھ ؟
آہ ، مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھی ہمیں
چشم لطف و کرم و مہر و وفا ، کیا کیا کچھ ؟
درد دل ، زخم جگر ، کلفت غم ، داغ فراق
آہ ، عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ ؟
ایک محروم چلے "مہر" ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ ؟

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ہو سکے تو پیارے تک دل کا آشنا رہ

ہر مشت خاک یاں کی چاہے ہے اِک تامل
بے سوچ راہ مت چل، ہر گام پر کھڑا رہ

شاید کہ سر بلندی ہووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پانوں سے تو لگا رہ

مر جاؤ کوئی، پروا نہیں ہے ۔۔۔ کتنا ہے مغرور، اللہ اللہ!
پیر مغاں سے بے اعتقادی ۔۔۔ استغفراللہ، استغفراللہ!

تھی خواہش دل رکھنا حمائل ۔۔۔ گردن میں اُس کے ہرگاہ و بیگاہ
اِس پر کہ تھا وہ شہرگ سے اقرب ۔۔۔ ہرگز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ

جلوے ہیں اُس کے شانیں ہیں اُس کی
کیا روز، کیا خور، کیا رات، کیا ماہ
ظاہر کہ باطن، اول کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

کرے ہے جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں
اجل رسیدہ، جفا دیدہ، اضطراب زدہ

ناحق اُلجھ پڑا ھے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا '' میر '' میں تو چلا اپنی راہ راہ

کیا موافق ھو دوا ' عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ھی جاتے نظر آتے ھیں اِس آزار کے ساتھ
مرگئے ' پھر بھی کھلی رہ گئیں اپنی آنکھیں
کون اِس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ
کس کو ھر دم ھے لہو رونے کا ھجراں میں دماغ
دل کو اک ربط سا ھے دیدۂ خوں‌بار کے ساتھ
دیکھیے کس کو شہادت سے سر افراز کریں
لاگ تو سب کو ھے اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ

سعی اِتنی یہ ضروری ھے' اُٹھے بزم سلک
اے جگر تفتگی ' بے اثر پروانہ
کس گلہ کا ھے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز
پانو پر شمع کے پاتے ھیں سر پروانہ

کھل گیا منہ اب تو اُس محبوب کا
کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز
دیکھیے ھوتا ھے کیوں کر یہ نباہ

شیخ! تو نے خوب سمجھا "مہر" کو
واہ وا، اے یہ حقیقت! واہ واہ

پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ
گر بت‌کدے میں جانا ایسا ہے "مہر جی" کا
تو تار سبحہ ہو گا زنار رفتہ رفتہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ
جان جاتی رہے نہ آہ کے ساتھ
جاذبہ تو ان آنکھوں کا دیکھا
جی کھنچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ
ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
وصل اس کا خدا نصیب کرے
"مہر" دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ؟

منھہ نہ ہم جبریوں کا کھلواؤ
کھنے کو اختیار سا ہے کچھہ
ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ہے کچھہ

خالي نہیں ہے خواھش دل سے کوئي بشر
جاتے ھیں سب ' جہان سے ' اِک آرزو کے ساتھہ
کیا اضطراب عشق سے میں حرف‌زن ھوں '' میر '' ؟
منھہ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھہ

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھہ
لے جاتے دل کو خاک میں اِس آرزو کے ساتھہ

محتاج گل نہیں ہے گریبان غمکشاں
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ

اب دل خزاں میں رھتا ہے جي کي رکن کے ساتھہ
جانا ھي تھا ھمیں بھی بہار چمن کے ساتھہ

دیکھیں عاشق کا جی بھي ہے کہ نہیں
تنگ ہے جان ناصبور سے وہ

خوش ہیں دیوانگیِ "میر" سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

—

ملنا نہ ملنا ٹھہرے، تو دل بھی ٹھہرے اپنا
اقرار ہے ہمیشہ، انکار ہے ہمیشہ
آمادۂ فنا کچھ کیا "میر" اب ہوا ہے
جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

—

دل ہے میری بغل میں صدپارہ   اور ہر پارہ اِس کا آوارہ

—

کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو
اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آہ میں قہر ہے ناچار کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
مست اپنی ہی یہ تھی "میر" کہ جوں مرغ خیال
اک پریشانی میں گذرے سر عالم سے بھی

—

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے   یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا   کوئی ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا   شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اُس کو   جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم   جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

—

کروں کیا حسرت گل کو، و گرنہ   دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے

تاب دل، صرف جدائی ہو چکی
یعنی طاقت آزمائی ہو چکی
چھوٹتا کب ہے اسیر خوش‌زباں
جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

فرصت میں یک نفس کے، کیا درد دل سنو گے؟
آئے تو تم و لیکن وقت اخیر آئے
بن جی دیے نہیں ہے امکاں یہاں سے جانا
بسمل‌گہ جہاں میں اب ہم تو "میر" آئے

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے
سوزش گئی نہ دل کی، رونے سے روز و شب کے
جلتا ہوں، اور دریا بہتے ہیں چشم نم سے
کیا کیا تعب اٹھائے، کیا کیا عذاب دیکھے؟
تب دل ہوا ہے اِتنا خوگر ترے ستم سے
ہستی میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھی
کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے

گئے جی سے ، چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات "مہر"
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

خنجر بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بہ دم
چشم سے انصاف کی ، سینے ہمارے دیکھیے

دم مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر "مہر" کو آرزو تھی کسو کی

وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار ، نہیں جاتے سنبھالے
احوال بہت تنگ ہے : اے کاش ، محبت
اب دست تلطف کو مرے سر سے اُٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے ، گر دل بے مدعا ہوتے
فلک ، اے کاش ، ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو، اللہ ہی اللہ ہے
تری، آہ کس سے خبر پائیے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں، بےخبر! راہ ہے

شرط سلیقہ ہے ہر اِک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
خوف قیامت کا یہی ہے کہ "میر"
ہم کو جیا بار دگر چاہیے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اِضطراب کی سی ہے
"میر" اُن نیم‌باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ "مہر"
جی پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

اب جو اِک حسرت جوانی ہے
عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ
دل میں کوئی غم نہانی ہے
خاک تھی موج زن جہاں میں، اور
ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
ہم قفس زاد قید ہیں ورنہ
تا چمن ایک پرفشانی ہے
اُس کی شمشیر تیز سے، ہمدم
مر رہیں گے، جو زندگانی ہے
یاں ہوئے "مہر" ہم برابر خاک
واں وہی ناز و سرگرانی ہے

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بےوفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اِسی تقریب اُس گلی میں رہے:
منتیں ہیں شکستہ پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کي تاثیر
آہ نے ! آہ ' نارسائي کي
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائي کي

دل کي معموري کي مت کر فکر ' فرصت چاهیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاهیے
عشق میں وصل و جدائي سے نہیں کچھ گفتگو
قرب و بعد اِس جا برابر هے ' محبت چاهیے
نازکي کو عشق میں کیا دخل هے ' اے بوالہوس
یاں صعوبت کھینچنے کو جي میں طاقت چاهیے

بے یار ' شہر دل کا ' ویران ہو رہا هے
دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا هے

آہ میری زبان پر آئي یہ بلا آسماں پر آئي
آتش رنگ گل سے کیا کہیے ؟ برق تھي آشیان پر آوی

گر دل کي بےقراري ہوتي یہی جو اب هے
تو ' ہم ستم رسیدہ ڈھےکو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُٹھ کر جاتے تھے اُس گلی میں
اب سعي چاهیے هے بالیں سے سر اُٹھاتے

شاید کہ خون دل کا پہونچا ہے وقت آخر
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے

مری خاک تفتہ پر، اے ابر تر!
قسم ہے تجھے ٹک برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی
دھواں سا اُٹھا کچھ، لب گور سے
جو ہو ''میر'' بھی اُس گلی میں، صبا!
بہت پوچھیو تو مری اور سے

بات شکوے کی ہم نے گاہ نہ کی
بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
جس سے تھی چشم ہم کو کیا کہیے ''میر''
اِس طرف اُس نے اِک نگاہ نہ کی

سر، دے کے ''میر'' ہم نے فراغت کی عشق میں
ذمے ہمارے بوجھ تھا بارے ادا ہوئے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے، اُٹھائے تھے
پاس ناموس عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے!

وهی سمجھا نہ ' ورنہ هم نے تو
زخم چھاتي کے سب دکھائے تھے
فرصت زندگي سے مت پوچھو
سانس بھي هم نہ لینے پائے تھے
" میر " صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھي لائے تھے

کہاں هیں ادمي عالم میں پیدا
خدائی صدقے کي انسان پر سے

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ ' دھر میں
خندۂ صبح چمن پر شکل شبنم روئیے

ابر و بہار و بادہ سبھوں میں ہے اتفاق
ساقي ! جو تو بھي مل چلے تو واہ واہ ہے

کل رات مري چھاتی ' جلتی ہے محبت میں
کیا اور نہ تھي جاگھہ یہ آگ جو یاں دابی
همیں آمد " میر " کل بھا گئی
طرح اس میں مجنوں کی سب پا گئي
ا هوئي سامنے یوں تو ایک ایک کے
همیں سے وہ کچھہ آنکھہ شرما گئی

کوئی رہنے والی ہے جان عزیز
گئی گر نہ امروز، فردا گئی

جوش دل، اے ہم دیدۂ گریاں ہوئے
کتنے اک اشک ہوئے جمع کہ طوفاں ہوئے
سبزہ و لالہ و گل، ابر و ہوا ہے، مے ہے
ساقی! ہم توبہ کے کرنے سے پشیماں ہوئے

خبر نہ تھی تجھے کیا؟ میرے دل کی طاقت کی
نگاہ چشم اُدھر تو نے کی، قیامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قد خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی

پژمردہ بہت ہے گل و گلزار ہمارا
شرمندۂ یک گوشۂ دستار نہ ہووے
مانگے ہے دعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم
یارب! کسو کو اس سے سروکار نہ ہووے

صحرائے محبت ہے، قدم دیکھ کے رکھ "میر"!
یہ سیر سر کوچہ و بازار نہ ہووے

برقع کو اُٹھا چھرے سے وہ بت اگر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بہ صد ناز، نسیم سحر آوے

بالیں پہ میری، آکر، ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آرھا ھے

بہ تنگ ھوں میں ترے اختلاط سے، پیری!
قسم، ھے اپنی مجھے اس گئی جوانی کی

ھوا ھے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام
شب فراق، کس اُمید پر سحر کرئے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ھم جو نہ ھوں گے تو بہت یاد کرو گے

سیر گلزار مبارک ھو صبا کو ھم تو
ایک پرواز نہ کی تھی، کہ گرفتار ھوئے
اس ستم گار کے کوچے کے ھوا داروں میں
نام فردوس کا ھم لے کے گنہہ گار ھوئے

وعدۂ حشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ
کس توقع پر ترے طالب دیدار ہوئے

باغ کو تجھ بن اپنی بھائیں آتش دی ہے بہاراں نے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل اک انگارا ہے

لائی تری گلی تک آوارگی ہماری
ذلت کی اپنی اب ہم، عزت کیا کرینگے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے — درد بے اختیار اٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے — ناتواں اک غبار اٹھتا ہے
ہے بگولہ، غبار کس کا ؟ "میر" ! — کہ جو ہو بیقرار، اٹھتا ہے

پا برہنہ، خاک سر میں، مو پریشاں، سینہ چاک
حال میرا، دیکھنے آ ! تیرے ہی دلخواہ ہے

لاعلاجي هے جو رهتي هے مجهے آوارگي
کيجئے کيا "میر" صاحب بندگي بےچارگی

کيسی کيسی صحبتيں آنکھوں کے آگے سے گئيں
ديکھتے هی ديکھتے کيا هو گيا يکبارگي

عشق کے داغ کا عبث هے علاج کوئي اب يه نشان جاتا هے

مر هی جاويں گے بهت هجر ميں ناشاد رهے
بهول تو هم کو گئے هو' يه تمهيں ياد رهے

هم سے ديوانے رهيں شهر ميں' سبحان الله!
دشت ميں قيس رهے' کوه ميں فرهاد رهے

باهم سلوک تها تو اوٹهاتے تهے نرم گرم
کا هے کو "مير"! کوئی دبے جب بگڑ گئی

کيسے هيں وے که جيتے هيں صد سال' هم تو "مير"
اس چاردن کي زيست ميں بيزار هو گئے

"مير"! اب بهار آئي' صحرا ميں چل' جنون کر
کوئی بهي فصل گل ميں' نادان! گهر رهے هے

اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ہے
کل اس کو دیکھو تم، نے تاج ہے، نہ سر ہے
شمع اخیر شب ہوں، سن! سر گذشت میری
پھر صبح ہونے تک تو، قصہ ہی مختصر ہے

ہر دم قدم کو اپنے رکھو احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساری، دوکان شیشہ گر ہے
اہل زمانہ رہتے یک طور پر نہیں ہیں
ہر آن، مرتبہ سے اپنے، انہیں سفر ہے
وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے "میر" اب تو
آنکھوں میں لخت دل ہے یا پارۂ جگر ہے

کچھ موج ہوا پیچاں، اے "میر"! نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

پھرتے، میں کیا؟ جنوں کے موسم کو روئیے
اب صبح ہونے آئی ہے، اک دم تو سوئیے
رخسار اس کے ہائے رے جب دیکھتے ہیں ہم
آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑوئیے

پیار کرنے کا جو خوباں، ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے؟
لیتے کروٹ، ہل گئے جو کان کے موتی ترے
شرم سے، سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

کرے؟ کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے
زمیں سخت ہے آسماں دور ہے
تمنائے دل کے لئے جان دی
سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے
نہ ہو کس طرح؟ فکر انجام کار
بھروسا ہے جس پر، سو مغرور ہے
دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج
گرا، گر یہ شیشہ تو پھر چور ہے
بہت سعی کرنے سے مر رہئے ''میر''
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

سجدہ کرنے میں سر کٹے ہے جہاں
سو ترا آستاں ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
''میر'' عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

آگے بھی تجھ سے تھا یاں ، تصویر کا سا عالم
بے دردی فلک نے وے نقش سب مٹائے
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

آبشار الے لگے آنسو کی پلکوں سے تو "مہر"
شب تلک ، یہ آبچادر منہ پہ تانا کیجئے

شوق تھا جو یار کے کوچے ، ہمیں لایا تھا "مہر"
پاؤں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائے

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر میں مر جائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گزر جائے
نہ بت کدہ ہے منزل مقصود ، نہ کعبہ
جو کوئی تلاشی ہو ترا ، آہ کدھر جائے
یا قوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی گل برگ
ٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے

ہو گئی ، شہر شہر رسوائی اے مری موت تو بھلی آئی

تو ہے بے چارہ گدا "مہر" ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں ، صاحب افسر کتنے

چشم بد دور، چشم تر اے "مہر"   آنکھیں طوفان کو دکھاتی ہے

طاقت نہیں ہے دل میں، نے جی بہ جا رہا ہے
کیا ناز کر رہے ہو، اب ہم میں کیا رہا ہے

تڑپنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے
بلائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
ہوں بندہ، خیالات باطل کا اپنے

پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو "مہر"
تن میں ہمارے جان کبھی تھی بھی یا نہ تھی

بیمار رہے ہیں اس کی آنکھیں
دیکھو کسو کی نظر نہ ہوئے
رکھ، دیکھ کے راہ عشق میں پاؤں
یاں "میر" کسو کا سر نہ ہووے

کچھ آبلے دئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفتہ رفتہ خار مغیلاں تلک گئے ؟

جن جن کو تھا، یہ عشق کا آزار، مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
یہ کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی یار کے تیرا جان لےجا بھی

ترا آنا ھی اب مرکوز ھے ھم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

بھرا ھے دل مرا جام لبالب کی طرح ساقی
گلے لگ خوب رووں میں جو میلانے شراب آوے
لیپٹتا ھے دل سوزاں کو اپنے "مہر" لے خط میں
الٰہی! نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہئے
ہر ایک بات کی آخر کچھ اِنتہا بھی ھے
ھوس تو دل میں ھمارے جگہ کرے لیکن
کہیں ھجوم سے اندوہ غم کی جا بھی ھے
گذار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں "مہر" شکستہ پا بھی ھے

تھکا کرے ھے آنکھہ سے لوھو ھي روز و شب
چھرے پہ "مہر" چشم ھے یا کوئي گھاؤ ھے

جو سوچئے تو وہ مطلوب ہم ھی نکلے "مہر"
خراب پھرتے تھے جس کي طلب میں مدت سے

اے چرخ ! نہ تو روز سیہ "میر" پہ لانا
بے چارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ھے

دو سونپ دود دل کو' میرا کوئي نشاں ھے
ھوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ھے
روشن ھے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن
اے شمع! کچھہ تو کہہ تو' تیرے بھی تو زباں ھے
بھڑکے ھے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھي آشیاں ھے

لبریز جس کے حسن سے مسجد ھے اور دیر
ایسا بتوں کے بیچ' وہ اللہ کون ھے

بے طاقتی نے دل کی' آخر کو مار رکھا
آفت ھمارے جی کی آئي ھمارے گھر سے

دل‌کش بہ‌منزل آخر دیکھا تو راہ نکلی
سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے
آوارہ ''مہر'' شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اوٹھ چلے ہے گاہ اس کی رہ گذر سے

فتراک سے نہ باندھے' دیکھے نہ تو تڑپنا
کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہو رہے

رہی نہ پختگی عالم میں دور خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

ناصح کو خبر کیا ہے لذت سے غم دل کی
ہے حق بہ طرف اس کے چکھے تو مزا جانے
لے جائے ''مہر'' اس کے دروازے کی مٹی بھی
اس درد محبت کی جو کوئی دوا جانے

ملتے ہو' روتے دیکھ کر غم سے چھوڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے
تم جو دل‌خواہ خلق ہو' ہم کو دشمنی ہے تمام عالم سے
مفت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

نالۂ عجز نقص الفت ہے رنج و محنت کمال راحت ہے
تا دم مرگ' غم خوشی کا نہیں دل آزردہ گر سلامت ہے

رونا آتا ہے دم بہ دم شاید کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے
قتلے رہتے ہیں اس کے سائے میں قد و قامت ترا قیامت ہے

قطعہ

تجھ کو مسجد ہے ' مجھ کو میخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

قطعہ

تربت "میر" پر ہیں اہل سخن ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل بہ خدا واجب الزیارت ہے

"میر" میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن ' جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا ' چشم نہ بھر آوے گی

ہر چند ضبط کرئے ' چھپتا ہے عشق کوئی
گذرے ہے دل پہ جو کچھ' چہرے ہی سے عیاں ہے
از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے "میر" اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے
فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کس کو ہے آرزوے رفاقت فراق میں
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک
مانند شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے

آتش کے شعلہ سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے "مہر" صاحب و قبلہ جدھر گئے

دن کو نہیں ہے چین، نہ ہے خواب، شب مجھے
مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے "مہر" کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

لوٹے ہے خاک و خون میں غیروں کے ساتھ "مہر"
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانئے

مرے اس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے
گذرنا جان سے آساں، بہت مشکل ہے کیا جانے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد، گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند "میر" نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

روز آنے پہ نہیں نسبت عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں "میر"
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

پہونچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال "میر"
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں "مہر"
ہو نہ لغزش کہیں ، مجلس ہے یہ بھگانوں کی

نہیں وسواس جی گنوانے کے — ھائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغییر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے
دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے

ٹک آنکھ بھی کھولی نہ زخود رفتہ نے اس کے
ہر چند کیا شور قیامت نے سرہانے

میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک
آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
جوں صبح اس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس سکے
فرصت رہی جو "میر" بھی سو اک نفس رہی

تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے — مرنے کا انتظار رہتا ہے

آج کل بےقرار ہیں ہم بھی — بیٹھ جا ! چلنے ہار ہیں ہم بھی
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح — اس میں بےاختیار ہیں ہم بھی

غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیری قدر نہ جانی

مدت سے ہیں اک مشت پر، آوارہ چمن میں
نکلے ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

مر گیا کوہکن اسی غم میں　　آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہہ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئي ہم سے "مہر"
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کي وجہہ "مہر" وہ کیا بات ہو گئی

بغیر دل کے یہ قیمت ہے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی
کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی
ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماتم کی
قفس میں "مہر" نہیں جوش داغ سینے پر
ہوس نکالي ہے ہم نے بوی گل کے موسم کی

اب چھیڑ یہ رکھي ہے کہ عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گذرتي ہے اُس بدگمان سے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اُٹھایا ہم نے

سی ، چاک دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے
ہوتا ہے کیا ہمارا گریباں سیئے ہوئے
کافر ہوئے بتوں کی محبت میں "مہر" جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دیے ہوئے

ہم سے ، یہ راہ میں نے نکالی نجات کی
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی
ہم تو ہی اِس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں
اب بات جا چکی ہے سبھی کائنات کی

کیوں کر بجھاؤ آتش سوزان عشق کی
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھی جا لگی
کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ "مہر"
کس جائے اُس شہید کے تیغ جفا لگی

اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہوکر اُڑا کرو گے
ہم محبت سے "مہر" صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

گریے سے داغ سینہ ، تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہری کی

ہے یہ اندھیر، شہر میں خورشید
دن کو لے کر چراغ نکلے ہے

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانیے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم، پر ہم تم سے بلائے گئے
چپکے باتیں اوٹھائے گئے، سرگاڑے ووہیں آئے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائی، ہوں نہ مکدر کیوں کر ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے، پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھی حد ایک آخر ہوتی ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گور تلک کب لائے گئے
مرنے سے کیا ''میر'' جی صاحب ہم کچھ خوش تھے کیا کرئیے
جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اپنے دل نہ اٹھائے گئے

اِدھر سے ابر اوٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے، پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
سرہانے ''میر'' کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خوں کی اک گلابی سے
برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کی بےحجابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر ''میر''
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

گر دل ہے یہي مضطرب الحال تو اے "مہر"
ہم زیر زمین بھي' بہت آرام کریں گے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑي
پہونچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابي سے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو "مہر" اس کي گلے ہی میں جا رہے

ہر صبح اٹھ کے تجھ سے' مانگوں ہوں میں تجھي کو
تیرے سوائے میرا کچھ مدعا نہیں ہے

ناتواني سے اگر مجھ میں نہیں ہے جی تو کیا
عشق جو چاہے تو مردے سے بھي اپنا کام لے

پلکوں سے رفو ان نے کیا خاکِ دلِ "مہر"
کس زخم کو کس ناز سی کے ساتھ سیا ہے

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
کیا جانیے ؟ جان ہے کہ تن ہے

کس کو خبر ہے کشتی تباہ ہوں کے حال کی
تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

اسیر زلف کرے تھدئی کمند کرے
پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے
ہمیشہ چشم ہے غمناک ' ہاتھ دل پر ہے
خدا کسو کو نہ ہم سا بھی دردمند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے   جان کو کوئی کھائے جاتا ہے

جائے حیرت ہے خاکدان جہاں   تو کہاں منہ اُٹھائے جاتا ہے
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا   کیا ہی سر کو جھکائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوری بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو! اب کے خدا کے یاں سے
کیا خوبی اس کے منہ کی اے غنچے نقل کر لے
تو تو نہ بول ظالم بو آتی ہے دہاں سے
اتنی بھی بدمزاجی ہر لحظہ "میر" تم کو
الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

کی اس طبیب جاں نے تجویز مرگ عشق
آزار کی مناسب تدبیر کیا نکالی

دل بلند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے
اب کے جلوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی "میر" جی
ٹک آپ بھی ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں اِنتظار ہے
بس وعدۂ وصال سے کم دیجے مجھے فریب
آگے ہی مجھ کو تیرا بہت اِعتبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض "میر" ایسا ہی تقصیر وار ہے

شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہونچا نہ "میر"
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نا محرم گئے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے
گفتار اس کی کبر سے، رفتار ناز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ
سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے

جی رشک سے گئے جو اُدھر کو صبا چلی
کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلی

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہراب چھوڑ
خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

کار دل اس مہ تمام سے ہے
کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہے
کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کوئی بھی "مہر" سے دل‌ریش سے یوں دور پھرتا ہے
ٹک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دے دے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی
تیز یونہیں نہ تھی سب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

قطعہ

جو ہے سو پائمال غم ہے ''مہر'' چال بے ڈول ہے زمانے کی

اب تو ہم ہو چکتے ہیں ٹک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے، جب جی میں طاقت رکھتے تھے

دین و مذہب عاشقوں کا قابل پرسش نہیں
یہ ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کے لیے

طپش سے رنگ اڑ جاوے قلق سے جان گھبرا وے
دیا ہے دل الٰہی ہم کو یا کوئی ؟

دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے راہ آپس میں
طریق عشق بھی عالم سے کچھ نرالا ہے
ہزار بار گھڑی بھر میں '' مہر '' مرتے ہیں
انہوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے

دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بتخانے سے کعبے کو
اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے

چھاتی جلا کرے ہے، سوز دروں بلا ہے
ایک آگ سی لگی ہے، کیا جانئے کہ کیا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو — خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
تماشا کردنی ہے داغ سینہ — یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے
کب اس بے گانہ خو کو سمجھے عالم — اگرچہ یار عالم آشنا ہے
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر — یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے
لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا — تمہارا "میر" صاحب سر پھرا ہے

افراط اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھیں میں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہو چکے

شور بازار میں ہے یوسف کا
وہ بھی آنکلے تو تماشا ہے
ٹک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا کف دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اس میں گزرے تب ہمیں راحت ہوئی

ہم "میر" تیرا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوئے بن کب ؟ جو کچھ کہ ہوا چاہے

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
کیا کہئے داغ ہے دل ' ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

گرم آکے ایک دن وہ ' سینہ سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ '' میر '' عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ' ادا کرے ہے

جاناں کی رہ سے آنکھیں ' جس تس کی لگ رہی ہیں
رفتہ ہیں لوگ سارے یاں پاؤں کے نشاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے '' میر '' شوق سے تو
سینے کے زخم کے ' کہہ ! کیوں کر رہیں گے ٹانکے

جفا اس کی نہ پہونچی انتہا کو دریغا عمر نے کی بے وفائی

کیا جانئے کہ عشق میں خوں ہوگیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہہ ایک درد ہے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ہی بات آئی ، اُٹھے اس پاس سے ، جاں سے گئے
جی تو اس کی زلف میں، دل کاکل پیچاں میں "میر"
جا بھی نکلے اس گلی تو ہم پریشاں سے گئے

ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہے مجنوں
ہم بھی دیوانے ہیں اس طور کے دیوانے کے
آہ ! کیا سہل گذر جاتے ہیں جی سے عاشق
ڈھب کوئی سیکھ لے اِن لوگوں سے مرجانے کے
کاہے کو آنکھیں چھپاتے ہو یہی ہے کر چال
ایک دو دن میں نہیں ہم بھی نظر آنے کے

کبھو "میر" اس طرف آکر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

مستی میں جا و بے جا مدنظر کہاں ہے
بے خود ہیں اس کی آنکھیں ان کو خبر کہاں ہے
اٹھنے کی ایک ہوس ہے ہم کو قفس سے ورنہ
شایستۂ پریدن ، بازو میں پر کہاں ہے

یاران دیر و کعبہ ، دونوں بلا رہے ہیں
اب دیکھیں "میر" اپنا جانا کدھر بنے ہے

رکھنا تمہارے پاؤں کا کھوتا ہے سر سے ہوش
یہ چال ہے تو اپنی کسے پھر خبر رہے

وے دن گئے کہ پھروں کرتے نہ ذکر اس کا
اب نام یار اپنے لب پر گھڑی گھڑی ہے
آتش سی پھک رہی ہے سارے بدن میں میرے
دل میں عجب طرح کی چنگاری آپڑی ہے

ریجھنے ہی کے ہے قابل یار کی ترکیب "میر"
واہ وا رے چشم و ابرو، قد و قامت ہائے رے

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مو نازک ہے
چاک دل پلکوں سے مت سی کہ رفو نازک ہے

چھاتی کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں
دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہمیں دکھاوے

آسماں شاید ورے کچھ آگیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی

کیا جانئے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغ دل
اک آگ سی لگی ہے کہیں، کچھ دھواں سا ہے

' مزاجوں میں پاس آگئی ہے ہمارے
نہ مرنے کا غم ہے، نہ جینے کی شادی
نہ ہو عشق کا شور تا "مہر" ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کرے منادی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب، کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیں، کیا ہم سے نادانی ہوئی

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دوانی ہے، مشہور ہے
گدا، شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے
نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں
اسی مرتبے میں وہ مغرور ہے
گیا شاید اس شمع رو کا خیال
کہ اب "مہر" کے ماہ پہ کچھ نور ہے

بے خودی یہ ہے تو ہم آپ میں اب آچکے
کیا تمہیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چکے

کس سحر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی
اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی

آنکھیں غبار لائیں مری انتظار میں
دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اس رہ گزار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
منھ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
کیا جانوں چشم تر سے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے "مہر" سمندر کے پار کی

اب حوصلہ کرے ہے ہمارا بھی تنگیاں یاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہوں یہ

تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اُٹھی
حیرت ہے "مہر" اپنے تئیں ہم کہاں رہے

رہتے رہتے منتظر، آنکھوں میں جی آیا ندان
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے
جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے ایک "مہر"
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

الٰہی کہاں منھ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواہش نہ ہوتی تو کاہش نہ ہوتی
ہمیں جی سے مارا تری آرزو نے
مداوا نہ کرتا تھا مشفق ہمارا
جراحت جگر کے لگے دکھنے دونے
تری چال ٹیڑھی تری بات روکھی
تجھے "میر" سمجھا ہے یاں کم کسو نے

جی گیا اس کے تیر کے ہمراہ   تھی تواضع ضرور مہماں کی
پھوڑ ڈالیں گے سر ہی اس در پر   منت اٹھتی نہیں ہے درباں کی
آدمی سے ملک کو کیا نسبت   شان ارفع ہے "میر" انساں کی

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
کہ صبح شکل مری سب کو بھول جاتی ہے

کوفت سے جان لب پہ آئی ہے   ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے
لکھتے رقعہ، لکھے گئے دفتر   شوق نے بات کیا بڑھائی ہے
یاں ہوئے خاک سے برابر ہم   واں وہی ناز خود نمائی ہے

سجدہ کوئی کرے تو در یار پر کرے
ہے جائے پاک شرط عبادت کے واسطے

قصد ہے کعبہ کا لیکن سوچ ہے
کیا ہے منھ جو اس کے در پر جائیے

گردش میں جو ہیں "مہر" مہہ و مہر ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

خوبی سے نداں اس کی سب صورتیں یاں بگڑیں
وہ زلف بلی دیکھی سب بن گئے سودائی

آبِ حسرت آنکھوں میں اس کی نو میدانہ پھرنا تھا
"مہر" نے شاید خواهش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبہ "مہر" جاوے

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی
کہاں رحمت حق کہاں یہ گناہی

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

آنا ادھر اس بت کا، کیا میری کشش سے ہے
ہو موم جو پتھر تو، تائید خدا کی ہے
داستانِ دراز اس کا جو صبح نہیں کھینچا
اے "مہر" یہ کوتاہی سب دستِ دعا کی ہے

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
مری سر گذشت اب ہوئی ہے کہانی

عالم عالم عشق و جنوں، ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں، صحرا صحرا وحشت ہے

آنسو ہو کر خون جگر کا، بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا، جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں گا کیا؟ دریا چڑھتا آتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں؟ لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے، دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید "مہر" ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی، ہم ہی سے شرماتا ہے

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کیے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

بیمار امید وار سے، بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہی کے اور تکے ہیں پڑے ہوئے

گلستاں کے ہیں دونوں پلے بھرے
بہار اِس طرف، اُس طرف ابر ہے

آنکھوں کی کچھ حیا تھی، سو موند لیں ادھر سے
پر دہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اُٹھا دیا ہے

سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوے خدا نہ ہوے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے
میں نہ گردن کٹائی جب تک "مہر"
عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوے

دیکھئے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
تاب و توان کا حال وہی ہے، آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا؟ نسبت کل کے بہتر ہے

تسبیحیں ٹوٹیں، خرقے، مصلے، پھٹے چلے
کیا جانئے خانقاہ میں، کیا "مہر" کہہ گئے

جی کے لگنے کی "مہر" کچھ کہہ بھی
ہے وہی بات جس میں ہو تہ بھی

شائستہ غم و ستم یار ہم ہوئے
عاشق کہاں ہوئے کہ گنہگار ہم ہوئے
جی کھینچ کیا اسیر قفس کی فغاں نے اور
تھے چھوٹ اپنے دل کو گرفتار ہم ہوئے
ہوتا نہیں ہے بے خبری کا مآل خوب
افسوس ہے کہ دیر خبردار ہم ہوئے

تعارف کیا رہا اہل چمن سے — ہوئی اک عمر میں اپنی رہائی
کہاں کا بے ستون فرہاد کیسا — یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
جفا اٹھتی، وفا جو عمر کرتی — سو کی اس رفتنی نے بے وفائی
پھر آنا گھر سے اپنا نہ ہوگا — اب اس کے گھر کی ہم نے راہ پائی

ان دونوں صورتوں میں، مشکل اب نباہ کی ہے
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اس کو آوے
کچھ زخم کھل چلے کچھ داغ کھل رہے ہیں
اب کی بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھی تو باندھ دو گل کے گریباں سے
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے "میر" صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

موسم گل تلک رہے گا کون　　چبھتے ہی دل کو خار خار رہے
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے　　دل کسو اپنے اگر قرار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا　　رہے اپنا جو اختیار رہے

یوں جلوں کرتے جو یاں سے ہم گئے
تو یہاں مجلسوں بیاباں سے گئے

پلکوں کی اس کی جلد نہیں جاتی نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے
ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل، جگر، ہمارے پھوڑے سے ہیں ٹپکتے

غم مرگ سے، دل جگر ریش ہے
عجب مرحلہ ہم کو درپیش ہے
ہمیں کہا جو ہے "میر" بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہے؟ درویش ہے

گوش هر اک کا اسي کي اور هے
کیا قیامت کا شور هے

آشنا هو اس سے هم ' مر مر گئے آینده '' مهر ''
جیتے رهئے تو کسو سے اب نه یاري کیجئے

آینه دار اسي کے' پاتے هیں شش جهت کو
دیکهیں تو منهه دکهاوے' وه کام جاں کدهر سے
جب گوش زده هو اس کے تب بے دماغ هو وه
بس هوچکي توقع اب نالهٔ سحر سے

چاهیے کس سے تیري داد ستم
کاش انصاف اپنے دل میں کرے

چلے هم ' اگر تم کو اکراه هے فقیروں کي الله الله هے

خواهش بهت جو هو تو کاهش هے جان و دل کي
کچهه کم کر ان دنوں میں ' اے ''مهر'' چاه کو بهي

بے تابي ' جو دل هر گهڑي اظهار کرے هے
اب دیکهوں مجهے کس کا گرفتار کرے هے

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
سوناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے
کیوں کر نہ ہو تم "مہر" کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اس کا کہ تمہیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے رو بہ رو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطف بے ہنگام ہے
عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر
سر کا جانا جس میں ہر اک گام ہے
روز و شب پھرتا ہوں اس کوچہ کے گرد
کیا کہوں ؟ کیا گردش ایام ہے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

بہ رنگ طائر نو پر، ہوئے آوارہ ہم اوٹھ کر
کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی

تیرے بیمار کی بالیں پہ جاکر، ہم بہت روے
بلا حسرت کے ساتھ اس کی نگاہ واپسی دیکھی

بے طاقتی دل سے میری جان ہے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم، تو مرا جی بھی ٹھہر جائے

جاتا ہے جدھر منزل مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا، بیچارہ کدھر جائے
اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
یاں جی بھی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

بتوں کے جرم الفت پر ، ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
پئے دارو، پڑے پھرتے تھے کل تک "مہر" کوچوں میں
اُنھیں کو، مسجد جامع کی دیکھی آج خدمت ہے

خدا کرے مرے دل کو تنک اک قرار آوے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے
ہمیں تو ایک گھڑی، گُل بغیر دوبھر ہے
خداہی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے
اُٹھے بھی گرد رہ اس کی کہیں، تو لطف ہی کیا
جب انتظار میں آنکھوں ہی پر غبار آوے
تمہارے جوروں سے اب حال جائے عبرت ہے
کسی سے کہئے تو اس کو نہ اعتبار آوے

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے
زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
دم شماری سی ہے رنج قلب سے
اب حساب زندگی بے باق ہے

مت پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ ''میر''
اٹھ کے کعبہ چل ' خدا رزاق ھے

بات کیا آدمی کی بن آئی آسماں سے زمین نپوائی

دست افشاں ' پائے کوباں ' شوق میں
صومعے سے ''میر'' بھی باہر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر ' کوئی جاتا ھے ''میر''
آؤ میخانے چلو ' تم کس کے کہنے پر گئے

خستہ ھوا اپنا کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ھیں
وحشت ایک تمھیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ھیں کیا کیا
خواب کا سا ھے یاں کا عالم بھی
کھپ ھی جاتا ھے آدمی اے ''میر''
آفت جاں ھے عشق کا غم بھی

باغ میں سیر ' کبھو ھم بھی کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھلے پھرا کرتے تھے

اب تو بے تابی دل نے ہمیں بٹھلا ہی دیا
آگے رنج و تعب شق ' اٹھا کرتے تھے

کیسا کیسا عجز ہے اپنا' کیسے خاک میں ملتے ہیں
کیا کیا ناز و ادا اس کو ہے ' کیا کیا بے پروائی ہے

کیا ابر رحمت اب کے برستا ہے لطف سے
طاعت گزیں جو ہو سو گنہگار ہو کوئی
یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہوکے ہم
کیا اور اس کی راہ میں ہموار ہو کوئی

معشوقوں کی گرمی بھی' اے ''مہر'' قیامت ہے
چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لگاویں گے

لہو' میری آنکھوں میں آتا نہیں
جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

ہمیں ہے عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جان اپنی پیاری ہے

یوں تو ایک قطرہ خون ہے لیکن قہر ہے دل' جو اضطراب کرے
''مہر'' اٹھ بت کدے سے کعبے گیا کیا کرے جو خدا خراب کرے

عشق کیا ہے جب سے ہم نے ' دل کو کوئی ملتا ہے
اشک کی سوخی' زردیء چہرہ' کیا کیا رنگ بدلتا ہے

ہماری جان لبوں پر ہے' سوے گوش گئی
کہ اس کے آنے کی سن کر' کچھ اب بھی یہاں پاوے

اس ریختہ کی جاں بخشی تک آتے ہوے اس کے
رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جاں گئی' آئی

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے "مہر" کبھو وے آجاتے
عاشق تھے' درویش تھے آخر' بے کس بھی تھے' تنہا تھے

راہ جاناں سے ہے گزر مشکل   جان ہی سے کوی مگر گزرے

درد دل طول سے کہے عاشق   روبہ رو' اس کے جو کہا بھی جائے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ ٹک اٹھے
ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے

رہنا گلی میں جیتے جی' اس کی نہ ہوسکا
ناچار ہوکے واں جو گئے اب' سو مر رہے

بدنامی کیا عشق کی کہئے، رسوائی سی رسوائی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی، دنیا دنیا تہمت تھی

کہنا جو کچھ جس سے ہوگا، سامنے "مہر" کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی، منہ پر مہرے آئی ہوگی

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں مرگ فرہاد، کیا کیا تو نے

مہلت نہ آئینے کا اس کو، نہ ہے گھر کا
کیا جانئے اب روے دل یار کدھر ہے
اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان
روشن ہے ترے چہرے سے تو گرم سفر ہے
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
دنداں بہ جگر، دست بہ دل، داغ بہ سر ہے

کیا ہی دامن‌گیر تھی، یا رب! خاک بسمل گاہ وفا
اس ظالم کے تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے

جوں ابر، بے کسانہ روتے اٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے
ہوتی نہیں ہے اب تو تسکین دل، خبر سے

گلشن سے لے قفس تک ' آواز ایک سی ہے
کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے
یہ عاشقی ہے ایسی ' جیو گے یار کب تک
ترک وفا کرو ہو مرنے کے "مہر" ڈر سے

برسوں ہم درویش رہے ' پردے میں دنیا داری کے
ناموس اس کے ' کیوں کہ رہے ' یہ پردا جن نے اٹھایا ہے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے
اس قافلے میں ہم بھی تھے' افسوس رہ گئے

کیسی سعی و کوشش سے' ہم کعبہ گئے بت‌خانے سے
اُس گھر میں کوئی بھی نہ تھا ' شرمندہ ہوئے ہم جانے سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں رہی ہے
تم ہو خدائے باطل ' ہم بندے ہیں تمہارے
ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم تک پیار کرکے تم کو
تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے
چپکا چلا گیا میں آزردہ ہو چمن سے
کس کو دماغ اتنا بلبل کو جو پکارے

کیا رات دن کٹے ہیں ہجراں کے ' بےخودی میں
سدہ اپنی '' میر '' اس بن ' دو دو پہر نہ آئی

اتفاق ان کا مار قالب ہے   ناز و انداز کو جدا کرئیے

دل میں گرہ لگی رہی پرواز باغ کی
موسم گلوں کا جب تئیں تھا ' ہم اسیر تھے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر
جان کا روگ ہی دیکھا محبت کی گلہ گاری ہے

وائے وہ طائر بے بال ہوس ناک جسے
شوقِ گل‌گشت گلستاں میں گرفتاری ہے
آنکھ ' مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی
یہ بھی اس سادۂ پرکار کی ہشیاری ہے
واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے ''میر''
عجز ہے دوستی ہے ' عشق ہے ' غم خواری ہے

بندے کا دل بجا ہے ' جانا ہوں شاد ہر جا
جب سے سنا ہے میں نے ' کیا غم ہے جو خدا ہے

مقصود کو دیکھیں پہونچے کب تک
گردش میں تو آسماں بہت ہے
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں ''میر''
اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

آشوب ہجر ہستی، کیا جانئے ہے کب سے
موج و حباب اُٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے
کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو
ہم بےقرار ہو کر چاروں طرف پکارے

عشق ہمارا درپے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے
چین نہیں دیتا ہے ظالم، جبْ تک عاشق مرتا ہے
شاید لمبے بال اس مہ کے بکھر گئے تھے باد چلے
دل تو پریشاں تھا ہی میرا، رات سے جی بھی بکھرتا ہے

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے دل، کلیجے کے پار ہوتا ہے
جبر ہے، قہر ہے، قیامت ہے دل جو بے اختیار ہوتا ہے

''میر'' اتنی سماجت جو بندوں سے تو کرتا ہے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

یاد زلف یار، جی مارے ہے "میر"
سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

موسم گل میں توبہ کی، واعظ کہ میں کہنے سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے، شرمندہ ہوں ندامت ہے

نہ تو جذب رسا، نہ بخت رسا — کیوں کر کہیے کہ واں رسائی ہے
میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن — مجنوں کو بلبل پکار لائی ہے
عشق دریا ہے ایک لنگر دار — تہہ کسو نے نہ اس کی پائی ہے
بے ستوں کوہکن نے کیا توڑا — عشق کی زور آزمائی ہے

تیرے بندے ہم ہیں، خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی، تبھی تو
جو کچھ دل کا ہے مدعا، جانتا ہے

بدی میں بھی کچھ خوبی ہووے گی تب تو
برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے

نہیں اتحاد تن و جان سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

اس گلی سے جو اُٹھ گئے بے صبر "میر" گویا کہ وے جہاں سے گئے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے "میر" رہزنی کی ہے

وصف اس کا باغ میں کرنا نہ تھا
گل ہمارا اب گریباں گیر ہے

دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی
جان اُمید وار سے شرمندگی ہوئی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
جور اس سنگ دل کے سب نہ کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی
نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہ سائی کی

"میر" کی بندگی میں جاں بازی
سیر سی ہو گئی خدائی کی

ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے
الٰہی اپنا ہمیں کب تک انتظار رہے
نہ کرئے گریۂ بے اختیار ہرگز "میر"
جو عشق کرلے میں دل پر کچھ اختیار رہے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو
اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے
افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے
مستی شراب کی سی ہے یہ آمد شباب
ایسا نہ ہو کہ تم کو جوانی نشا کرے

پھرتے ہیں "میر" خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

گل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے
گل گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے
میں بے دماغ کرکے تغافل چلا گیا
وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے
کھو بیٹھئے جو آپ کو تو اس کو پائیے

دل میں مسودے تھے بہت، پر حضور یار
نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

پھرا کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم
کہاں تک یہ بے اعتباری رہے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں
سوز دروں سے ہاے بدن داغ داغ ہے

گھر کو اس کے خراب ہی دیکھا جس کے یہ چشم و دل مشیر ہوئے

آؤ کبھو تو پاس ہمارے بھی ناز سے
کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے
کرتا ہے چھید چھید ہمارا جگر تمام
وہ دیکھنا ترا مژۂ نیم باز سے

اب کی دل، ان سے بچ گیا تو گیا چور جاتے رہے کہ اندھیاری
کیوں نہ ابر بہار پر ہو رنگ برسوں دیکھی ہے میری خوں‌باری

دوستی نے تو ہماری جاں‌گدازی خوب کی
آہ اس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں، نے رات رہے

سہرے کہاں تک پڑیں، آنسوؤں کے چہرے پر
گر یہ گلے کا ہار دیکھیے کب تک رہے
اس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھیے کب تک رہے
آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ
شام و سحر انتظار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
"میر" یہ لیل و نہار دیکھیے کب تک رہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے
بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا
دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے

پڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
دھڑکے ہے جی قفس میں غم آشیاں سے
آنکھوں میں آکے دل سے نہ ٹھہرا تو ایک دم
جاتا ہے کوئی دید کے ایسے مکاں سے

فردیات

کیا کہئے عشق، حسن کی آپ ہی طرف ہوا
دل تمام قطرہ خون یہ، ناحق تلف ہوا

منہ گل گوں کے بو سے بس کہ مے خانہ مہکتا تھا
لب ساغر پہ منھ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بہکتا تھا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ، دل گرم محبت سے اُٹھا

گرچہ امید اسیری پہ یہ ناشاد آیا
دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا

یک پارہ جیب کا بھی ' بجا میں نہیں سیا
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

خاک سے ''میر'' کیوں نہ یکساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹا ہے

وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دل‌داری مجھے
ہجر کی کرنی پڑی ہے نازبرداری مجھے
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے ''میر''
خوش نہیں آتی نصیحت گر کی غم خواری

حیران اس بہ‌بو کے سے سب دنگ ہوگئے
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہوگئے

نسبت مہ ہی دور اس گل سے
وہ شگفتہ ہے ' یہ گرفتہ ہے

اُن نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے ارگئے آیئنے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا '' میر '' اول عشق ہی میں آخر ہے

بس نہ لگ چل نسیم منہ سے کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

چلی جاتی ہے جاں ہی، بس ' بھلا تدبیر کیا کرئیے
مداوے سے مرض گزرا ' کہو اب '' مہر '' کیا کرئیے

ـــــ ....

عاشق کی مناجات

مرا زخم یارب نمایاں رہے
پس ازمرگ صد سال خنداں رہے
رہے دشمنی جیب سے چاک کو
صبا دوست رکھے مری خاک کو
مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے
جگر سے طپیدن موافق رہے
مرا درد دل مجھ پہ عاشق رہے
جو نالہ ہو شب گیر کا روشناس
وہ آٹھوں پہر ہی رہے میرے پاس
مژہ گرم افسوس و نم ناک ہو
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو
کریں نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کی پھوٹ جاوے سپر
خموشی سے مجھ کو رہے گفتگو
اُڑے پر لگا کر مرا رنگِ رو
نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گلِ باغِ دل
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے
مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے

اگر ضعف ٹک کسب طاقت کرے
مری ناتوانی قیامت کرے

مری بیکسی ناز بردار ہو
مروں میں تو مرنے کو تیار ہوں

بیاباں میں آشفتہ حالی کروں
کبھی تو دل پر کو خالی کروں

کریں دونو عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے

مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار
کہ تا جیب و دامن ہو قرب و جوار

جلوں میرے سر پر سلامت رہے
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے

بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وارہی
بھلاوے خضر کو مری گمرہی

جو ہو گرم رہ پاے پر آبلہ
تو ہو جاے سرد آتش قافلہ

محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب

محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے

محبت سے سب کو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ

محبت اگر کار پرداز ہو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو

محبت ہے آب رخ کار دل
محبت ہے گرمئی بازار دل

محبت عجب خوب خوں ریز ہے
محبت بلائے دل آویز ہے

محبت کی آتش سے اخگر ہے دل
محبت نہ ہووے تو پتھر ہے دل

محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ

محبت سے ہے انتظام جہاں
محبت سے گردش میں ہے آسماں

محبت سے پروانہ آتش بجاں
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں

اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اسی کے لئے دل ہے سرگرم ناز

محبت سے لے تحت سے تابہ فوق
زمیں آسماں سب ہیں لبریز شوق

اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں
یہی ذرے کی جان نومید میں

اِسی سے دل ماہ ہے داغدار
کتاں کا جگر ہے سراسر فگار
اِسی سے قیامت ہے، ہر چار اور
اِسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور

عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنون ہوکے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا
کہیں ھنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اُس کو داغ کا پایا
گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہوا جگر کے بیچ
یاں تبسم ہے زخم ترکے بیچ
کہیں آنسوں کی یہ سرایت ہے
کہیں یہ خون چکاں شکایت ہے
تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کی نم ناکی
ہے کسو خاطروں کی غم ناکی

کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں مشتاق کی نیاز ہوا
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بے تابی
تھا کسو مضطرب کی بے خوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا
کسو محمل کے آگے گرد ہوا
طرر پر جاکے شعلہ پیشہ رہا
بے ستوں میں شرارتیشہ رہا
کہیں لے بست کو لگائی آگ
کہیں تیغ و جگر میں رکھی لاگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا
کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا فتارہ ہوا
کوئسی دل ہوکے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں درد مندی کی
ایک محفل میں جاسپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہے ہوکر دود
ایک لب پر سخن ہے خوں آلود
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
اک سمے میں جگر کی کاہش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی ڈوب ہوکر چاہ
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ
خار خار دل فریبان ہے
انتظار بلا نصیبان ہے
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
آرزو تھا امیدواروں کی
درد ملتی جگر فگاروں کی
نمک زخم سینہ ریشاں ہے
نگہ ناز مہر کیشاں ہے
حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں
شوق کی اک نگاہ تھا یہ کہیں

عاشق اور معشوق

(عاشق)

ضبط کروں میں کب تک آہ اب — چل اے خامے بسم اللہ اب
کر تک دل کا راز نہانی — ثبت جریدہ میری زبانی
یعنی "میر" ایک خستہ غم تھا — سر تا پا اندوہ و الم تھا
آنکھ لڑی اُس کی اک جاگہ — بے خود ہوگئی جان آگہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت — تاب نے ڈھونڈی اِک دم فرصت
تاب و توان و شکیب و تحمل — رخصت اُس سے ہوگئے بالکل
سینہ فگاری سامنے آئی — بے تابی نے طاقت پائی
خون جگر تو بہنے لاگا — پلکوں ہی پر رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا — ایک گھڑی آرام نہ آیا
چاک جگر سے محبت ٹپکی — آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی
سوز سے چھاتی، تابہ گویا — اور پلک خونابہ گویا
آہ سے اس کی مشکل جینا — درد فقط اتھا، سارا سینا
دل میں تمنا، داغ جگر میں — شیون لب پر یاس نظر میں
رو و جبیں پہ خراش ناخن — داغوں سے خوں کے قامت گلبن
زخم سینہ دل تک پہنچا — کوئی نہ اُس گھائل تک پہنچا
سونہ دیا یک دم وہ بے کل — بخت نہ جاگے اُس کے اک پل
کام رہا نا کامی ہی سے — تسکیں بے آرامی ہی سے
نے طاقت نے یار اُس کو — ضعف دلی نے مارا اُس کو
نالۂ دل میں حزینی اُس کے — خاطر میں غمگینی اُس کے
رنگ اُڑے چہرے کا ہردم — تھا گویا گل آخر موسم
دیدۂ تر کے، دریا قائل — ساحل خشک لبی کے سائل
خاک بسر آشفتہ سری سے — شور قیامت نوحہ گری سے
سرتا پا آشفتہ دماغی — داغ جنوں دے جس کو چراغی
وادی پر جب اپنی آوے — صحرا صحرا خاک اُڑاوے
کلفت دل جب خاک فشاں ہو — اشک کی جاگہ ریگ رواں ہو
سر پر اس کے سنگ ہمیشہ — جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ
گرد کی تہ اس کا پیراهن — دامن صحرا جس کا دامن
بار دامن تار گریباں — دامن قرب و جوار گریباں
پا مالی میں مثل جادہ — نقش قدم سا خاک افتادہ
جن نے دیکھا اس کو اک دم — اُس نے کہا یہ بھول کے سب غم
چندے یہ ناشاد رہے گا — پھر مدت تک یاد رہے گا

لوهو ٹپکے آہ سحر سے — نالہ نکلہواں لخت جگر سے
درد دل سے کچھہ نہ کہے وہ — هر اک کا منہ دیکھہ رہے وہ
نے کعبہ نے دیر کے قابل — مذهب اُس کا سیر کے قابل
کیا کہیے اب کیسا کچھہ تھا — القصہ وہ ایسا کچھہ تھا

(معشوق)

وہ کیسا تھا جس پر عاشق — جي سے تھا یہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاکھہ اُس کی — نکہت گل گرد رہ اُس کي
چشم براہ سارا چمن اُس کا — نقش قدم تھا یا سمن اُس کا
گل آشفتہ اُس کے رو کا — سنبل اک زنجیري مو کا
دیکھہ اُس رخ کی نور افشاني — شمع مجلس پاني پانی
دور چشم ہے اس کا جب سے — فتنا اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے ٬ جاں بخش عالم — بلکہ سراپا جان مجسم
کوئي مرے انداز حیا پر — چشم اُس کي تھی پشت پا پر
دونوں لب اُس کے لعل بدخشاں — دست حنائي پنجۂ مرجاں
جس دم برقع منہ سے اُٹھا تا — خورشید اُس دم ڈوبا جاتا
پار دلوں میں خدنگ مژہ کا — کاوش کم کم ناوک مژہ کا
بھوں کی کشش سے٬ دوانہ عالم — تیر نگہ کا ٬ نشانہ عالم
تیغ و تبر تھي ابرو اُس کی — آتش سرکش تھي خو اُس کی
سائے سے اُس کے سرو بلایا — خاک رہ سے تدرو بلایا
چشم کرشمہ جان تغافل — شایاں اُس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا — پتھر دل اُس آئینہ رو کا
بساتے هي ابرو کا اشارہ — غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے هے — جي کو جور نیاز کرے هے

رخصت دے گر عشوہ گری کو — ایک ہی جلوہ بس ہے پری کو
ہنسنے میں وہ صفائی دنداں — برق خرمن عالم امکاں
اشک سحر کو صفائے تن پر — خون صراحی اُس گردن پر
شکل چمن میں، یہ ناز کہاں ہے — صورت ہے انداز کہاں ہے
جب وہ شکل نظر آتی تھی — کلفت دل کی نکل جاتی تھی
بار نزاکت کیونکہ اٹھاوے — شاخ گل سا لچکا جاوے
صید فلک قربانی اُس کا — یوسف اِک زندانی اُس کا
اور جو خوباں پاویں اُس کو — یک دیگر دکھلاویں اُس کو
کیا کوئی شوخی اُس کی بتاوے — کچھ ٹھہرے تو کہنے میں آوے
کیا ہے اُس کے آب و گل میں — آرزو اس کی سب کے دل میں
سب کو میل اُس بت کی ادا کا — بندہ کون رہا ہے خدا کا
دیکھے نہ عاشق زار کسو اپنے — پرچھے نہ بیمار کسو اپنے
عاشق ظلم و جور و جفا کا — دشمن جانی اہل وفا کا
کوچہ، رشک فضائے کعبہ — واں پہنچے نہ دعائے کعبہ

قاتل حسن

مژہ، بخت عاشق کی بر گشتگی
نگہ، ایک عالم کی سر گشتگی
قد و قامت اُس کا کروں کیا بیاں
قیامت کا ٹکڑا ہوا تھا عیاں
شکن اُس کی کاکل کا دام بلا
ہر اک حلقۂ زلف، کام بلا

اگر ابرو اُس کي جھمک جاتي تھی
مہ نو کي گردن ڈھلک جاتي تھی
ھلیں اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز
کرے اُس طرف ایک عالم نماز
کماں اُس کے ابرو کي عاشق کمیں
خدنگ اس کی مژہاں کے سب دل نشیں
نہ آنکھوں کی مستي کي اُس کو خبر
خرابي نہ عاشق کي مد نظر
شہید اُس کي چشمک کے دل خستگاں
نشانے نگاھوں کے دل بستگاں
پری منفعل رنگ رخسار سے
خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اُس کے ھي دیدار کا
مسیحا شہید اُس کے بیمار کا
تو ھم کو پاؤں تلے وہ ملے
ستم اُس کے کوچے سے بچکر چلے
جو آمد ھو اُس کي نصیب چمن
کرے ترک گل عندلیب چمن
گلي اُس کی فردوس کا تھی شرف
بہشت' اک گنہگار سي اک طرف
زمیں اُس کي یک دست گلزار تھی
نسیم چمن واں گرفتار تھی

گلی اُس کي وہ قتل گاہ عجیب
شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
صبا گر اُڑا وے تنگ واں کي خاک
تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

بوسیدہ مکان

کیا لکھوں "میر" اپنے گھر کا حال
اِس خرابی میں میں ہوا پا مال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواري سو جگہہ سے خم
تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لوني لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیسا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھمے مینہہ، سقف چھلني تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
اس چکش کا علاج کیا کر لے
راکہہ سے کب تلک گڑھے بھریئے
جا نہیں بیٹھنے کو گھر کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں لکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایواں
وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں ۔ صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالے چھت پر ہم
تھے سو شہتیر' جیوں کماں ہیں خم
اینٹ مٹی کا ڈر کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار
تھر تھرا وے بھنبھیری سی دیوار
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اُڑ بھنبھیری کہ ساون آیا اب
ٹھکری یاں جو کوئی آتی ہے
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دئے تھے سرکنڈے
سو وہ مینہوں میں سب ہوے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں تسمے سب
پا کھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینہ سے کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا
کچھ نہیں آج مجھ سے ہو سکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چوہر کی ایسی تیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چکھی سے سہی
چار پائی ہمیشہ سر پہ رہی
بوریا پھول کر بچھا نہ کبھو
کولے ہی میں کھڑا رہا یکسو
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کھڑا ایک پہر مروڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
گرچہ بھنوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ہاتھ تکیے پہ گہہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائینتی کی اور
وہیں مسلا کرایروں کا زور
توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
اک ہتیلی میں ایک گھائی میں
سیکڑوں ایک چار پائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کھوے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
دو طرف سے ہے کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

واسوخت

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی
سرمہ و آئینے کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی
زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
نا بلد شانے سے تھا کوچہ گیسو تیرا
آئینہ کا ہے کو تھا حیرتئی رو تیرا
آ گئی حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی
اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بے ڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی
ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کا ہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیوار تلے روتے تھے

شانہ اب ہاتھ میں ہے زلف بلا کرتی ہے
مسی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
پاس سرمے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے
آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے
جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر تم کو نہیں
قتل کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں
پیشتر ہم سے کوئی تیرا طلب گار نہ تھا
ایک بھی نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جنس اچھی تھی تری، لیک خریدار نہ تھا
ہم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا
کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موندکے وے جی نہ جلا سکتے تھے
یا تو ہم ہی تھے پر اب ہم سے نہیں کچھ یاری
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری
پہلے اس شہر سے اٹھ جانے کی ہے تیاری
رتبہ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا
کوئی نا دیدہ محتسب سادہ نکالیں گے ہم
سادہ یا مرتکب بادہ نکالیں گے ہم
بوس و آغوش کا آمادہ نکالیں گے ہم
بلد خود رائی سے ازاد لگا لیں گے ہم
اس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اس سے داد دل ناکام سب اپنی لیں گے

چہرے کو اُس کے کر آراستہ دل‌خواہ کریں
آرسی اُس کو دکھا حسن سے آہ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
تو سبھی ضد سے تری ایسا ھی شتاہ کریں
کہ تجھے سدھ نہ رہے خوبی و رعنائی کی
دھجیاں لے ترے اِس جامۂ زیبائی کی

دست افشاں ہو تو عزت بھی تری ہاتھ سے جاے
چشم مکحول کو دکھلاے تو' تو آنکھ چھپاے
مار ٹھوکر چلے دامن کو تو' تو سر نہ ہلائے
جس طرف اس کا گزر ہووے تو اودھر کو نہ جاے
چھیڑے گالی دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے

زندگانی ہو تجھے ہاتھ سے اُس کے دشوار
کوئی دن تو بھی پھرے جان سے اپنی بیزار
پہونچیں ہر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض و کنائے کی رہے اک بوچھار
جا کے ٹک سامنے اُس کے تو بہت تر آوے
عرق شرم میں ڈوبا ہوا سب گھر آوے

دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے ھیں
غصے سے خون جگر اپنا پیئے جاتے ھیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دے جاتے ھیں
اب کے یوں جاتے نہیں عہد کیے جاتے ھیں
آوے گا تو بھی منانے کو نہ آویں گے ہم
جان سے جاویں گے پیماں سے نہ جاویں گے ہم

رباعیاں

دامن غربت کا اب لیا ہے میں نے
دل مرگ سے آشنا کیا ہے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی' نزدیک
پر خاک سے اس کو بھر دیا ہے میں نے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھو کے
بے سوچ کے غفلت کے تئیں رو کے
کیا خواب گراں پہ مہل روز و شب ہے
جاگو تک "مہر"! پھر بہت سوئے

اندوہ کھرے عشق کے' سارے دل میں
اب درد' لگا رہتے ہمارے دل میں
کچھ، حال نہیں رہا ہے دل میں اپنے
کیا جانئے وہ کیا ہے تمہارے دل میں

راضی تک آپ کو رضا پر رکھئے
مائل دل کو تلک قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے "مہر"
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھئے

ہم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرز ادا کلام اس ادا کی باتیں

دیکھیں قراں میں فال غیروں کے لئے
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

دل غم سے ہوا گداز سارا اللہ
غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہے نسبتِ خاص تجھ سے ہراک کے تئیں
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

سودا

محمد رفیع نام ، اُن کے آبا و اجداد کابل کے مرزاؤں میں تھے ، سپہ‌گری پیشہ تھا اُن کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے سے ہندوستان آئے ، اور یہیں قیام کر لیا -

مرزا رفیع 'سودا' سنہ ۱۱۲۵ ھ میں بہ‌مقام دہلی پیدا ہوئے اور وہیں پرورش اور تعلیم پائی ، طبیعت کا رجحان ابتدا سے شاعری کی طرف تھا ، کچھ دن سلیمان قلی 'وداد' سے اصلاح لی پھر شاہ حاتم کے حلقہ بگوش ہو گئے -

'سودا' کی طبیعت میں خداداد جوہر پہلے سے موجود تھا ، کثرت مشق اس پر مستزاد ، تھوڑے ہی دنوں میں اُن کی شاعری کی شہرت ہو گئی اور اُستاد کی زندگی ہی میں اُن کی اُستادی کا ڈنکا بجنے لگا -

رفتہ رفتہ 'سودا' کی شہرت ، شاہ عالم بادشاہ کے دربار تک پہونچی ، تقدیر کی یاوری بھی ساتھ ہوی بادشاہ نے مشورۂ سخن کے لئے اُن کو منتخب کیا - ایک مدت تک دہلی میں فراغت سے بسر کرتے رہے - جب شاہ عالم کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا تو مرزا سودا ، بھی دہلی کو خیر باد کہہ کر فرخ‌آباد پہنچے - وہاں کے نواب احمد خاں غالب جنگ کے دیوان مہربان خاں ، شاعر اور مردم شناس تھے - اُنہوں نے مرزا کو ہاتھوں ہاتھ لیا -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خاں کی وفات پر مرزا فیض آباد چلے گئے — وہاں نواب شجاع الدولہ نے معقول تنخواہ مقرر کر دی اور قدر منزلت کے ساتھ رکھا —

شجاع الدولہ کے اِنتقال کے بعد مرزا سودا ' نواب آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ پہنچے اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے —

آبائی سپہگری ' خاندانی میرزائیت ' ذاتی کمال اور شاہی قدر دانی اِن سب چیزوں نے مل کر مرزا کو بد دماغ بنا دیا تھا ' اس لئے ذرا ذرا سی بات پر ناخوش ہو جاتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے اُس کی ہجو کہہ کر دھجیاں اُڑا دیتے تھے —

مرزا جب قصیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجا دیتے ہیں - غزل سناتے ہیں تو دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں - مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں - ہجو کرتے ہیں تو حریفوں پر ہستی تنگ کر دیتے ہیں - اُردو شاعری اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر پیش نہیں کر سکتی - بہر حال مرزا سودا ' اُن مسلم الثبوت اساتذہ میں ہیں جن پر فن شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا -

مرزا کی ہمہ گیری نے کسی صنف سخن کو نہیں چھوڑا ' قصیدے - غزلیں - مثنویاں - رباعیاں - قطعے - مستزاد - تاریخیں - پہیلیاں - ترجیع بند - مخمس' مرثیے' ہجویں' سب کچھ کہیں اور خوب کہیں -

مرزا سودا ' نے تنبیہ الغافلین کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں اُن اِعتراضات کا جواب دیا ہے جو مرزا فاخر

' مکھن ' نے فارسی شعرا پر کئے تھے ' یہ رسالہ اور مرزا کا فارسی کلام اُن کی ادبی تحقیق - صحت ذوق اور فارسی زبان پر غیر معمولی عبور کی نا قابل اِنکار دلیلیں ھیں -

مرزا سودا ' کے تمام معاصر اور تمام تذکرہ نویس اُن کے اِعتراف کمال میں ' یک زبان ھیں - ' میر ' اُن کو " سر آمد شعرائے ھند " کہتے ھیں - حکیم قدرت اللہ خاں اُن کو " دریائے بیکراں " قرار دیتے ھیں -

طبقات‌الشعر کے مصنف کا قول ھے " در فنون انواع سخنجی طاق و بہ جمیع کمالات سخن وری شہرہ آفاق " -

میر حسن کہتے ھیں " تاحال مثل او درھندوستان کسے برنخاستہ " نواب مصطفیٰ خاں " شیفتہ " کہتے ھیں " قصیدہ اش بہ از غزل و غزلش بہ از قصیدہ " شیخ علی " حزیں " کی خود داری اور خود پرستی کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی مگر ان کو بھی " سودا " کے کمال کا اقرار کرنا ھی پڑا -

" سودا " کی غزل میں " میرؔ " کا درد اور " درد " کا تصوف تو نہیں ھے مگر خیالات کی بلندی - بیان کی قدرت - کلام کا زور - جذبات کا جوش کسی سے کم نہیں - ان کے اشعار تمام جذبات کو متحرک کرتے ھیں -

سودا کو چھوڑ کر اُردو شاعری کی ابتدا سے لے کر آج تک کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کے قصیدے اساتذۂ ایران کے قصائد کی شان رکھتے اس صنف سخن میں " سودا " کا پایہ سب سے بلند ھے -

" میر " ایک غمگین ' غیور ' خود دار ' پریشاں حال نازک مزاج شخص تھے اُن کا دل درد اور گداز سے بھرا نظر آتا ھے وہ جو کچھ کہتے ھیں

اس طرح کہتے ہیں کہ سننے والا آبدیدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف " میر " کے " سودا " ایک فارغ‌البال ، عیش میں زندگی بسر کئے ہوئے ۔ خوش طبع، ظریف ، خودبیں اور رود رنج آدمی تھے - جس طرح ''میر'' کی طبیعت غزل گوئی کے لئے مناسب تھی اُسی طرح " سودا " فطرتاً قصیدے اور ہجو کے لے موزوں تھے -

" سودا " نے ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹۵ ھ میں وفات پائی اور لکھنؤ میں آغاباقر کے امام باڑے میں دفن ہوے شیخ مصحفی نے تاریخ کہی : ---

سودا کجا و آن سخن دل‌فریب او

اِنتخاب

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کو یقیں کے جو در دل سے اٹھاوے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا
توڑوں گا آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے
ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا
ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے
اے ہم صفیر! فائدہ ناحق کے شور کا

کعبہ جاوے ' پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا
اٹھ گیا جیدھر قدم' رتبہ ہے بیت‌اللہ کا

عشق کی بھی منزلت ' کچھ کم خدائی سی نہیں
ایک سا احوال یاں بھی ہے گداؤ شاہ کا

دین و دل و قرار و صبر ' عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

نہ پہونچا میرے اشک گرم سے آسیب مژاں کو
بہا خا شاک کے سایہ تلے سیلاب آتش کا

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا کچھ، کہ اُس بت نے
پرستش سے مری پیدا کیا جلوہ خدائی کا
عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمع الفت سے
چراغ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

گلا کہوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رسائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاهد اس آفت جاں کو
خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

تجھ سا دانا ہزار حیف کہ تو　　یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہونچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا
موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل خاک ہوگیا ہے کسي بے قرار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام ہے
دل نہیں وابستہ اپنا ' سبحہ و زنار کا

ٹوٹے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھي پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا
دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
یارب بُرا ہو دیدۂ خانہ خراب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں ہے هنوز پھپھولا حباب کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبوا مرہم کافور کا

تو ہی اے رات سن اب سوز ٹک اس چھاتی کا
پنبہ و داغ میں ہے ربط دیا باتی کا

مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو
محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

قفس کے پاس نہ جاکرکے نام‌لو گل کا
ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مری، ظالم!
میں ابتداہی سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
خبر شتاب لے "سودا" کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان، یہ تامل کا

لطف، اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہتر ہے "سودا" کے لئے زنجیر کا

توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے توڑے شیخ
برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھ پہ غربت میں
زیادہ مجھ سے کوئی بے کس و نا کام کیا ہوگا

رہا کرنے کو لیں ہم منت صیاد ہی ظالم
بس اتنا ہی نہ' مر رہئے گا زیر دام' کیا ہوگا

ہو جس کی چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کی
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گل فام کیا ہو گا

مجھے مت دیر سے تکلیف در کعبہ کی اے زاہد
جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ہو گا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں "سودا" کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ' نہ دے زنجیر کا جھٹکا

اے دیدہ' خانماں تو ہمارا ڈبو سکا
لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا

"سودا" قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ ! تجھہ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا

پہونچیں گے اس چمن میں نہ ہم داد کو کبھی
جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا
عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ
سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا
دامان داغ تیغ ' جو دھویا تو کیا ہوا
عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائے گا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا
تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

غنچہ کو دل کے یاں ہے دم سرد سے شگفت
شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا
ٹھہرا نہ گالیوں سے تری کوئی بوالہوس
اک میں ہی رہ گیا ہوں دعا گو قدیم کا

ساقی پہونچ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے مہرا
لب ریز خوں پیالہ اور ہاتھ مر تعش کا
کیا جانے کس طرح کا وہ سنگ دل ہے ورنہ
یہاں رشتۂ محبت ہے کوہ کی کشش کا

جوش طوفان دیدۂ غمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھ لے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا ہوا
پسر تجلی، شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا ہوا
جوشش دریاے خوں، ہنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر، سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا
دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پرآب
دیکھو "سودا" گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیا؟ انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
نہ آنکھوں میں تھما اشک اور نہ سینے میں جگر ٹھہرا
عبث تو گھر بنانا ہے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر ٹھہرا
کہیں یہ بھی ستم دیکھا ہے یارو آشنائی میں
سمجھتے تھے جسے ہم نفع، سو جی کا ضرر ٹھہرا

قتل سے مہرے، عبث قاتل پھرا   اُس نے منہ پھیرا، ہمارا دل پھرا

ایک شب آ کوئی دل سوز نہ رویا اس پر
شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا
دوستو سنتے ہو "سودا" کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گذرے مجھ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ، جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
میرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
پہونچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کوئی رفو کوئی مرہم کرو، ہوا سو ہوا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے "سودا"
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خون دل، چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تابہ‌گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

ھنر ھے گرچہ فن شاعری آفاق میں "سودا"
اگر نادان کو پہونچے، تو اس میں عیب ھو پیدا

تجھ آپد سے دل ھوکر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

سرشک چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تو لے
نظر سے خلق کے گرتے، نہ مجھ کو تھام لیا
معاش اہل چمن، جائے اشک ھے "سودا"
کہ زندگی کا انہوں نے مزا تمام کیا

تاثیر عشق نے، مزۂ درد کھو دیا
ان نے ندان دیکھ مرا حال، رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہد و سم میں فرق
ہم پی گئے اسے، ہمیں قسمت نے جو دیا
"سودا" ھے پے خلش یہ زخود رفتگی کی راہ
کانٹا نہ پا میں ان کے فلک نے چبھو دیا

کرتا هوں سیر ' جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا
جتنے هیں خوبرو یاں ' سب دل ستاں هیں لیکن
الله نے تجھي کو اک جان ستاں بنایا
دیر و حرم کو دیکھا ' الله رے فضولي
یه کیا ضرور تھا ' جب دل کا مکاں بنایا

قومت پکار اس کو اے باغباں که هم نے
نزدیک آتش گل ' آپ آشیاں بنایا

اس کا تو گله کیا هے که بستان جہاں میں
مجھ تک ' قدح بادهٔ گل فام نه آیا

کچھ کبر سے خاطر میں نه لایا همیں کوئي
رتبه کسی خاطر میں همارا نه سمایا
رونے سے کیا حال دل اس شوخ په روشن
" سودا " نے دیا عشق کا پاني سے جلایا

سمجھے تھا میں ' خطر راہ محبت ناصح
مري تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
خوں کے هر قطرے سے کہتا تھا یہي لخت جگر
تو مژه تک بھي نه پہونچے گا که میں یه آیا

آنکھوں سے اشک چھلکا آتا تھا، پر نہ آیا
زخم جگر نے یارو پانی مگر چھوایا

قسم نہ کھائیے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا یہ تم نے جہاں ہم کو اعتبار آیا
بہ رنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا
قناعت نے کیا میرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آتا
خبر لے وادی میں "سودا" کی، یوں سنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسی پہ گلہ دو بار آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک "سودا"
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

جس طرح چاهتا ہے، دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو، عاشق کہیں نہ هونا

کہتے تھے هم نہ دیکھ سکیں روز هجر کو
پهر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے هاتھ بھیجوں میں
نہیں گویا زبان شعلہ، دوں کس کو پیام اپنا

اے زخم جگر سودۂ الماس سے خو کر
کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

دیکھا هے تجھ کو دریچہ ترے جن نے ایک بار
پهر جب تلک جیا پس دیوار هي رها

عشق تھا، یا کیا تھا، جس سے دل اٹکتا هی رها
خار سا سینے میں میرے کچھ کھٹکتا هی رها
تاب کس کو هے کہ تیرے درسے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سو پٹکتا هي رها

مشہور هے یہ بات کہ جی هے تو هے جہاں
آپ هي اٹھے جہاں سے، تو گویا جہاں اُٹھا

بوئے وفا و رنگ محبت، نہیں ہے یاں

یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

چہرے پہ یہ نقاب دیکھا

پردے میں تھا آفتاب دیکھا

کچھ ہو وے، تو ہو، عدم میں راحت

ہستی میں تو ہم عذاب دیکھا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا

آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا

سو حضرت دل سلمہ‌اللہ تعالیٰ

اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے

پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست　　آئینہ اس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر، بہر منزل مقصد، نہ کر ''سودا''

کوئی خود رفتگی سے راہ بر بہتر نہیں ہوتا

صحبت تجھے رقیب سے ' میں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ ' شمع کہاں ' انجمن کجا ؟

اِس مرغ ناتواں کی' صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے' گل‌زار تک نہ پہونچا

'' سودا '' پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں' کل کچھ بھی رہ گیا تھا

اختلاط اہل آبادی سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنے پر ' از خون جگر پیمانہ تھا

کس گلی دیکھ کے میں اس کو پکارا نہ کیا
مر کے تک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے' کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا' پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے ' بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہان میں نے سام ؛ رہ گیا
مردوں کا اسماں کے تلے نام رہ گیا
ہوں تو چراغ راہ ہلر ؛ زیر آسماں
لیکن خموش ہوکے ؛ سر شام رہ گیا

لذت دی نہ اسیری نے ؛ صیاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی ؛ ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو پھر ایسے اپنے کہاں نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
قصور نہیں اے شیخ مجھے کچھ ؛ دین میں تیرے آنکلا
راہب نے جب ملو نہ لگایا ؛ تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

حشر میں بھی نہ اٹھوں بسکہ اذیت کھینچی
زندگانی نے دو عالم سے مجھے سیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے ؛ گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسونے ٹک دم لیا تو پھر کیا
در قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر ؛ رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تونے سیا تو پھر کیا

وهم غلط کارنے دل خوش کیا کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نفع کو پہونچا میں تجھے دے کے دل جان کا اپنی میں ضرر کر گیا
دیکھیے واماندگی اب کیا دکھائے قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیونکہ کوئی کھائے ترا ' اب فریب حال مرا سب کو خبر کر گیا

بھلا کچھ اپنی چشم کا ' دستور ہوگیا
دی تھی خدانے آنکھ ' پہ ناسور ہوگیا

آنکھوں کی رھبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھ
کوچے کی اُس کے راہ بتانے نے کیا کیا
" سودا " ھے بے طرح کا نشہ جام عشق میں
دیکھا کہ اس کو منھ کے لگانے نے کیا کیا

کی سیر ملک ملک کی " سودا " نے بھی ' ولے
اے شیخ میکدے کی ھے آب و ھوا عجب

گرچہ ھوں زیر فلک ' نالۂ شب گیر نصیب
پر اُسے کیا کروں ؟ یارو نہیں تاثیر نصیب
کیمیا خاک در شاہ نجف ھے " سودا "
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

مجھ اشک میں جوں ابر ' اثر ہوے گا یارب
قطرہ کبھی میرا بھی گہر ہوئےگا یارب
گذرے ہے شب و روز اسی فکر میں مجھ کو
کیا جانیے اس وقت کدھر ہوے گا یارب
کہتے یہی کٹتی ہے مجھے ' ہجر کی ہر شب
اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہوے گا یا رب

کیوں اسیری پر مری ' صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے ' کون سے گلشن خراب
بہہ گئے پانی ہو' سب اعضا مری آنکھوں کی راہ
پیرہن میں ' ایک دم باقی ہے مانند حباب

پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

ہندو ہیں بت‌پرست ' مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو' جو ہو آشنا پرست

زمانے کو بھلا " سودا " کوئی کس طرح پہچانے
کہ اس ظالم کی' کچھ سے کچھ ہے' ہراک آن میں صورت

آتش ہے تری گرمی بازار محبت
کیا لے گا بہ جز داغ، خریدار محبت
کرتے ہیں اسیر قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس، گرفتار محبت

یاد کس کو، رحم جی میں کب؟ دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے گا مرے صاحب، بہانا ہے عبث
بوسہ کیا مانگے ہے اس بت سے، باایں ریش سفید
زاہدا نزدیک آتش، پبنہ لانا ہے عبث

رہتے تھے ہم تو شاد نہایت، عدم کے بیچ
اس زندگی نے لاکے پھنسایا ہے غم کے بیچ

ناصح تو نہیں چاشنی درد سے آگاہ
بے عشق بتاں، جینے کی لذت دیا تجھے

ہوتی ہے ایک طرح سے ہرکام کی جزا
اعمال عشق کے ہیں مکافات بے طرح
بلبل کو اس چمن میں سمجھ کر تک آشیاں
صیاد لگ رہا ہے تری گھات بے طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہرایک کا منھ
طلب رحم کی نظروں سے، گنہ گار کی طرح

لہرائی ہے نسیم سحر، کیا ہے ساقیا؟
گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

زاہد اب کی مغ نے مے، اس بو کی کھینچی ہے کہ آج
کوچۂ میخانے سے گذرا محتسب، پڑھتا درود

ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے، غبار کے مانند

مجھ ساتھ تری دوستی، جب ہوگئی آخر
دنیا کی مرے دل سے طلب، ہوگئی آخر

شوکت نے ہمیں حسن کی، کھلنے نہ دیا کچھ
بات اُن کے سو بار بہ لب، ہوگئی آخر

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو، اک بوسے کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے، آ کے سودا کر

کر خانۂ گردوں پہ نظر ' چشم فنا سے
ہے مثل حباب' اس کی بھی تعمیر ہوا پر

نا صحا اس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب ' دل
جس میں حرمت کم ہو ' رسوائی و خواری بیشتر

دل نا آشنائے نالہ سے ' صدرہ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں جو خوں آغشتہ' ان سے خار و خس بہتر
وفا ' نے گل میں ' نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل ! کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے ' پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں ' پر سے بہتر

طاقت اک آن تحمل کی نہیں ' اور دوست
صبر فرمائے ہے مقدور بشر سے باہر
جنس نا کارہ کے خواں ہیں' خریدیں مجھ کو
یہ وہ '' سودا '' ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ، اپنا تن زار آخر کار
سمجھے اکسیر تھے، نکلا یہ غبار آخر کار

اب خدا حافظ ہے "سودا" کا، مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دوانہ، تس پہ آتی ہے بہار

پلبۂ داغ میں سینہ کے مرے ہے، جو سوز
یارب اس سوز کو، رکھیو تو جہنم سے دور

نالاں جو باغباں سے ہے بلبل، چمن کے بیچ
دیکھی نہیں ہے ان نے، جفائے قفس ہنوز

شبنم کرے ہے دامن گل، شست و شو ہنوز
بلبل کے خون کا نہ گیا، رنگ و بو ہنوز
ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہے در بہ در
جاتی نہیں ہے مجھ سے تری جستجو، ہنوز
غنچوں سے رنگ و بو کی تمنا نکل چکی
تڑپے ہے خوں میں دل کے، مری آرزو ہنوز
"سودا" کا حال تونے نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو، ہنوز

زخم دل پر ھے مرے' تیغ جفوں کا ناصح
تو گریبان کا ناداں ' سئے ھے چاک ھنوز

یار کے حسن سے بے خبر اغیار ھنوز
نہیں اس شعلہ سے آگہ ' یہ خس و خار ھنوز
بال و پر ھونے نہ پائے تھے نمودار ھنوز
تب سے ھم کنج قفس میں ھیں گرفتار ھنوز
ھونگے پامال نہ کر ھم کو رھا اے صیاد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار ھنوز
تیری دوری سے عجب حال ھے اب "سودا" کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ھنوز

پائے نہ جھانکنے بھی کبھو ' ھم در چمن
رکھتے ھیں دل میں یہ رخنۂ دیوار کی ھوس
قدرت نہ ھم کو آہ کی ' نے طاقت فغاں
نکلے سو کیوں کہ ' اپنے دل زار کی ھوس
"سودا" یہ جنس دل کے تئیں' دے چکے ھم اف
رکھتے نہیں ھیں کوئی خریدار کی ھوس

نے چین ' روز فصل ' نہ شب ھجر ' کی قرار
کیا جانے کیا ھے اپنے دل زار کی ھوس

ساقي گئي بہار، رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے، اور میں کہوں کہ بس
کچھ اس چمن میں آ کے نہ دیکھا میں جوں حباب
آب رواں کو سیر کیا سو بھي یک نفس

ہم گرم تگاپو ہیں، تری راہ طلب میں
یاں آبلۂ پا ہے، سر خار کو آتش

یا نالے کو کر منع تو، یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے ہو یک بار، فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم ابھی سویا ہے، اے بلبل خموش

روسیاہي سوا نہیں حاصل نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
مثل نقش قدم یہ رکھتي ہے تیرے در سے مري جبیں اخلاص

سینے میں دل جو ہے، تو تیري یاد کے لئے
جز دید کیا ہے دیدۂ خوں‌بار سے غرض

آنکھیں بہ‌رنگ نقش قدم ہو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

فضل حق جس کے طرف ہو تو اُسے بخشے ہے
دور ساغر کی طرح گردش ایام نشاط
دل جنھوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ
ہے قفس بیچ اُسے عیش تہ دام نشاط

کھاتے جو ہو قسم کہ تجھے چاهتا هوں میں
مشفق غلط ' ملاذ غلط ' مہرباں غلط
ساقي نہ ہو تو سیر چمن کا ہے کیا مزا
جانا بغیر بادہ سوے بوستاں غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اس کے
نالہ شب ہے عبث ' آہ سحر گاہ غلط
بزم آراستہ کی جس کے لئے اے "سودا"
آج آنے کی خبر اس کي ہے افواہ غلط

یوں ہی طریق عشق میں ہو راست یا غلط
اجر جفا درست ہے مزد وفا غلط
واشد ہے دل مرے کو دم سرد سے ترے
اس غنچہ کو شگفتہ کرے گر صبا غلط

عبث ہوں منتظر اس شوخ کي مری آنکھیں
سوائے آئینہ کس کو ہے انتظار سے خط

سنا کسی سے تو نام بہشت پر تجھ کو
گل بہشت کی پہونچي نہیں ہے بو واعظ

تو میرے غم سے نہ رویا اور میری خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتي ہے شمع

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آے شمع
دل بے کسي کا مجھ پہ جلے ہے بجاے شمع

دل سوز عاشقاں کوئی " سودا " سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع وار داغ

ہے خواہش گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختہ سے چمن کے ہیں فزوں اس پہ بھرے داغ
" سودا " نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

پہونچا کے تري زلف کی بو غیر کو پیارے
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ
ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے
جب شمع کو کرتي ہے تری جلوہ گري داغ

مائل تھا بسکہ دل مرا بیداد کی طرف
خون بہہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف
سامان نالہ سب ہے مہیا پر اے اثر
میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف
خوں کر رہا ہے جوش، رگ جان میں تری
"سودا" نہ دیکھ نشتر فصاد کی طرف

بچ کر وہ میخانہ سے اے شیخ نکلتا
ہر رند ہے واں جبہ و دستار کا عاشق
کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کی "سودا"
جس کا ہو، فروشندہ خریدار کا عاشق

ترک مجھ سے کیوں کہ ہو عشق بتاں، اے اہل دیں
سمجھوں ہوں تار نفس کو اپنے میں، زنار عشق
اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو
روز و شب کھٹکا کرے سینہ میں جس کے خار عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق
مجھ ناتواں نے کیا کیا اُٹھایا ہے، ناز عشق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا
اس دبی آتش کو ڈرتا ہوں نہ سلگائے فراق

زندگی کیوں نہ ہو وے مجھ پر شاق
یار بے التفات دل مشتاق
غم نہیں اس کی بے وفائی کا
کرے ترک وفا نہ ہم سے فراق

شمع اس عارض کی، سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے صرف شمع طور تک
کون سے عارف کو یاں دعویٰ خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہو چکا منصور تک
خوبی مے خانہ و ساقی نہیں اس کے نصیب
پہونچے گو زاہد عبادت سے قصور و حور تک

رہے اس فصل ہم، اے بلبل و گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اس کا خمار تک

رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یک نفس گرد چمن ہم نہ ہوے بال افشاں
آشیانے سے نہ اٹھ رات ، گئے دام تلک

اس چمن کی سیر میں لے جا بسر تو اس طرح
چاہئیے ہو وے نہ تیرا خار دامن گیر ایک

رونے کو میرے ، تا بہ کجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بہ جائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا
" سودا " میں کیا بیان کروں اب وفائے اشک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ میں ہرآن دکھاتی ہے پری رنگ

ابھی جھپکی ہے تک اے شور قیامت ! یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینے میں اب تو خاک بتایا سراغ دل

نہ دیکھا ہم نے کچھ اپنے سوا وہ جس کو دل چاہے
جو طالب ہوں کسی کے تو کوئی مطلوب دیکھیں ہم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
آتش کو رنگ گل کی صبا تونے پھونک دی
جلوائے آشیاں کے مرے خار و خس تمام
''سودا'' ہوئی ہے شام کو زلفوں میں اس کی راہ
اس دست نارسا کو ہے کیا دسترس تمام

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہو، اپنے اُسے کام سے کام

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبے میں بت‌خانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو، کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت، دیوانے نے کی زنجیر کھل جانے میں دھوم

تیرا جو ستم ہے اس کو تو جان   اپنی سی تو خوب کرگئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرھا جی   تھا تن سو گداز کر گئے ہم

ہوگی نہ کسي کو یہ خبر بھی اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفاے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور چشم مجلس و سوز دل پروانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
ماندگي گر محنت دنیا کی خواب آور ہو یاں
شور محشر کو بھي "سودا" سمجھیں اک افسانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ دوست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بے گانہ ہم

دیکھیں تو کس کي چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابر تر کہ ہم
بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئي ایسا شجر کہ ہم
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ برکہ ہم

خانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتني رخصت دے کہ ہو لیں گل سے تک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک، فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد ہم
خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا
راہ میں تیری، پھرے جوں نقش پا برباد ہم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

اے گل! صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم
مجھے وضع جہاں اس رشک سے محفوظ رکھنا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں، کہاں پھر گل، کدھر شبنم؟

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام
"سودا" تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

مجھے عاشق نہ بوجھ اپنا، جفا کا کب میں حاصل ہوں
لگا لوہو شہیدوں میں ترے کاہے کو داخل ہوں

مجھے یارو دماغ اب کب ہے گلگشت دوعالم کا
قدم رکھنے میں باہر گوشۂ خاطر سے کاہل ہوں

بره کي آگ سے کیوں کر گریزاں ہوں میں اے ناصح
ازل سے ہم ہیں شعلے کي طرح پابند' آتش میں

ہمارے درد کی تدبیر ایسی ہو نہیں سکتي
تاسف هي مرا کرتے ہیں یہ غم خوار آپس میں

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھوں تو کہوں
ورنہ لیلی ہے ہراک محمل میں سمجھوں تو کہوں

دیکھا جو باغ دہر تو مانند صبح و گل
کم فرصتي ملاپ کي باهم بہت ہے یاں

عاشق ترے' ہم نے کیئے معلوم بہت ہیں
ظالم توهی دنیا میں ہے مظلوم بہت ہیں

ہوئے غبار نہ " سودا " جو چھوتے دامن یار
پر اب کی ہوکے حنا پاؤں سے لپٹ جاویں

یار آزردہ ہوا رات جو مے‌نوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانئے بے‌ہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کہ ہمیں
یاد تیری ہے دوعالم کی فراموشی میں

اشک گل‌رنگ سے ہوں غم میں تیرے باغ و بہار
نالہ بلبل ہے، چمن نقش و نگار دامن

بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن
کیا گلا صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن
نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں ناچار چمن
لخت‌دل گرتے خزاں میں، جاے برگ اے عندلیب
ہم اگر ہوتے تری جاگہ گرفتار چمن

زہد کو چاہئیے ہے زور تو عصیاں کو زر
میں بھی یوں ہی بسر اوقات کروں یا نہ کروں
دل سے لب تک سخن آتے ہوئے ''سودا'' سوبار
مصلحت یار سے ہے بات کروں یا نہ کروں

غم میں تسکین دل زار کروں یا نہ کروں
نالہ جاکر پس دیوار کروں یا نہ کروں
سن لے اک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں
تا صبا اُٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں
سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنا یہ سمجھو
ہے زباں میرے بھی گفتار کروں یا نہ کروں
خواب شیریں میں وہ اور دل ہے مرا مائل شوق
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں
حال باطن کا نمایاں ہے مرے ظاہر سے
میں زباں اپنی سے اظہار کروں یا نہ کروں
کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے "سودا"
جاکے با دیدۂ خوں بار کروں یا نہ کروں

چمن کا لطف سیر اور رونق محفل ہے شیشے میں
پہونچ ساقی کہ اپنی دوستوں کا دل ہے شیشے میں
تڑپتی ہے یہ خون دل میں ظالم ! آرزو میری
کہوں کیا تجھ سے میں گویا وہ اک بسمل ہے شیشے میں

آشنا مفت نہیں دل سے خیال رخ یار
اتری ہے لاکھ فسوں سے یہ پری شیشے میں

خانۂ دل کہ ہو خوں ہونے کا آئیں جس میں
ہے وہ اک بیت کہ سو معنے ہیں رنگیں جس میں
ہجر اور وصل سے کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
بات وہ کہیئے کہ تک دل کو ہو تسکیں جس میں
کار فرما جو ہمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام، نہ دنیا ہوئی نے دیں جس میں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں
نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ہیں

لخت جگر آنکھوں سے، ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارماں نکلتے ہیں

سنتا نہیں کسی کا کوئی درد دل کہیں
اب تجھ سوا میں جا کے خدا یا کہاں کہوں

اپنی توبہ زاہدا! جز حرف رندانہ نہیں
خم ہو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں
صبح دیکھا تھا جو کچھ وہ کم نہیں ہے خواب سے
ذکر اس کا شام ہو تو بیش از افسانہ نہیں

سنگ سے بیت الحرم کی شیخ اٹھائی ہے بِنا
آئینہ دل کا مجھے اس گھر میں بٹھلانا نہیں
نا صحا بالیں سے میری، اٹھ خدا کے واسطے
جان کہانی اس کو کہتے ہیں یہ سمجھا نا نہیں

کوسوں کا نہیں، فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں
ہم ساقیٔ قسمت سے بہر شکل ہیں راضی
یاں فرق نہیں ذائقہ شربت و سم میں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر، یار مرا ورنہ کہاں کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی، اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

سر گوشي پر مري ہے تو آشفتہ کیوں ہوا
میں درد دل کہا ہے یہ، کچھ اور تو نہیں

دلا! میں پیتے ہی پیتے پیوں گا عشق کی مے
یہ جام زہر ہے پیارے کچھ انگبیں تو نہیں

تمہا کہیں بٹہا کے تجھے آج ایک بات
دل چاہتا ہے کہیئے مري جان، پر نہیں

نہ تلطف نہ محبت نہ مروت نہ وفا
سادگي دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں، شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ‌طرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
ہو لطف کي اُمید تو یہ جور سہوں میں
یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹي بھي تسلي ہو تو جیتا تو رہوں میں

لخت دل، کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتی لہو میں کون سی شب ، آستیں

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو
شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

بے اختیار منھہ سے نکلے ہے نام تیرا
کرتا ہوں جس کسی کو پیارے خطاب، تجھہ بن
مل جا جو چاہتا ہے "سودا" کی زندگانی
کچھہ بے طرح سے اس کو ہے اِضطراب، تجھہ بن

گنتھی نکلی ہیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں
یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلے کے ہار ہو پڑیاں

فرہاد و قیس ووں گئے "سودا" کا ہے یہ حال
کیا کیا کیا ہے عشق نے خانہ خرابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا ؟ کاروان درد کی مسدود ہیں واہیں

تونے "سودا" کے تئیں قتل کیا ، کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم ! اسے کیا کہتے ہیں ؟

نہ اپنا سوز ہم تجھ سے بیاں جوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہ سرد بھرتے ہیں
جگر ان کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں! ہم تو مسلماں ہیں، خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
گلی میں اس کی مت جا بوالہوس اماں کہتا ہوں
قدم پڑتا نہیں اس کو میں واں سر سے گذرتے ہیں
نہ چارہ کرسکے کچھ موج دریا کی روانی کا
کہیں واد ستگاں زنجیر جکڑے سے ٹھہرتے ہیں

بس خشت کو اٹھا کر دیکھیں وہ چشم دل سے
صورت کو اپنے اس میں موجود جانتے ہیں
کیا شکر؟ کیا شکایت؟ اپنی ہے شکل یکساں
دونوں سے آپ ہی کو مقصود جانتے ہیں
ہم سر نوائیں کس کے آگے کہ بہد آسا
اپنے قدم کو اپنا مسجود جانتے ہیں

قدرت اوروں کو ہے سر گرم سخن ہونے کی
نہیں پھرنے کا دم سرد کے مقدور ہمیں
کام ہے چشم کا نظارہ نہ بھنا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی، ناسور ہمیں
کوئی سمجھے ہے ترے گھر میں کہ ہم آئیں ہیں کیوں
ہوکے مانع تو نہ کر خلق میں مشہور ہمیں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز، کیا لکھوں
ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں

جب میں گیا اس کے تو اسے گھر میں نہ پایا۔
آیا وہ اگر میرے تو در خود نہ رہا میں
کیفیت چشم اس کی، تجھے یاد ہے "سودا"
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

"سودا" خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کنشت میں
کہہ اس خدا سے شیخ! جو ہے سنگ و خشت میں
گذرا ہے آب چشم میرے سر سے با رہا
لیکن نہ وہ مٹا جو کہ تھا سر نوشت میں
"سودا" کو شمع بزم، جو کہئے تو تھا بجا
ہے اشک و آہ سوختن اس کی سرشت میں

خلش کروں نہ کسی سے اگرچہ خار ہوں میں
جلے نہ مجھ سے دل خس جو شعلہ بار ہوں میں

جسم کا معلوم رهنا، گر یهي هے سیل اشک
بیٹھہ هي جاوے گي یه دیوار دن دو چار میں

اُمید هوگئي کچھہ گوشهٔ‌گیر سي، دل میں
رها کرے هے تمنا، اسیر سی، دل میں
خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے هے بات تري مجھہ‌کو تیر سی، دل میں

دل کو یه آرزو هے، صبا کوئے یار میں
همراه تیرے پهونچئے مل کر غبار میں
میں وه درخت خشک هوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نه دیکها بهار میں

دلا اب سر کو اپنے پهوڑ مت سنگ ملامت سے
یہی هوتا هے ناداں عشق کا انجام دنیا میں
نه کر "سودا" تو شکوه هم سے، دل کی بےقراري کا
محبت کس کو دیتي هے میاں آرام دنیا میں

کفر سے اب تو مرا دل هے نهایت بیزار
درمیاں کیا کروں اے شیخ که هے پائے بتاں

جي تک تو دے کے لوں جو هو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
هوتی نہیں هے صبح نہ آتی هے مجھکو نیند
جس کو پکارتا هوں سو کہتا هے مر کہیں
ساقی هے اک تبسم گل ' فرصت بہار
ظالم بھرے هے جام تو جلدي سے بھر کہیں

قاصد کي کیا مجال جو اس کو میں جا سکے
جز مرغ روح کوئي مرا نامہ بر نہیں
میري طرف سے دیجیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پھر بال و پر نہیں

طلب میں سلطنت جم کی نہ صبح و شام کرتا هوں
در مے خانہ پر جاکر سوال جام کرتا هوں
جو آزادي میں یاد آجاے هے لذت اسیري کی
تو کر پرواز گلشن سے تلاش دام کرتا هوں

ٹکڑے تو ابھی لعل کے دل بیچ دھرے میں
هم نے تو ابھی موتي هی آنکھوں میں بھرے هیں
صد شکر کہ مرنے کا خلش اُٹھ گیا دل سے
جب سے هوے پیدا هم، اُسی دن سے مرے هیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینہ صد چاک دکھلاؤں
جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں
پرستش چھوڑ دے کعبہ کی، "سودا"! شیخ، گر اس کو
جو میرے دل میں بستا ہے بت بے باک، دکھلاؤں

ہے اعتقاد ہمیں، ہندو و مسلماں پسر
ہیں دونوں ترے پرستار یہ نہ ہو وہ ہو
نہیں ہے وصل میں درخواست ہجر کی مجھ کو
ولے خدا سے ہوں ناچار، یہ نہ ہو وہ ہو

لہو اس چشم کا پونچھے سے، ناصح! بند کیوں کر ہو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیوں کر ہو

کرے تک منفعل کوئی مرے بے درد قاتل کو
دکھادے خاک پروانہ یہ گریاں شمع محفل کو
الٰہی ہے سکت نعم البدال کے تجھ کو دینے کی
مجھے اس کے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

کس کی ملت میں گنوں آپ کو، بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے، گبر مسلماں، مجھ کو

اسرار خرابات سے واقف ہو جو زاہد
کعبے سے نہ کم سمجھے در پیر مغاں کو

"سودا" اُمید وصل کی کس کو ہے یاں کہ رہ نہیں
اپنے دل اور چشم میں ایسے خیال و خواب کو

بادشاہت دو جہاں کی بھی جو ہووے مجھ کو
تیرے کوچے کی گدائی سے نہ کھووے مجھ کو
خشک رکھتی ہے کبھو چشم جو دامن تجھ بن
آستیں چاہتی ہے خوں سے بھگووے مجھ کو

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو
آتا ہے تو آ شوخ کہ میں روک رہا ہوں
مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو
دیتی ہی نہیں چین، بدی اپنے گماں کی
ساتھ اس کے میں ہوتا ہوں، کوئی جائے کہیں کو

نہ پوچھو قتل کرنے میں کسو سے بیر ہے اس کو
چلے تلوار تو اب رواں کی سیر ہے اس کو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق، اے صبح! سلامت رکھے تیرے دم کو
ہم کسو کی نہ چڑھے نظروں میں عنقا کی طرح
دیکھ ڈالا ہے بہ یک آن، ہم اس عالم کو
ہے کہ اب لا کے دکھاویں اُسے تجھ کو ناصح
مت فضیحت ہو عبث کر کے نصیحت ہم کو

کیجے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

ہمیں گو نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا گرفتاروں سے مت پوچھو
فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے ''سودا'' ہے
خبر اُس کی جہان آباد کے یاروں سے مت پوچھو

ناصح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

تجھ بن تو دو جہاں سے کچھ اپنے تئیں نہ ہو
ہو ویں نہ ہم کہیں کے اگر تو کہیں نہ ہو

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ کہو

هر آن آ مجھی کو ستاتے ہو نا صحو
سمجھا کے تم اُسے بھي تو یکـ بار کچھہ کہو

روا ھے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریاے زھد چھپے' راز عشق رسوا ھو

اس درد دل سے موت ھو یا دل کو تاب ھو
قسمت میں جو لکھا ھو الہی شتاب ھو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ھمیں
اے الفت چمن ! تـرا خانہ خـراب ھو

اے نالہ ! مت سبکـ ھو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا ھے جگر کي نظر سے تو
دامن' مکان اشکـ سے ھے دو قدم کی راہ
آنکھیں چرا نہ لذت دل اتنے سفر سے تو

چھوڑوں گا نہ دامـان اسیري کبھو صیاد
هر صبح رهائی هو مجھے' شام قفس هو

کـروں گـرم با دیدۂ تـر نگاہ   کہ ڈالے پھپھولا نہ رخ پر نگاہ
نہیں زخم سے اس کے' واقف کوئي   ھے باطن یہ برچھي' بہ ظاھر نگاہ

لینے لگا ھے اب تو مرا نام گاہ گاہ
بھیجیں گے ہم بھی نامۂ پیغام گاہ گاہ

عزت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
روؤں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

مت مجھ کو ڈرا واعظ محشر کی صعوبت سے
ہے مبدأ صد محشر، میرا دل شوریدہ

رکھے ہے دل کو مرے اشتیاق سینے میں
کہ جیسے مرغ، قفس میں ہو اضطراب زدہ

میں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر
اب شور قیامت نے گھیرا ہے درِ میخانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

کرتے ہو مداوا کب بیمار غم اپنے کا
جب کام ہوا آخر تدبیر نظر آئی
ہے گردش چشم اس کی، حلقہ در محشر کا
موج خط پیشانی، زنجیر نظر آئی

یار کا جلوہ مرے، کیا شہرۂ آفاق ہے
جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے
ذات پر اس شوخ کي، بس ختم ہے معشوقیت
جو بشر دنیا میں ہے، منجملۂ عشاق ہے
فائدہ اس ہرزہ گوئی سے بھلا ناصح تجھے
زندگي "سودا" کو اب بے عشق کرنی شاق ہے

کوئی تو سمجھے ہے اس چہرے کو مہ اور کوئی مہر
ہم تو سمجھے ہیں، فقط اللہ کا یہ نور ہے
اے خیال یار اس سینے میں اب مت رکھ قدم
شیشۂ دل سنگ سے ہجراں کے، چکنا چور ہے

کروں میں حال کس کس طرح ظاہر، سخت مشکل ہے
کہ دل سے بھي زیادہ خاطر دل دار نازک ہے

تیرے ہی سامنے کچھ لہکے ہے میرا نالہ
ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح
جو دل سے دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہے

کہوں کیا تجھ سے اے "سودا" خرام نازنیں اس کا
دلوں کو ڈھونڈھتی اک آفت ناگاہ پھرتی ہے

جرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے
بے گنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے
مجھ کو سونپا ہے زمانے کے تئیں قسمت نے
دست نا مرد میں شمشیر بہت اچھی ہے
نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ
جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے
جتنے ہیں کام ترے' سونپا خدا کو "سودا"
تیری تدبیر سے' تقدیر بہت اچھی ہے

کب کر سکے وہ تیغ ادا سے ہو جو کچھ کام
گو زخم نہ معلوم ہو قاتل تو وہی ہے

مری بھی سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر
پگھل چکا ہے سراپا' زبان باقی ہے
نہ درد دل ہی کے کہنے کی تجھ سے ہے طاقت
نہ چپ ہی رہنے کی تاب و توان باقی ہے

دل جنس فرد شدۂ بازار ہنر ہے
دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ہنر ہے

تک هم رهاں قافلہ سے، کہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

اے تڑپ چھین تو بسمل کو کہیں تل بھر دے
یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامن قاتل بھر دے
بادہ پینے سے تو خو گر میں نہیں ہوں اے تیغ
ہو کسی شیشہ میں لوہو تو مرا دل بھر دے

دنیا تمام گردش افلاک سے بنی
ماتی ہزار رنگ کی، اس چاک سے بنی

غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
تیرے سخن کو میں بہ سرو چشم ناصحا
مانوں ہزار بار، اگر دل سے بس چلے

یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے
اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہئے

مخلصی "سودا" کی کچھ، حق کے کرم سے ہو تو ہو
ورنہ یاں ہر کام کی تقصیر دامن گیر ہے

کاٹی مصیبت شب ہجراں، میں بارہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
جوں شمع، پانوں گڑ کے جاتا ہوں میں کہاں
در پیش آ گیا ہے کدھر کا سفر مجھے

ساغر دل، خوں سے مالا مال رہتا ہے مرا
اہل دل گر مست رہتے ہیں تو ایسے جام کے

تو کہہ کے ہمیں سخت، نہ بدنام ہو ناصح
یہ شیشہ دل ہاتھ سے ہے چور کسو کے

ہوا کس پر، یہ دیوانہ الٰہی
کہ موج اشک ہے زنجیر دل کی
جفا سے تیرے اٹھ جاؤں میں لیکن
وفا ہوتی ہے دامن گیر دل کی

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آنے کا ناصح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

نہ عندلیب گرفتار کو قفس چھوڑے
نہ تیرے دام کے مشتاق کو ہوس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیج دے
دل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیج دے

تری دریا دلی کا شور ہے اے مہرباں جب سے
ہمارے دل سے دریائے تمنا، موج مارے ہے

تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقی میں نہ کم ہوتے
جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

طوبےٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں، تیرے سایۂ دیوار کے لئے

گرمی اس شعلہ سے ہیہات نہ ہونے پائی
ہوں وہ پرواز، جسے رات نہ ہونے پائی
جی کی جی ہی میں رہی، یار مری بالیں تک
پہونچا اس وقت کہ کچھ بات نہ ہونے پائی

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دل‌جوئی

ناصحا! ہر چند یہ بندہ سبک اطوار ہے
پر سبک ہے کب جو خاطر پر کسي کی بار ہے

جو طبیب اپنا تھا اس کا دل کسی پر زار ہے
مژدہ بادا ے مرگ! عیسے آپ ہی بیمار ہے

طاقت کہاں ہے اب کہ گنوں وعدے کے میں دن
اس وقت بھي ملو تو دموں کا شمار ہے

کیا چیز ہے وہ، دل جسے کہتے ہیں الہي!
اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے
دشنام تو دینے کي قسم کھائي ہے، لیکن
جب دیکھے ہے وہ مجھ کو تو اک جنبش لب ہے

مت دیکھ خاک سارئ ''سودا'' بہ چشم کم
گر آسماں ہے تو، تو مقابل زمین ہے

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ہم تو کیا
عالم تو سب طرح کا ہماري نظر میں ہے

ان سے جو ہیں نا بینا، وعدہ ہے قیامت کا
بینا کے بہ ہر یک پل، دیدار نظر میں ہے

کرے ہے توبہ جو واعظ کی ہرزہ گوئی سے
مگر بہار کو "سودا" نے دور دیکھا ہے

نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہونچے گا کوئی
جب تلک اے یار خالی عمر کا پیمانہ ہے

اک رنگ کے جلوے نے کھینچا ہے مرے دل کو
صورت تو نہ میں سمجھا گوری ہے کہ کالی ہے

جان تک چاہے اگر وہ تو ہے بندہ حاضر
دل اسے دیوے جو کوئی تو جگر اس کا ہے

چشم پرآب سے "سودا" کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورت آئینہ کچھ دیدۂ تر اس کا ہے

پاک میرے نہ کسی دوست نے کی چہرے سے گرد
دیدہ ہے دشمن جاں، پر مرا منہ دھوتا ہے

گوهر کو جوهري اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

سلے ہے مرغ چمن کا تو نالہ اے ساقی
بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

هم هیں وارستہ محبت کی مدد گاری سے
سب سے آزاد هوئے دل کي گرفتاری سے
سبب غفلت دنیا هے فقط عیش شباب
خواب آور هے سحر' رات کي بیداری سے

مآل مردم ماضی و حال و استقبال
سنا تو ایک کی' کچھ داستان هے سب کی

مدو بھی هو سبب زندگي جو حق چاهے
نسیم صبح هے روغن' چراغ میں گل کے
چمن کھلیں هیں پہونچ بادہ لے کے اے ساقی
گرفتہ دل مجھے مت کر فراغ میں گل کے

پاس اب همارے' نکہت گل کو نہ لا نسیم
دل سے هوس چمن کی اسیروں کے دور کي

مجدرم! فقط تسلی کے دینے سے کیا حصول
کر فکر ہوسکے تو دل نا صبور کی

مرے ملنے کی اس کو تب ہوس ہووے اگر ہووے
کہ مجھ میں اک رمق باقی نفس ہووے اگر ہووے

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے
صنم رکھتے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
آزاد کرتے تم ہمیں قید حیات سے
اس کے عوض جو دل کو گرفتار کر چلے
تو خوش رہو گھر اپنے میں، جس شکل سے ہو تم
دو چار نالے ہم پس دیوار کر چلے

اثر، نے آہ میں ہر چند، نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

خو گر کو اسیری کے، ہے ظلم رہا کرنا
خوشتر زچمن، اس کو ہے دام گرفتاری

جو کچھ جہاں میں ہے وہ فرق ہے تعین کا
سخن مرا نہ سمجھنا قصور کس کا ہے
یہ سمجھیں ہیں کہ تو خالق ہے اور ہم مخلوق
ترے گناہ سمجھنا شعور کس کا ہے
جہاں کی بزم سے یا رو کسی کا اُٹھ جانا
یہ کون جانے کہ نزدیک و دور کس کا ہے

تمیز خوب و زشت اے مہرباں کب عشق نے پائی
محبت میں سبھی یکساں ہیں جس کی جس سے بن آئی
جھکایا تھا مجھے زاھد نے کوچہ رنج دنیا کا
دکھایا
مغاں نے راحت دنیا کی مجھ کو بات بتلائی

دھن غنچے کا جب دیکھوں ھوں گوش گل پہ گلشن میں
تو اپنا درد دل کہنا کسو سے یاد آتا ہے

زیست قاتل ہے مری، تجھ بن، اجل بدنام ہے
سینے میں موج نفس اک تیغ خوں آشام ہے
عشق کے انجام سے دل کو ہے غفلت اس طرح
جیسے وہ ماھی کہ دریا میں میان دام ہے

یاں جو ھوں خاموش سو تیری ندامت کے لئے
ورنہ شکوں کے ذخیرے ھیں قیامت کے لئے
آنکھ اُٹھا کر دیکھ تو اے یار میری بھی طرف
کب سے ھوں میں منتظر صاحب سلامت کے لئے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ہے، لیکن داغ دل
رہ گیا ہے دوستی کی یہ علامت کے لئے

میں حال کہوں کس سے، ترے عہد میں اپنا
روتے ہیں کہیں دل کو، کہیں جی کی پڑی ہے
محکوم تصور کسی مرے ہے، تری صورت
آگے مری آنکھوں کی شب و روز کھڑی ہے

جان بھی دیجے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے
دین و دل کھو کر میاں اپنی سزا ہم پا چکے
یہ نوید آمد کے پیارے! مجھ سے مجھ کو لے گئے
آپ میں آیا میں تب اکتا کے جب وہ جا چکے
گوش زد اس کے کیا اعدا نے میرا حرف عشق
کیا رہا جلنے میں اب جب آگ وہ سلگا چکے

جھلک جس شوخ میں ذرہ نہ ہو نور محبت کی
اگر خورشید ہے کیا ہے و گر مہتاب ہے کیا ہے

سینے کو دور کر مرے سینے کے داغ سے
سوز شب فراق کو دیکھ اس چراغ سے

شمع و چراغ گو کہ مری شب سے دور ہے
تو گھر میں ہو مرے تو اندھیرا بھی نور ہے

جب نظر اس کی آن پڑتی ہے
زندگی تب دھیان پڑتی ہے
دل سے پوچھا میں یہ کہ عشق کی راہ
کس طرف مہربان پڑتی ہے
کہا ان نے کہ یہ نہ ہندستاں
نے سوئے اصفہان پڑتی ہے
یہ دور رہا جو کفر و دیں کا ہے
دونوں کے درمیان پڑتی ہے
نہیں عیسیٰ تو پھر سخن سے ترے
تن بےجاں میں، جان پڑتی ہے

گذر ادھر بھی وہ شاہ خوباں کرے جو اک دم تو کیا عجب ہے
ہوئی ہے آگے بھی بادشاہوں سے اس طرح کی گدا نوازی

گل ہے عاشق ترا قسم مت کھا
یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے
عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

جان تو حاضر ہے ' اگر چاہئے
دل تجھے دینے کو ' جگر چاہئے

عشق ہو' شرط ہے کیا ؟ ہو مرض الموت مجھے
یارب ! انسان کے مرنے کے ہیں آزار کئی
ترے بازار میں اب کیونکہ نہ بگڑے " سودا "
ایک یوسف نظر آتا ہے ' خریدار کئی

جھڑ کی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی
گالی کبھو نہ دی تھی سو اب بات ہوگئی
بس اب ستم سے در گذر اے یار ! تا کجا
اعمال دے کے میری مکافات ہوگئی
ملنا ترا' ہر ایک سے میں کیا بیاں کروں
عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ہوگئی

کیجیو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ار مغاں لئے لخت جگر' گئی

اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بھلے گئے
اے شمع ! دل ' گداز کسي کا نہ ہو کہ شب
پروانہ داغ تجھ سے ہوا ' ہم چلے گئے

ہے مدتوں سے خانۂ زنجیر ' بے صدا
معلوم ہي نہیں کہ دوانے کدھر گئے
''سودا'' جہاں میں آکے کوئی ' کچھہ نہ لےگیا
جاتا ہوں ایک میں' دل پر آرزو لئے

وعدۂ لطف و کرم ' گر نہ وفا کیجئے
مہر نہیں تو ستم' کچھہ تو بھلا کیجئے
فرصت عمر اپنی یہ' لطف خداوند وہ
کہہ تو حق بندگی کیونکہ ادا کیجئے

کہوں میں کسي سے کہ مطلب قرار وا کیجئے
بھلا ہے ترک تعلق کا مدعا کیجے
کہے تھا شمع سے پروانہ' رات جلتے وقت
کہ حق بندگي اس طرح سے ادا کیجئے
کہا طبیب نے احوال دیکھہ کر میرا
کہ سخت جان ہے ''سودا'' کا اۂ کیا کیجئے

بھاگ دیوانے سے مت اے غافل
وہیں جاناں ہے جہاں مجنوں ہے

گر تجھہ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے
دل دار تو ہوا تو دل آزار کون ہے
ہر آن دیکھتا ہوں میں اپنے صنم کو شیخ
تیرے خدا کا طالب دیدار کون ہے

"سودا" کو جرم عشق سے کرتے هیں آپ قتل
پہچانتا ہے تو؟ یہ گنہ گار کون

الفت میں کچھ اپنی بھي اثر چاهئے "سودا"
هر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ہے

جگر اور دل پہ اب میرے' بہار ایسی ہے داغوں سے
کہ زخم سینہ گویا' رخنۂ دیوار گلشن ہے

دل لے کے همارا جو کوئی طالب جاں ہے
هم بھي یہ سمجھتے هیں کہ جي ہے تو جہاں ہے
هر ایک کے دکھ' درد کا' اب ذکر و بیاں ہے
مجھ کو بھي هو رخصت تو مرے منھ میں زباں ہے
جو یندۂ هر چیز ہے یابندہ جہاں میں
جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈھو سو کہاں ہے
پیری جو تو جاوے تو جوانی سے یہ کہنا
"خوش رهیو مری جان تو جیدھر ہے' جہاں ہے"

جو وہ پوچھے تجھ سے اے قاصد کہ "سودا" خوش تو رهتا ہے
تو یہ کہیو! کبھو رو رو' دل اپنا شاد کرتا ہے
بساں نے' ترے هاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا میں
کوئی تک منھ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بتخانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار! کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں "سودا"
جنس دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

یاں چشم سرمہ سا کا، مارا کوئی جیا ہے
ہر سرو، اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے
لب تشنگاں جام تسلیم، ہم ہیں ساقی!
یا بادہ، یا ہلاہل، جو ہو سو واہ وا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں "سودا" برہنہ پا بھی ہے

کب تاب قفس لا سکے، وحشت مری صیاد
اک الفت گل بس ہے کہ سو دام یہی ہے

"سودا" کے ہاتھ کیونکہ لگے وہ متاع حسن
لے نکلیں جس کو گھر سے تو بازار ساتھ ہے

اس چشم خوں چکاں کا' احوال کیا کہوں میں
اب زخم ہے تو یہ ہے' ناسور ہے تو یہ ہے
کچھ بس نہیں ہے تجھ سے' جز رو کے چپ ہو رہنا
قدرت جو ہے تو یہ ہے' مقدور ہے تو یہ ہے
گردش سے آسماں کے نزدیک ہے سبھی کچھ
ہم سے تجھے ملانا اک دور ہے تو یہ ہے

گذرا ہے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے
"سودا" گلی میں یار سے گو بولتا ہے گرم
پھر ہر سخن کے ساتھ دم سرد ہے سو ہے

درد میرے استخواں کا کیا ترے دمساز ہے
اس قدر اے نے تری دلگیر کیوں آواز ہے

پردا عبث ہے ہم سے یہ خاطر نشاں رہے
جس دم اٹھا یہ بیچ سے' پھر ہم کہاں رہے

کیا پوچھتے ہو حال اسیران چمن کا
یک مشت پر اب کنج قفس میں ہمگی ہے
"سودا" کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہونچے
صبا یہ مشت پر اس دام سے، صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں ہے رسم یاں کوئی کسی کی داد کو پہونچے

رہا کرنا ہمیں، صیاد! اب پامال کرنا ہے
پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پہونچے داد کو ہرگز، ترے کوچے کا فریادی
کسی کی، شور محشر میں کوئی آواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال تک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئی غماز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجھ کو آہ! مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی کچھ اپنی ہی کہی

...

شعلہ میں برق کا ہوں، پر افسردہ یاں تلک
ہر خار اس چمن کا سمجھتا ہے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہو اے نسیم
ہر صبح اس چمن کی ہو شام قفس مجھے

منھہ لگاوے کون مجھہ کو، گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو، مجھے
منحصر جوں شمع جلنے پر مری ہے زندگی
تاپ و تپ سے عشق کے یاں تک ہوئی ہے خو، مجھے

ہے قسم تجھہ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوہ حسن اُسے، حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے، او عالم فانوس خیال
کسو تصویر نے کیا صورت دیوار مجھے
نہ پھرا ملک عدم سے تو کوئی اے "سودا"
جانا ہے ان کی خبر کے لئے، ناچار مجھے

جل موا، شمع کو دیکھا جو مری بالیں پر
بدگمانی سے میں اب داغ ہوں پروانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبے کی ہوں، یا گرد صنم خانے کی

کسو نے حال سے میرے، کہی نہ تجھہ سے بات
اگر کہی بھی کسو نے تو اپنے مطلب کی

نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
اس دل کی اسیری سے نہیں کچھ تمہیں حاصل
اک نالۂ جاں کاہ سن، آزاد کروگے

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے، یہ نہ ہو سکے

ٹالا ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے ولے
آئے کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

آہ و زاری سے مری، شب نہیں سویا کوئی
تجھ سے نالاں ہوں میں، اک خلق ہے نالاں مجھ سے

دل بے عشق کی دشمن ہے، تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا، مینائے خالی سے

رکھیو اثر تو خاطر، نالے کی تک ہمارے
پہونچا ہے دل سے لب تک، یہ سخت زحمتوں سے

نہ بھول اے آرسی! گر یار کو تجھ سے محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس کا' یہ منھ دیکھے کی الفت ہے

کون! محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں' یہ مقتول ہے

منھ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک! سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے

کہتا ہے عشق' عقل سے مجھ کو تو بیر ہے
ناصح تو کیوں بکے ہے دوانہ سا؟ خیر ہے

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ
شیریں کیا جانے کہ خوں آلود جوئے شیر ہے

رحم کچھ آپ تجھے آوے تو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر' نالہ سو بےتاثیر ہے
اس قدر آغوش میں نظارہ کھینچے ہے تجھے
پشت آئینہ کی تیرا عکس رو تصویر ہے
جو کوئی پوچھے کیا کس جرم پر ''سودا'' کو قتل
کہہ ''کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے''

گل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے' وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری' ایک نظر بھی
اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لخت جگر بھی
"سودا" تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

کریں ہیں در پہ ترے' شیخ و برہمن سجدہ
بتوں کے حسن و ادا! تیری' یاں خدائی ہے
تن گداز میں دل کیونکہ تیں رکھا "سودا"
یہ آگ' پانی میں کس سحر سے چھپائی ہے

بہار بے سپر جام و یار گذرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے
گذر مرا ترے کوچے میں گر نہیں تو نہ ہو
مرے خیال میں تو لاکھ بار گذرے ہے
ہزار حرف شکایت کا' دیکھتے ہی تجھے
زباں پہ شکر ہو بے اختیار گذرے ہے

سینوں کو دلوں سے تو نہ خالی کر اب اتنا
ڈرتا ہوں نہ چھاتی کسی بے دل کی بھر آوے

ظالم! کر اب انصاف کہ سینے میں کہاں سے
ہردم کے لہو پینے کو تازہ جگر آوے
بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں ''سودا''
اب کہنے کو افسانہ، کوئی نوحہ گر آوے
نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

درخت خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے
کہ باغباں میرے احوال سے خبر پاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن میں ہے شرر
کہہ! برق کو سمجھ کے تک ایدھر گذر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے
فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ڈھایا میں ترے کعبے کو، تیں دل مرا اے شیخ
تعمیر میں کروں اُسے، تو اس کو بنادے
بیمار کو تیرے ہو شفا، اس سے نہ مانوں
عیسیٰ کو یہ قدرت ہے کہ مردے کو جلادے

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد
تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوس آزادی

کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری، مت اس کو بٹھا پردے

" سودا " چمن دھر سے یہ چشم نہ رکھیو
وہ گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لذت دل اپنے، تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نمودار نہ ہووے

پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پاؤں ہوکے، گر اپنے گھر نہ لاتی

اک خلق کي نظروں میں سبک ہو گیا لیکن
کرتا ہوں میں اب تک تري خاطر پہ گرانی
تک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا
ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی

انصاف کچھ بھی یارو! ہے عشق کي نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتي رو لے

آوے گا وہ چمن میں ترکے ھي میکشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ہے ہر چند ' پر نہ اتنا
مند جاے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ بھولے
چشم پرآب ہوں میں جوں آئینہ خیالی
رک رک کے پڑ گئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے
کون ایسا اب کہے یہ "سودا" گلي میں اس کی
آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کرکے رولے

کدورت سے زمانے کی بہ رنگ شیشۂ ساعت
ملے ہمدرد اگر کوئي تو کیجئے دل بہم خالي

پہونچے سو کیونکہ ? منزل مقصد کو یہ قدم
پیدا ہوئے ہیں گردش ایام کے لئے

"سودا" ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم

کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے

مطلعات

غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا

لیکن ہمارے غنچۂ دل کو نہ وا کیا

ہے سخت بے مروت، وہ بت وفا کرے کیا

پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا

سننے پائے نہ دھن اس کے سے، دشنام تمام

جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

"سودا" کے لئے برسر بازار ہوئے ہم

ہاتھ اس کے بکے، جس کے خریدار ہوئے ہم

آگے یا قسمت جلوے یار یا مارے ہمیں

اب تو آنکھوں سے لگا ہے دیکھنے بارے ہمیں

فردیات

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں تو مانتی نہیں میں اس کو کیا کروں

میکشاں ! روح ہماری بھی کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

وہ سمندر ہے کہ جس کا نہ کہیں پاٹ لگے
کشتی عمر مری دیکھئے کس گھاٹ لگے

رباعیات

کتنوں کا جہان میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن "سودا"
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

" سودا " پے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو، کب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہوئے
بالفرض ہوا یوں بھی تو، پھر تو کب تک

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب، وہی پیرہن وہی ہو کلاہ
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر
بہ رنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

چاہی تھی بتوں کی آشنائی ہم نے
پر عقل کی مانی نہ رہ نمائی ہم نے
اس دل کے کنارے سے ہمارے یارو
کچھ آگ لگی تھی سو بجھائی ہم نے

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجے
زلفوں سے تری دراز دستی کیجے
ساقی جو نہ ہو شراب، ہے آج وہ ابر
پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجے

سرمایۂ عیش، کامرانی تو ہے
آرام دل و مونس جانی تو ہے
گر تو نہیں آوے جینا کس کام
میری تو مراد زندگانی تو ہے

افسوس ہماری عمر روتے گذری
نت دل سے غبار غم ہی دھوتے گذری

دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
ہرچند تمام عمر سوتے گذری

رباعیات مستزاد

دنیا کی طلب میں دین کھوکر بیٹھے   ہوکر گم راہ
کرنا ہی نہ تھا جو کام سو، کر بیٹھے   اے عقل بتا،

کعبے میں شیخ بت‌کدے میں ہندو   بےرنگ و بہ رنگ
کس بو قلموں صنم کے کافر ہم ہیں   اللہ اللہ

قصائد

مدح امام حسین علیہ‌السلام

سوائے خاک نہ کھینچوں کا منت دستار
کہ سر نوشت لکھی ہے مری بہ‌خط غبار
چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ رو وے مرے روزگار پر شب تار
کروں ہوں تیز میں دندان اشتہا ہر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ہے نہار
شراب، خون جگر ہے، گزک مجھے دل خوش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے، ترانۂ یار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
ز بس کہ دل ہے مکدر مرا زمانے سے
بہ‌جائے اشک، میں آنکھوں سے پوچھتا ہوں غبار
کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سو گند کھاوے ہے ادبار
دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زنہار
کسو ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار
جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دل زار
شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار
کہ خاک کر کے اسے ہند میں بٹھاؤں گا
چراغ بت‌کدہ‌وخشت خانۂ خمار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
ز بس بھرا ہے سر اس کا ہوائے کج رفتار
دکھاؤں گا اسے، اب مرد، یوں کریں ہیں عزم
مشیت از لی بھی ہوئی جو ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس ہند کا ' کوئی دن اور
اسی دیار کی گلیوں کا ہو جئے گا غبار
جہاں کے مرگ کو کہتا ہے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سنے صدق سے تو باور کر
مقصدی سے فرنگی ہو جو کرے انکار
خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی گر مسیح ہو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آگے واں ہو ویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اس کو' شفا کی نیت سے
قضا قضا ہی کرے تک اگر کرے تکرار
ہے اس قدر وہ زمیں نور سے ہے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو قرار
ہوا کے وصف میں اُس جا کی گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سر سبز تا بروز شمار

ز بس ہوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار سنگ میں ہیں رشک دانہ ہائے انار
گر اس طرف سے ہو جاوے صبا چمن کی طرف
نہ ہو سوائے زمرد عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کی تصویر کھینچے واں نقاش
ہر ایک شاخ وہیں سبز ہوکے' لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز
اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سبحۂ زوار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعۂ زمیں پہ بہار
انہوں کی نظروں میں ہوگی بہشت کی کیا قدر
جنہوں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفسار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار
دیا جواب زمین نے کہ اے فلک ہیہات
نہ دیجیو مجھ سے تناسب اُسے تو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ ہے آبروئے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواہر الابصار
اگر نہ چشم کو اکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امام مشرق و مغرب شہ زمین و زمن
رموز دان خداوند ' لجۂ اسرار
اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار
خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی راے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے ملفف ہوا کا ذرہ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اس کا حکم اٹھاوے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رہے زنار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن
کہاں خیال کو ہے پہونچنے کا واں تک بار

کہ جس کی دیکھ کے رفعت، فلک ہے چکر میں
اسی کے بوجھ سے ہے صفحۂ زمیں کا قرار

نہیں ستارے یہ ہیں بلکہ لوٹتا ہے گ
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ہے عرش اُسے اپنے جبھہ پر صندل
گر اس کے فرش سے جاروب کا اٹھے ہے غبار

کمیت خامے نے اب اس کے وصف گلگوں میں
کیا ہے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صنع کے جس کی سبک روی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ہو کے جب چمکتا ہے
نہیں پہونچتی ہے برق اس کی گرد کو زنہار

بیاں جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں
ملک کو جس کی سواری کا عزم ہو دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے
سکھائی جس کو سواری وھی ہو اس پہ سوار

کہے ہے آشہد ان لا الٰہ الا اللہ
عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

جہاں نہ پہونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں
کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سوفار

نمط حباب کے، قالب تہی کریں دریا
گریں جو اُن پہ تری آتش غضب کے شرار

کریں ہیں نہ ورق آسمان کوتاہی
شہا اگر تیری بخشش کا کھینچئے طومار

بھرا ز بس شکم حرص جو دئے تیرے
نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابر فیض کے آگے
کرے نہ گسر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تری کیمیا اثر اتنی
اگر وہ ہو کرۂ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز
عجب نہیں ہے بغیر از طلائے دست افشار

رہیں فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم
ہمیشہ دیکھے اسی طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رہے اقبال
جدا نہ ہو سر اعدا سے چنگل ادبار

منقبت حضرت علی علیہ السلام

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل
واسطے خلعت نو روز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل
بخشتی ہے گل نو رستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلم کار بھر دشت و جبل
عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کار نقاشی مانی ہے دوم وہ اول
تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل
بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹتے ہے سبزے پہ از بسکہ ہوا ہے بے کل
شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہے
شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتی ہے پگھل
جوش روئید گیٔ خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے بھی جو پھوٹے کونپل
یا سمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا
چاہتی ہے بہ‌سماجت کرے سبزے سے بدل
چشم نرگس کی بصارت کے ز بس ہے در پے
غنچۂ لالہ نے سر مے سے بھری ہے مکحل
اس قدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشم‌سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل
آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خط گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل
برگ برگ چمن ایسي ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جاوے ہے سنبل پہ پھسل
لڑ کھڑاتی ہوئي پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے، سنبھل
اتنی ہے کثرت لغزش بہ‌زمین ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سرکے بھل
فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل
دانہ جس شور زمیں میں نہ پھلا دہقاں سے
سبزہ واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل
جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل
آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
نسبت اس فصل کو، پر کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اس کی تو دو چار ہي دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رہےگا سبز بہ‌ہر مجمع و ہر یک دنگل
تا ابد طرز سخن کي ہے مری رنگینی
جلوۂ رنگ چمن جاوے گا اک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی
یک طرف تار گلستاں میں ہے یکسو حنظل

ہیں برومند سخن ور، مرے ہر مصرع سے
مصرعۂ سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل
ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ، نہ مخمس، نہ رباعی، نہ غزل
ہے مجھے فیض سخن اس کی ہے مداحی کا
ذات پر جس کی مبرہن کلم عزو جل
مہر سے جس کی منور رہے دل جوں خورشید
روسیہ کینے سے جس کے رہے مانند زحل
بغض جس کا کرے جوں مور سلیماں کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے، یلوں کا سا بل
شیر یزداں، شہ مرداں علی، عالی قدر
وصی ختم رسل اور امام اول
خاک نعلین کی جس کی مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے یزل
وہ نظر آئے اُسے دھر کی بینائی سے
رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل

مطلع دوم

دید تیرا بہ دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ چشم احول
تیری قدرت بہ جہاں قدرت حق کی خاطر
خلق کے وہم غلط کار میں ٹھہری ہے مثل
رائے تیری کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسے کا مداوا بہ کسل

سرکے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سر مو
هو اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ "نہ چل"

معنئي علامت فانئي جو نہ هو' تو اُن کا
خانۂ هر دو جہاں پھر هوں دو بہت مہمل

جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے درکا وہ گدا کہئے جسے اهل دول

وصف تجھ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل مجنوں کے جو میدان کرے ہے صیقل

کھینچ اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
اِستقامت کا زمانے کي قدم جائے نکل

عرض میں سے دو طرف هوکے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ انداز اکل

جمع کب وہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ
دیکھ کر اس کو علم هاتھ میں تیرے یک پل

توام اجزا جو موالید کے هیں یک دیگر
منجمد رهنے میں ان کے وهیں آجائے خلل

اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ' نہ مڑے وہ' نہ پڑے اس میں بل

زیر راں ہے جو تیرے رخش فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل

شکل کیا اس کي بتاؤں کہ جسے شوخي سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل

جست و خیز اس کي بیاں کیجئے گر پیش کلیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجاوے خلل

مونھ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بیک آن زحل

اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان للہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہئے اچل

تو سن وہم کو دوڑائیے ساتھ اُس کے تو ہو
باز گشت اِس کا تمام اُس کے بہ گام اول

ھیبت عدل یہ تیری ھے کہ ھر دشت، میں شیر
واسطے درد سر آھو کے گھسے ھے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو ڈھل

ذکر واں کار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب، زباں پر یک پل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ھے، دل کو
شب سے تا صبح قیامت، نہ سکے موم پگھل

امر سے نہی کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ھے مناھی کا بھی یاں تک بہ ذلل

کیونکہ آواز مغنی ھو گلے سے باھر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا ھے اوجھل

امر حق سے جو ملایک نے یہ چاھا سونپیں
علم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھ اس میں ھے بہت هم ھیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو هي پايا متصل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسي سے نہیں سکتا ھے سنبھل

مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ھے سخن ھے اسفل

عرض احوال ھے اپنا هي مجھے اس سے غرض
تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ھے رھا هووے جو تجھ سے مخفي
سادہ لوحی پہ مری کیجئے یہ نظم حمل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن
ایک سے دونوں ھیں کیا ماضي و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ھے آٹھ پہر دل میرا
گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بے کل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مري چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل

راست کیشوں سے کبھي اتنی ھے اس ملعوں کو
کہ دیا سرو کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل

کرکے دریافت اس سوال کو اب یا مولا
تجھ سے یوں عرض کرے ھے یہ ترا عبدِ عقل

جلد پہنچا بہ زمیں نجف اس عاصي کو
کہ اسے عمر ابد ولا جو واں آے اجل

میری قسمت کے موافق تو معین کردے
اپني سرکار سے واں ما تحلل کا بدل

ہاتھ پھیلاوے جا زیر فلک کس کے حضور
دست ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بہ طرف خلقت کے
کر کے جب دیدۂ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوہر جود و کرم تھا جو بہ روز تقسیم
لکھ گیا ہو وے ترے نام سے منشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی تک ''سودا'' کو
بخش اے قوت بازوئے نبیٔ مرسل

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائیہ پر
نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز بہ بستان جہاں
پاوے تا نیر اعظم شرف برج حمل

تا کرے سبزہ بہ رخسار گل اندام نمود
تا پڑے سنبل پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رہے داغ دل سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خود رو رہے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرۂ نیسا سے ہو جب تک گوہر
کر کے تا وقت ترشح کے، ہوا میں بادل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج ہو آب کی تا سرو کے پائیں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردن قمری کا مثل

تالب جو یہ کرے خیمہ اِستادہ حباب

تا بچھاوے بہ روش سبزۂ فرش مخمل

قدر ہو عود کي تا مجمر و آتش سے فزوں

لطف ہوتا رہے عالم میں بہ چوب صندل

نخل امید سے اپنے ہوں برو مند محب

ہو محبت نہ تري جن کو نہ پاویں وہ پھل

نعت

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغاے مسلمانی

نہ ٹوٹي شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا

نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریاني

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہو وے

نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کي

نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کي پیشاني

عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم

سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی

ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتي ہے پہچاني

اکیلا ہوکے رہ دنیا میں چاہے گر بہت جیتا

ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائي سے هو عاشق کو
بہت رهتا هے نالاں فصل گل میں مرغ بستاني

موقر جان ! ارباب هنر کو بے لباسی میں
که هو جو تیغ با جوهر، اُسے عزت هے عریانی

به رنگ کوه ره خاموش حرف نا سزا سن کر
که تا بد گو صدا ے غیب سے کھینچے پشیماني

یه روشن هے به رنگ شمع ربط با دو آتش سے
موافق گر نه هو وے دوست، هے وه دشمن جانی

نہیں غیر از هوا کوئي ترقي بخش آتش کا
نفس جب تک هے داغ دل سے فرصت کیونکه هے پانی

کرے هے دهر زینت ظالموں پر تیره روزي کو
که زیب ترک چشم یار سرمه هے صفا هاني

مطلع دوئم

عجب نادان هیں جن کو هے عجب تاج سلطانی
فلک بال هما کو پل میں سونپے هے مگس راني

نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا مزا دیکھا
که چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نه حیرانی

زمانے میں نہیں کھلتا هے کار بسته حیراں هوں
گره غنچه کي کھولے هے صبا کیوں کر به آساني

جنوں کے هاتھ سے سر تا قدم کاهیده اتنا هوں
که اعضا دیدۂ زنجیر کي کرتے هیں مژگاني

نه رکھا جگ میں رسم دوستی اندوه روزی نے
مگر زانو سے اب باقي رها هے ربط پیشانی

سیہ بختی میں اے "سودا" نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے نا فصاحت فہم اب تک یہ بیاں ہو؟
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

زباں پر اس کی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کی سونپی ہے نگہبانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
و گر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

حدیث من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا " نہیں کوئی مرا ثانی "
بس آگے مت چل اے "سودا" میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اس منہہ سے اب ایسے کی ثنا خوانی

نعت و منقبت

چہرۂ مہروش ہے ایک، سنبل مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں، ہے سحر ایک، شام دو
فکر معاد اب کریں، یا کہ معاش کی تلاش
زندگی اپنی ایک دم، کیجئے کیونکہ کام دو
پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ
بیٹھہ کے ایک دم کہیں، ہوویں جو ہم کلام دو
خرد و بزرگ دھر میں، نسبت جام و شیشہ جان
بادہ تو اُن میں ایک ہے، گوکہ ہوے بہ‌نام دو
مثل زباں خامہ ہیں، گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوے بہ‌نام دو
ہونے نہ دے غروب ایک، بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے، قرص مہ تمام دو
ان کے طواف روضہ کو پہنچے کبھی نہ جبرئیل
رکھہ کے زمیں پہ ایک گام، تا نہ کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح، دریہ اُنھوں کے وقت طوف
ایک بنے جو چوبدار کرتے ہیں اہتمام دو

سجدہ کریں ہیں مہر و مہ، درپہ انہوں کے روز و شب
برہمن اس سے یوں ہوا داغی ہیں یہ غلام دو
ہوتے حکیم کس سبب؟ معتقد قیام دہر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو
وصف براق و دلدل اب، کہئے تو میں بیاں کروں
شرق سے تا بہ غرب تک جن کے تئیں ہیں گام دو
مرضی حق نہیں ہے یہ دو ہوں ہوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ہیں خوش خرام دو
بوش انہوں کی تیغ کی، مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامے کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو
اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے باپ کو
احولوں کی طرح اسے، آوے نظر تمام دو
"سودا" اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے ان کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو
چاہے تھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہویں علی نبی سے یوں، اس کا صلہ تمام دو
یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصہ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو

مدح امام حسن عسکری علیہ‌السلام

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
مان لے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی' کیا ترقی کر سکے
چاہیے دریا ہو' یہ کب گھر میں ڈھنگ ہے

فیض بہم پہنچا نہ محروم تجلی دل کو رکھ
صیقل اس آئینہ کی' گرد شکست رنگ ہے

اپنے بھی مرہوں ہمت ہوں نہ عالی ہمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاج سنگ ہے

تک پرے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد
خاکساری کو ہماری' سرکشی سے ننگ ہے

محو حیرت کے تئیں ہے' دوست اور دشمن سے کیا
آئینہ تصویر کا دور از غبار و زنگ ہے

صبحدم "سودا" چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شور جنوں سے تنگ ہے

پائے گلبن' بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

شمع کا میرے صدائے خندۂ گل ننگ ہے
تک پرے جا بول بلبل گو تو ہم آہنگ ہے

ہوسکیں نازک دلاں کب روکش صرف درشت
عکس بال طوطی اپنے آئینہ پر سنگ ہے

یاں سموم عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے پہ گل کا رنگ ہے

گرد هوں میں تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ هوں تو صفائی میری، مجھ پر زنگ هے
تک پرے گلشن سے میرے شور کر ابر بہار
یاں صداے رعد آواز شکست سنگ هے
ناز پروردہ جو استغنا کے هیں ان کے تئیں
یک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ هے
دیکھنا راہ اجل ان کو تماشا رقص کا
درد دل سننا کسی کا ان کو عود و چنگ هے
غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا هے کباب
نت انہیں خون جگر پینا مے گل‌رنگ هے
خاک در ایک ایسے کے هیں، وہ زری مسند هے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ هے
قبلۂ دنیا و دیں یعنی امام عسکری
جس کی میزان عدالت اتنی بے پا سنگ هے
ایک پلے میں هو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے هم‌سنگ هے
پشت خار آهوے صحرا هے پنجہ شیر کا
باز کا، چڑیا کی خاطر، آشیانہ چنگ هے
نہی سے تجھ امر کے اب یا امام‌المتقیں
بس کہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ هے
چشم خوباں میں شراب آتی هے لینے کو پناہ
گل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ هے
میں گداؤں کی ترے در کے کہوں همت سو کیا
اسی پہ هے گفتگو جو ان میں لنج و لنگ هے

کہہ سلیماں سے، نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پھر ارباب ہمم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اشرفي کے سبز کرنا ننگ ہے

مطہہ پہ تیغ برق دم، الماس پی کر کے ترے
یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاش زیں دو حصہ تا بہ حد تنگ

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کہے
بلکہ یہ تعریف تو اس کي برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماهی تلک
امتحاں گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے هیں تعلیم واں هر روز آکر گرد باد
جس جگہہ سر گرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ
عارض خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ هے

بگڑا هي جاتا هے هاتهوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا هي پڑتا هے رانوں سے یہ اس کا رنگ هے

کر قصیدے کے تئیں "سودا" دعائیہ پہ ختم
قافیے کي وسعت اب آگے نہایت تنگ هے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا
هو نہ جب تک گلشن دنیا میں آب و رنگ هے

لالہ ساں هو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پر شرر جس وقت تک دامان کوہ وسنگ هے

شہر آشوب

کہا یہ آج میں "سودا" سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کے نوکری بکتی ہے ڈھیر یوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

بس اُن کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں پرکاہ
جگہہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندہ کے غول

راہی فقط عربی باجے پر انہوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجواویں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال یہی ملک کا اگر تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

پڑے جو کام انہیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے

پیادے ہیں سو تڑیں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کرکے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کتول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈیلتے انھوں نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جاے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

کسی کے یہاں نہ رہا آسیا سے تابہ اُ جاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ ڈھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ھنڈول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتي رہے تھي بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہو وے زندگی سے اُداس
بہ جاے گل، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھاگئي کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچے ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھی کلول

جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھي خلق موتي رول

دیا بھي واں نہیں روشن، تھے جس جگہہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانے کے مانوس
کرور دل پر از امید ہوگیے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گیے ناموس
ملي نہ ڈولي انہیں جو تھے صاحب چوڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ہے ایک گوند میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجے مول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروور مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو تک بھی امن دل اپنے کو دے دے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

بس اب خموش ہو "سودا" کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اِس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

ھجویات

ایک مریل گھوڑا

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ' کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گنٹھا تے ہیں وہ ادھار

ھیں گے چنانچہ ایک ھمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ھیں سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ھیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ھو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کی کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
ھر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھہ کر
دیکھے ھے آسماں کی طرف ھوکے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھہ دستۂ گیاہ
ھردم زمیں پہ آپ کو پٹکے ھے بار بار
فاقوں سے ھنہنانے کی طاقت نہیں رھی
گھوڑی کو دیکھتا ھے تو ...... ھے بار بار
نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھہ اس کے پیٹ میں
دھونکے ھے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ھے یا سرنگ
خارشت سے ز بس کہ ھے مجروح بے شمار
القصہ ایک دن مجھے کچھہ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ھو سوار
رھتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپ نا بکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انہوں نے کہ اے مہر بان من
ایسے ھزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ھے اس کو نہ جانو گے انکسار

مانند میخچوں کے لکد زن ھے تھان پر
لا جنب وہ زمیں سے ھے جوں میخ استوار

ھے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ھے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ھو سوار

کم رو ھے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوھا منگا کے تیغ بنادے کبھو لوھار

ھے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ھاتھ سے نہ چلے وقت کارزار

مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانوں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ھے زینہار

دھلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرھٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، ھے وقت کار

ناچار ھوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں
ھتھیار باندھ کر میں ھوا جاکے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ھاتھ میں پکڑے تھا منھ سے باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار

آگے سے تو بسرا اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار

اس مضحکہ کو دیکھہ ھوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگاؤ کہ تا ھو وے یہ رواں
یا بادبان باندھہ پون کے دو اختیار

نا چار الغرض میں ھوا مستعد بہ جنگ
اتنے میں مرھٹا بھي ھوا مجھہ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب تپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ھي ھے شکل
لے جوتیوں کو ھاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ھوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کي شکل یہ ھے تم نے جو سنی
اِس پر بھی دل میں آے تو اب ھو جیے سوار

راجہ نرپت سنگھ کا ہاتھی

بدن پر اب نظر آتي هے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح هر استخواں هے
گویا هر پسلی اُس کی نردباں هے
نہ بیڑي هے نہ کٹ بندھن نہ لکڑا
رکھے هے ناتواني اُس کو جکڑا
ضعیفی نے کي اس کي فربہی گم
گیا هاتھي نکل اور رہ گئي دم
هوئی هے ناتواني اُس کے درپے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کي سی گرہ هے
سمجھنا فیل اُسے دیوانہ پن هے
کسي مدت کا یہ بام کہن هے
ستون اس کے تلے یہ پاؤں هیں چار
رهے دو دانت آگے سو هیں ازوار
جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اِس سے هے دور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج و مزدور
اتم هے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں هیں اِس کو هاتھي، هے یہ اندھیر
هلاتا یوں هے یہ کانوں کو هر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
هے اتنا چلنے میں بتجربہ بد ذات
نہیں هاتھی صعوبت کی هے یہ وات
یہ عالم چلنے میں خرطوم کا هے
کہ وصف کور میں گویا عصا هے
جو کہیے فیل اُسے بہتان هے یہ
عجائب تودۂ طوفان هے یہ

ایک کنجوس امیر کا باورچی خانہ

پھر اِن کا گر آوے وقت طعام
جائے لقمے کے کھائے وہ دشنام
یونہیں اُٹھ جائیں اس کو دے بُتّا
ماریں نہیں چھوتے ہاتھ سے کُتّا
کام بھوکے کا اِن کے مطبخ سے
نہیں ممکن کہ اِس سوا نکلے
کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھو وے
گرمیوں بیچ پیٹ بھر سو وے
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اِن کے مطبخ سے دود اُٹھے ہے اگر
سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں
کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کاٹ
کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
اِن کے باورچی خانے کا احوال
چولہے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالیں ہیں سر یہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منھ سر پوش

روز باورچي يوں کريں فرياد
کبھي تو کچھ کرو هميں ارشاد
کيا ترے بعد کر کے کھاويں گے
کسب جب اپنا بھول جاويں گے
کي زمانے نے لاکھ هي تدبير
نه ملا ديگچے سے ياں کفگير
کرے سو عيد گنبد گرداں
نه تلے ان کے گھر سے پر رمضاں
الغرض مطبخ اس گھرانے کا
رشک هے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کيا تها ظهور
ان کي ناني کے گھر کا تها وه تنور

ایک ندیدہ پیتو

هے عجيب و غريب زير سما
اک يهاں صورت آشنا ميرا
کهيئے اس کے تئيں قسم کها کر
امت دانيال پيغمبر
شاه قانع اگر ولي هو فقير
اس کو مانے کبهي نه يه بے پير
دهر نے يه بڑی حماقت کي
اپنے گھر اس کي لا ضيافت کي

لاکر ایسا هي ایک دستر خواں
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں
شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا
اس پہ نعمات حق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے
اِس میں کچھ، اُس سے ہوگئي آن بن
اس کو اُٹھوا دیا پکڑ گردن
هاتھ بھي یسہ نہ ڈالنے پایا
چاٹتا هونٹ اپنے گھر آیا
کنکری چلنے پر هے اب گزران
معدہ اس کا هے مرغ کا سنگدان
سنگ ریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے تو پہاڑ پچے
آدہ سیر آٹے کا خدا هے کفیل
پیٹ اس کا عمر کی هے زنبیل
گھر میں اب جس کے دیکھچھ کھڑ کے
دریہ اُس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اٹھ کر آے
میت اس کی اٹھاے یا نہ اٹھاے
خوردنی کي هو جس زمیں پر باس
جمع واں کر کے اپنے هوش و حواس
بیٹھے مکھي کي طرح پے در پے
دونوں هاتھوں سے سر کو پیٹتے هے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود
ایک ذرہ بھی گر نرے ھے نمود
لوگ تو دوڑیں ھیں بجھانے کو
دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
ھر کسی بنیے کی دکان پہ جا
اپنی باتوں میں اس کو لے ھے لگا
کام ھر وجہہ اپنا کر لیوے
کلے بندر کی طرح بھر لیوے
تور کھاتا ھے جاکے پا خانے
یہ بواسیر اپنی کے دانے
اس لیے ھجو خلق کرتا ھے
گالیاں کھانے تک بھی مرتا ھے
نان بائی محلہ یوں فریاد
کرے ھے یارو دیکھو یہ بیداد
چاتے ھے چوري سے رفیدے کو
مار ڈالوں گا اس ندیدے کو
جو اسے میہماں بلاوے ھے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ھے
بیٹھتے ھی نکالے ھے یہ ذکر
پیٹ کی میرے کچھ نہیں ھے مکر
بھوک کچھ کم ھے ان دنوں میری
روٹیاں سو پچاس اور سیری
نان با کو کہو یہ بلوا کر
جلد ان کو تنور لگواکر

جب تلک کھانے پک نہ چکیں سارے
ان ھی کو لاکے مہرے سر مارے
جب تلک کھانا آوے ھی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تسو اس طرح توٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
جاوے بازار کو اگر وہ لعین
خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم
نان با ، بھٹے ، کنجڑے ، حلوائی
کہیں ، آفت کدھر سے یہ آئی
جو ھے دوکان میں سو اس کو پچے
جان یارب ھماری اس سے بچے
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ھے
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ھے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
توشے کی روٹی کو بھی کھاوے گا

خواجہ میر درد

خواجہ میر نام، صحیح النسب حسینی سید ہیں ، آبائی سلسلہ حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ غوث‌اعظم تک پہونچتا ہے ، والد کا نام خواجہ ناصر اور تخلص " عندلیب " تھا پرانی دهلی میں سکونت تھی -

خواجہ ناصر کے والد فارغ التحصیل ہوکر بخارا سے ہندوستان آۓ، عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا خواجہ میر " درد " سنہ ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوۓ ، اپنے والد سے درسیات پڑھیں ، ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور پر تحصیل علم نہیں کیا تھا بلکہ کمال اور تبحر حاصل تھا - ان کا خاندان ایک مشہور صوفی خاندان تھا - سوز و گداز تصوف کے ساتھ شاعری بھی ان کو ارث میں ملی تھی -

میر " درد " ابتدائے جوانی میں ۲۸ برس کی عمر تک اسباب دنیا کی فراہمی کی طرف متوجہ رہے اور اس راہ کے کانٹوں سے ان کا پاۓ طلب فگار بھی ہوا ، لیکن ۲۸ سال کی عمر میں وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر گوشۂ توکل میں بیٹھ گئے - خواجہ ناصر کی وفات کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور آستانۂ توکل و بے نیازی مرکر چھوڑا ، دهلی میں انقلاب سلطنت کا طوفان شرافت کے بڑے بڑے ستونوں کو بہا لے گیا ، وطن پرست ، غریب‌الدیار ہو گئے ، لیکن خواجہ صاحب کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی ، یہاں تک

کہ حملہ نادری کا بادل امنڈ امنڈ کر برسا اور برس کر کھل گیا لیکن ان کے استقلال کا دامن تر نہ ہوا -

" میر درد " کو موسیقی میں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور اور معروف استاد گویے آپ سے استفادہ کرتے تھے' ان کی غزلیات میں جو ترنم ہے وہ ان کے اِسی کمال کا نتیجہ ہے - ان کے یہاں ہر مہینے کی بارھویں اور چوبیسویں تاریخوں میں مجلس سماع منعقد ہوتی تھی جس میں گانے والے بے بلائے آتے اور اپنی خوشی چلے جاتے تھے' میر "درد" کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا - میر تقی " میر " سا نازک دماغ شاعر اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتا ہے میر " حسن " نے اپنے تذکرے میں میر " درد " کی شاعری کی انتہائی تعریف کی ہے اور ان کی پیروی کا صاف طور پر اعتراف کیا ہے - " سودا " کا سا باکمال شاعر " درد " کی غزل کے جواب میں غزل کہنا بے ادبی سمجھتا ہے اور کہتا ہے :—

" سودا " بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ

اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

اس کمال شاعری کے باوجود کہتے ہیں کہ "شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی اپنا پیشہ بنائے اور اس پر ناز کرے" نالۂ درد میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں :—

فقیر کے اشعار با وجود رتبۂ شعری کے پیشۂ شاعری اور نتیجۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں - فقیر نے شعر کبھی آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ اس میں مستغرق ہوا - کبھی کسی کی مدح نہیں کی' نہ ہجو لکھی' اور فرمایش سے شعر نہیں کہا -

خواجہ صاحب میں استغنا اور دنیا سے بے پروائی جو لازمۂ تصوف ہے بدرجہ اتم موجود تھی' اس کے ساتھ حد درجہ مہذب اور متین تھے ۔

خواجہ صاحب کے شاگردوں میں قیام‌الدین ''قائم'' ہدایت‌اللہ خاں ''ہدایت'' ثناءاللہ خاں ''فراق'' غلام قادر ''سامی'' کا نام لیا جاتا ہے ۔ اِن میں قائم کا درجہ بہت بلند ہے ۔

آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے :—

''خواجہ میر ''درد'' کی غزل سات شعر نو شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے' خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں'' اردو تغزل کے جام میں تصوف کے ساتھ ترنم کی مستی بھرنے والے سب سے پہلے خواجہ صاحب ہیں' وہ پہلے شاعر ہیں جن کے فیض توجہ نے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسن و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا ہے' خواجہ صاحب کی قدرت' دیکھئے انہوں نے جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے اس طرح کہ اس کو اپنی جگہ سے نکال دیجئے تو پورے شعر میں کمی محسوس ہونے لگے ۔

خواجہ صاحب کے مختصر دیوان کی منتخب غزلوں میں اخلاق' تصوف' کیفیات قلبی ۔ واردات حسن و عشق سبھی کچھ موجود ہے ۔

خواجہ صاحب نے تغزل کی بنیاد ''عشق حلال'' پر رکھی ہے امرد پرستی' بوالہوسی سے اس کے دامن کو داغدار نہیں کیا ہے ۔ اُن کی غزل کا عام موضوع عشق حقیقی ہے لیکن جب کبھی عشق مجازی بیان کرتے ہیں تو بھی عشق کا نہایت بلند معیار پیش نظر رکھتے ہیں ۔ خود فرماتے ہیں ''بوالہوسی عشق مجازی نہیں اور اس مجاز

کو حقیقت کي راہ نہیں کہہ سکتے ' پیر کي محبت وہ عشق مجازي ہے جو مطلوب حقیقي تک پہونچا دیتي ہے ''

ان کی تصانیف اسرارالصلوٰۃ - واردات درد (اس میں ایک سو گیارہ رسالے ہیں) نالۂ درد ' آہ سرد ' درد دل - سوز دل - شمع محفل - علم‌الکتاب - دیوان فارسي - دیوان اردو - کے دیکھنے سے ان کے فضل و کمال بلکہ علمي تبحر کا پتا چلتا ہے -

غزلوں کے علاوہ میر '' درد '' کی رباعیاں بھي اردو شاعري میں خاص مرتبہ رکھتی ہیں - انھوں نے اپنی رباعیوں میں بھی صوفیانہ ' عاشقانہ اور اخلاقي مضامین نہایت پر اثر انداز میں بیان کیے ہیں -

شیریں اور فصاحت میر '' درد '' کی زبان کے خاص جوہر ہیں ' اُن کا کلام نامانوس تراکیب - ثقیل الفاظ ' لفظي و معنوي تعقیدات بعیدالفہم استعارات اور دور از قیاس تشبیہات سے تقریباً بالکل پاک ہے - خواجہ صاحب نے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی - ایک مرید نے تاریخ کہي

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

مزار ترکمان دروازہ دہلی میں ہے -

انتخاب

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانند حباب آنکھ تو اے "درد" کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ ہو سکی تو، قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت، دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور تیرا
اے "درد" منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرت موہوم، آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

میں اپنا درد دل چاہا' کہوں' جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں' بھر کے نظر دیکھنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے "درد" کیا ہے کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو' اودھر نماز کرنا

ساقی مرے بھی دل کی طرف' ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں' یہ جام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے' پر اے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سر انجام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر' جدھر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

شیخ کعبے ہوکے پہونچا' ہم کنشت دل میں ہو
"درد" منزل ایک تھی' کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری، دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض، امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

شدت مہر بتاں، دل سے آہ
"درد" کس طرح سے کم کیجے گا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

قتل عاشق، کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب آج تو میخانوں میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
"درد" کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئي نہ تک ھنسا ہوگا
کہ نہ ھنسنے میں رو دیا ہوگا

ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ھیں
کہیں غنچہ کوئي کھلا ہوگا

دل بھی اے " درد " قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کي الفت نہ کھو سکا
میں چاھوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا

دشت عدم میں جاکے نکالوں گا جي کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل، میں نہ روسکا

جوں شمع روتے روتے ھي گذری تمام عمر
تو بھي تو " درد " داغ جگر کو نہ دھوسکا

کچھ ھے خبر تجھے بھي کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئي بار ہوگیا

بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ھم نے ھي اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تونے کیا خراب
اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

ہرچند کئے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا
میخانۂ عشق میں تو اے "درد"
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک، دل متوطن ہے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس! جی گھبرا گیا
کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشک بار! یہ کیا تجھ کو ہوگیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے، دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو' آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب' کوئی پردا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
موں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی "درد" ہل گیا تھا

"درد" ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

تمنا مرخص' ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہوگیا اور مرے دل میں کیا تھا
تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کردیا تھا

تو ہو وے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان' تو میں خار ہوں تیرا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہوگی تو جس آن ملے گا

مرے دل کو جو تو ہردم، بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا ترے بتا تو اس میں کیا نکلا

تیرے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
دل آوارہ اُلجھے یاں، کسوکی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں سے، اسے میں دیکھوں ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

حال یہ کچھ، تو ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں، لوں نام شکیبائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و مے خانا
مثال زندگی بھر لے! اب اپنا آپ پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے، جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کي ديکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے، کوئی سمجھے ہے بت خانا

کچھ کشش نے تري، اثر نہ کیا   تجھ کو اے انتظار! دیکھ لیا

مرنا هي لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ناصح میں دین و دل کے تئیں، اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ہم نے چاہا بھي تو اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

موت ہے آسائش افتادگاں
چشم نقش پاکو مت جانا ہے خواب

جائیے کس واسطے اے ''درد'' مےخانے کے بیچ
اور هي مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا، وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے آن کے، ہر پیرہن کے بیچ

''درد'' جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

میں کس طرح بتوں کے سر سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے آسماں پر
کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
تک تو ہی اے جبیں! عرق انفعال کر
حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر
اے ''درد'' کر تک آئینہ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر

اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے ''درد'' وہ رفتار ہنوز

کعبے میں '' درد '' آپ کو لایا ہوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا
نہ کر اے '' درد '' بار بار افسوس

جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے '' درد '' پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

پیغام پاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
ہوں نیم جان، سو بھی ترے انتظار تک
صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

سب خون دل، ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے ''درد'' بس! کہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

پانی پر نقش کب ہے ایسا　　جیسے نا پائدار ہیں ہم
ساقی! کیدھر ہے کشتی مے؟　　اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر　　اس میں بے اختیار ہیں ہم

جوں نور نظر ترا تصور　　تھا پیش نظر، جدھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے　　معلوم نہیں کدھر گئے ہم
جس طرح ہوا، اسی طرح سے　　پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک، سو، گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

ہے کس؟ جوں شعلۂ ظالم! آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو، یاں گزر جاتے ہیں ہم

گلیم بخت سیہ سایۂ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہے کیا؟ جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں ، نہ شرر ہم، نہ شعلہ ، نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

کھینچے ہے دور آپ کو ، میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

احوال دوعالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تاحال کہ اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ، ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما "درد"
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہردم، فنافی‌اللہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں
یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجیو یار جی میں

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ الله ہی نہیں
اے "درد" مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنے قدم گاہ ہی نہیں

نا خانۂ خدا ہے، نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رهتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور "درد" مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

هم تجھ سے کس ہوس کي فلک جستجو کریں
دل هي نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا، ابھي
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان هیں جوں شمع، گو کہ هم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
هرچند آئینہ هوں پر اتنا هوں نا قبول
منھ پھیر لے وہ، جس کے مجھے رو برو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں هوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

اس کو سکھلائي یہ جفا تو نہیں　　کیا کیا اے میری وفا تو نہیں

تیرا ہي حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہل شہود
"درد" آنکھیں، دیکھ باہم ایک ہیں

ہمارے اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے، ہم وہ فاش کرتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے
"درد" ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

میں ہوں گـل‌چینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

دامن دشت ہے پر، لالۂ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہو وے بہار دامن
عالم آب میں جوں آئینۂ ڈوبا ہی رہے
تو بھی دامن نہ کیا ''درد'' نے تر پانی میں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر رہے ہے یہاں نہیں
مرے دل کے شیشے کو بے وفا تونے ٹکڑے ٹکڑے جو کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا، یہ دکان شیشہ گراں نہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

نزع میں تو ہوں ولے ترا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
عشوہ و نازو کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
'' درد '' مرتا ہے، کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن، ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ درو دیوار نہیں
''درد'' یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

زندگی جس سے عبارت ہے، سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لئے کہہ دے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہئے سودائی، تو سودا بھی نہیں

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

وو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

یہ رات شمع سے کہتا تھا "درد" پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

سیر کر دنیا کی غافل! زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

کب دھن میں ترے، سمائے سخن
نہیں تیرے دھن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کرے ہے مست نگاھوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ھردم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ھوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

نہیں ھم کو تمنا یہ فلک ھو، تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ھوں پہ وہی نالے کئے جاتا ھوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ھوں

افسوس اهل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناهی ہوں   مورد رحمت الہی ہوں

مانع نہیں ہم، وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو
خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں، اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے ڈرتی عذر خواہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے، کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگہہ دیکھوں، کسي کے راز پنہاں کو

نگینے کے سوا کوئي بھی ایسا کام کرتا ھے
کہ ھو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاھي ھو
نہیں شکوہ مجھے کچھہ بے وفائي کا تري ھرگز
گلہ تب ھو، اگر تونے کسي سے بھي نباھی ھو

اپنے بندہ پہ جو کچھہ چاھو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کہتا تک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں اِنتظار کو
ویسا ھي اب تلک ھے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے ھے تو میرے غبار کو

سر رشتہ نگاہ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منھہ اس کا نہ موڑیو
جاوے در قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو! پر اس کو نہ چھوڑیو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا — اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ — اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ ' خاطر ہوں تو رنجیدہ

جب چاہئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھو لئے
ہوتا ہے آز بسان پسہ ' میرا سخن گرہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا ! بال و پر پروانہ
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے ''درد'' میں کس سے خبر پروانہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم بہ راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

خلوت دل نے کر دیا، اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے، نغمہ و بال گوش ہے
ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی و بال دوش ہے
نالۂ و آہ کیجئے خون جگر ہے پیجئے
عہد شباب، کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے
محنت و رنج غم سے یاں "درد" نہ جی چھپائیے
بار سبھی اُٹھائیے جب تئیں سر ہے، دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے　　سو گیا تھا جگا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
عالم سے اختیار کی، ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

ہوں کشتۂ تغافل ہستی پے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلا دئے
چاہو وفا کرو، نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دئے
سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے "درد" کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ھي کو لے جائے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے
لوتے ھے تری گلي شہیداں کو غریبي
جي دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھي ھو وے تو ٹل سکے
مشکل ھے جي میں بیٹھے سو جي سے نکل سکے
نشو و نما کي کس کو امید اے بہار یاں
میں خشک شاخ ھوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ھی دل ھے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیري حرف دوئي کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے
میں وہ فتادہ ھوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کي طرح نہ کوئی اٹھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
اخفائے راز عشق نہ ھو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائي پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگر نہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی
جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل ' سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
زنہار ادھر کھو لیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے "درد"
ہردم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

آگر جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی
اب کی تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے　　یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
تو ہے اور سیر باغ ہے ہروقت　　داغ ہیں اور میری چھاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

" درد " تو جو کرے ہے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
تیری گلی ہے یا کوئی آرامگاہ ہے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے
وے سر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے " درد " یاں سے کہ سب یار سو گئے

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا ، ہم رہے
رک نہیں سکتی ہے یاں کی واردات
کب یہ ہو سکتا ہے دریا تھم رہے
رکھ " نفخت فیہ من روحی " کو یاد
جب تلک اے " درد " دم میں دم رہے

ہر آن ہے واردات دل پر   آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
بسا ہے کون ترے دل میں گل بدن اے "درد"
کہ بو گلاب کی آتی ترے پسینے سے

جي کی جی هي میں رهي' بات نہ هونے پائي
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ هونے پائی
اٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
هم سے کچھ خوب مدارات نہ هونے پائی

مت عبادت پہ پھولیو زاهد
سب طفیل گناہ آدم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تري خاطر همیں مقدم ہے

مجھ سے هر چند تو مکدر ہے
تجھ سے پر اور هي صفا ہے مجھے
" درد " تیرے بھلے کو کہتا هوں
یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے اور بھی ہو خراب کیا ہے مجھے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی، اب سے نہ ملئے
وہ بھی تو نہیں بنتی ہے، کیا کیجئے اُس سے

واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے
یعنی کہ آ گئے ہیں بھکے ہوئے عدم سے
گر چاہئے تو ملئے اور چاہئے نہ ملئے
سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے
نظر میرے دل کی پڑی "درد" کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہے

رو ندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے ، باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کہے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑ نے کی نہیں یہ زباں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
"درد" اب ہنستے ہیں رونے پر مرے ، سب خاص و عام
کیا ہوے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
اے کاش یہ ابرِ مژہ دل کھول کے برسے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

کبھو ھي جي میں نہ گذرا خیال سر تابي
بہ‌رنگ سایہ بنایا ھے خاکسار مجھے
اس امر میں بھی یہ بے اختیار ھے بندہ
ملا ھے "درد" اگر یاں یہ اختیار مجھے

دیکھئے جس کو یاں آپ، اور ھي کچھ دماغ ھے
کرمک شب چراغ بھي گوھر شب چراغ ھے
غیر سے کیا معاملہ؟ آپ ھیں اپنے دام میں
قید خودي نہ ھو اگر، پھر تو عجب فراغ ھے
حال کبھو تو پوچھئے میں جو کہوں، سو کیا کہوں
دل ھے، سو ریش ریش ھے، سینہ، سو داغ داغ
پائیے کس روش بتا! اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ھی سدا سراغ ھے
"درد" وہ گل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ھے

پہلو میں دل تپاں نہیں ھے
ھرچند کہ یاں ھے، یاں نہیں ھے
عالم ھو قدیم، خواہ حادث
جس دم نہیں ھم، جہاں نہیں ھے
ڈھونڈھے ھے تجھے تمام عالم
ھر چند کہ تو نہیں نہیں ھے
عنقا کي طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ھے

فریاد کہ "درد" جب تلک میں تیار هوں ' کارواں نہیں هے

هم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کي خوبی مجھ سے

کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا هے

یہ تحقیق هے یا کہ افواہ هے

کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ هے

اگر بے حجابانہ وہ بت ملے

غرض پڑا تو اللہ هي اللہ هے

گئے نالۂ و آہ سب هم نفس

دم سرد هي اک هوا خواہ هے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت هے

یہ محبت نہیں هے آفت هے

آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں

"درد" یہ بھي خدا کی قدرت هے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے

جس لئے آئے تھے سو هم کر چلے

زندگی ھے یا کوئی طوفان ھے
ھم تو اس جینے کے ھاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رھو اب، ھم تو اپنے گھر چلے

ڈھونڈھتے ھیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باھر چلے

ساقیا یاں لگ رھا ھے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر اور "درد" ھے یعنی بات میں اور جان پڑتی

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منھ اپنا دکھاے

ھوا جو کچھ کہ ھونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ھم دونوں جہاں سے ھاتھ دھو بیٹھے

کبھو رونا کبھو ھنسنا کبھو حیران ھو رھنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ھے

ترچھي نظروں سے دیکھنا هردم　　یه بهي اک بانکپن کا بانا ھے

بت‌پرستي تو یہاں دل کی گرفتاری ھے ''درد''
چاهنے جس کو لگے، اس کو صنم کہنے لگے

منظور زندگي سے، تیرا هي دیکھنا ھے
ملتا نہیں جو تو ھے، پھر کیا ھے زندگانی

ایک دم میں تو جي هی جانا ھے
زیست اب کوئي آن ھے پیارے

تري گلی میں، میں نه چلوں اور صبا چلے
یوں هي خدا جو چاھے تو بندے کی کیا چلے
کہہ بیٹھیو نه ''درد'' که اهل وفا هوں میں
اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ھے اتني گھٹتی ھے
زندگی آپ هی آپ کٹتی ھے
آج هي آہ کي هوا کچھہ اور
دیکھئے کس طرف پلٹتي ھے

اس خانماں خراب کو لیجاؤں میں کہاں
دل پر تو یہ فضاے بیاباں بی تنگ ھے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ھے
خالی ھو جاے ھے پیمانے کے بھرتے بھرتے
" درد " جوں نقش قدم تا سر رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ھي کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ھے ابر اور چمن میں بہار ھے
ساقي شتاب آ کہ ترا انتظار ھے

یاں کون آشنا ھے ترا کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھي لوگوں کے اک بات رہ گئی

چشم رحمت سے ادھر کو بھي نظر کیجیے گا
اسي اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھي ھے
دل، بھلا ایسے کو اے "درد" نہ دیجے کیوں کر
ایک تو یار ھے اور تِس پہ طرحدار بھی ھے

اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

غمناکي بیہودہ رونے کو ڈبوتي ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں' موتی ہے
دم لینے کی فرصت یاں تک دی نہ زمانے نے
ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھي ہوتی ہے
خورشید قیامت کا سر پرتو آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگاني
کہاں میں' کہاں تو' کہاں نوجواني

" درد " اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

آہوں کی کش‌مکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میري باں ہے

غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

ہرچند کہ سنگ دل ہے شیریں
لیکن فرهاد کسوہ کن ہے

مت جا تر و تازگی پہ اُس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

سیماب کشتہ کس کا ؟ ماءالحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے، اے "درد" کیمیا ہے

کعبے کو بھی نہ جائیے، دیر کو بھی نہ کیجیے مونھ
دل میں کسو کے "درد" یاں، ہو وے تو واہ کیجئے

نے وہ بہار واں ہے، نہ یاں ہم جواں رہے
ملئے پھر اس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے "درد"
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھرئیے، اثر شرط ہے
وگر ضبط کرئیے، جگر شرط ہے
قدم عشق میں "درد" رکھتا ہے تو
وہ جانے کہاں ہیں، خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پا رہا ہے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

علاج درد سر، صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اس کا، درد سر ہے

خبر اپنی لے اے گلستان خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی

جگر پہ داغ نے میرے، یہ گل‌فشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کہ زندگانی کی

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستی مجھے
زمانے نے اے "درد" جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جائے چراغ کوئی دل مہرباں جلے

یہی پیغام "درد" کا کہنا
گر کوئی کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح' اک تار نفس باقی
یکایک، عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمیں دل میں کوئی خار و خس باقی

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت ' جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا ' کہاں تو ہے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے ؟ اپنی ہی تقدیر ہے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

بت پرستي هے اب نہ بت شکني
کہ همیں تو خدا سے آن بني

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری
اب موندے' آنکھ بس جہاں کو دیکھا

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے کہ هو حرص سے دل بر کندا
جنت میں بهي اکل و ثرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بهی هوگا دهندا

اے " درد " بہت کیا پریکها هم نے
دیکها تو عجب جہاں کا لیکها هم نے
بینائي نہ تهي تو دیکهتے تهے سب کو
جب آنکھ کهلي تو کچھ نہ دیکها هم نے

پیري چلي اور گئي جواني اپني
اے " درد " کہاں هے زندگاني اپني

کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

مخمس

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کو باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر آئینہ دل کو رو بہ رو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن ہے یہاں نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار آہستہ گزر میاں کہسار
سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ ہنر ہے

ترکیب بند

شاهنشہ ملک کفر و دیں تو
ہے تخت نشین دل نشیں تو
ہوں لفظ بہ معنی آشنا میں
ہے معنیٔ لفظ آفریں تو
اے زیور دشت غیب ! ہرجا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمیٔ بزم مہر و کیں تو
ویرانیٔ وادیٔ گماں تو
آبادیٔ خانۂ یقیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدۂ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
توہی تو ہے کوئی بے حجابی
ہے پردۂ چشم شرمگیں تو
معشوق ہے تو ہی تو ہے عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق
میں منتظر دم صبا ہوں
جوں غنچہ' گرفتہ دل بنا ہوں

اک عمر گزر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں

تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں

بے گانہ جو مجھ سے واں پھرے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ، وہ کافر
گر آوے، خدا بھی میں توکیا ہوں

اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں

یےدل تو نہ کر مجھے، سمجھ ٹک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہئی طبع نارسا ہوں

پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آیندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ یہ جائے عبرت

میر حسن

میر غلام حسن نام ' میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دھلی میں پیدا ھوئے ' بارہ برس کي عمر میں فیض‌آباد گئے کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ چلے گئے اور وھیں بود و باش اختیار کرلي -

مذاق شعر و سخن ان کے ضمیر میں تھا - ابتدا میں میر ''ضیا'' سے اصلاح لي مگر بعد کو ان کا طرز چھوڑ کر '' میر '' '' سودا '' اور '' درد '' کی پیروي کرنے لگے - اُن کی غزلوں میں ان استادوں کي تقلید کا اثر نمایاں ھے - میر حسن غزل گوئی میں بھی بلند پایہ رکھتے ھیں مگر جس چیز نے ان کو غیر فاني شہرت عطا کی ھے وہ ان کی مثنوی کي نظیر پیش نہیں کر سکتي - مناظر کی تصویر کشی جذبات کي ترجمانی - زبان کي شیرینی - بیان کا تسلسل یہ تمام اوصاف اس مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ھیں - ان کے علاوہ یہ مثنوي اس زمانے کا تمدن کا صحیح نقشہ پیش کرتي ھے - ان خصوصیات نے اس مثنوی کو آسمان شاعری کا آفتاب بنا دیا ھے - میر حسن نے اور بھي چھوٹی بڑی کئی مثنویاں لکھي ھیں مگر '' سحرالبیان '' سے اُن کو کوئي نسبت نہیں - غزل اور مثنوی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں بھي میر حسن نے طبع آزمائی کی مگر کوئی امتیاز حاصل نہ ھوا -

میر حسن نے محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی '' مصحفی '' نے '' شاعر شیریں زبان '' - مادہ تاریخ نکالا -

اِنتخاب

تو ہي تو مری جان و دل و جسم ہے ورنہ
کیسا یہ دل اور کیسا یہ جي اور میں کہاں کا
بیگانہ ہے یاں کون اور اپنا ہے یہاں کون
ہے سب یہ بکھیڑا مرے ہي وہم و گماں کا
مرضی ہو جہاں اُس کی وہی جا ' ہمیں بہتر
مشتاق دل اپنا نہیں کچھ باغ جناں کا

یارب میں کہاں رکھتا ترا داغ محبت
پہلو میں اگر دل زار نہ تھا
دنیا میں تو دیکھا نہ سوائے غم و اندوہ
میں کاش کے اس بزم میں ہشیار نہ ہوتا

چھوتا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا
سامان لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے
کیا جانئے ارادہ دل نے کیا کہاں کا

آتا ہے گر تو آجا جلدی ، وگرنہ یہ دل
یونہیں تڑپ تڑپ کر کوئی دم میں مر رہے گا

عشق کب تک آگ سینہ میں میرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا ، کیا خاک اب سلگائے گا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

آثر ہوئے نہ ہوئے پر بلا سے جی تو بہلے گا
نکالا شغل تنہائی میں ، میں ناچار رونے کا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا ، نہ گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھ کو
ترا گلہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا

یہ سب اپنے خیال خام تھے تم تھے پرے سب سے
جو کچھ سمجھے تھے ہم تم کو ، یہ سب اپنا تو ہم تھا

اس کو امید نہیں ہے کبھی پھر بسنے کی
اور ویرانوں سے اس دل کا ہے ویرانہ جدا
گوشۂ چشم میں بھی مردم بدبیں ہیں "حسن"
واسطے اس کے بنا دل میں نہاں خانہ جدا

معشوق کی الفت سے مت جان "حسن" خالی
لبریز محبت ہے یہ جام مرے دل کا

جو کہ ہستی کو نیستی سمجھا اس کو سب طرف سے فراغ رہا
سیر گلشن کریں ہم اس بن کیا اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

دل خدا جانے کس کے پاس رہا
ان دنوں جی بہت اداس رہا

نہ ہوں غیر گر ساتھ تو آئیے
سر آنکھوں پہ میرے قدم آپ کا
دل و جاں جو ہیں یہ سو اپنے نہیں
سمجھتے ہیں ان کو تو ہم آپ کا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا
سراپا محبت کا گھر جل گیا

گل شمع کا نخل تھا میں "حسن"
لگا شام یاں اور سحر جل گیا

وہ تاب و تواں کہاں ہے یارب
جو اس دل ناتواں میں تب تھا
تھے محو خیال رات اس سے
باتوں کا ہمیں دماغ کب تھا

کوئی دم کے ہیں مہمان اس چمن میں ایک دم آخر
مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

اپنی طرف سے ہم نے تم سے بہت نباھا
پر آہ کیجئے کیا تم نے ہمیں نہ چاھا

مت بخت خفتہ پر مرے ھنس اے رقیب تو
ھوگا ترے نصیب بھی یہ خواب دیکھنا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ میں تماشا وفا کا دکھلاتا

خار سے پھوٹتے پھپھولے پاؤں کے درد ھی آخر مرا درماں ھوا

فرقت کی شب میں آج کی، پھر کیا جلاویں گے
دل کا دیا تھا ایک، سو کل هي جلا دیا

یہ نہ گل میں نہ باغ میں دیکھا
جو مزا اپنے داغ میں دیکھا
آتش دل کا تیرے هم نے پتنگ
رات شعلہ چراغ میں دیکھا

خالي نہ جائے گا یہ هر شب لہو کا رونا
اک روز دل کے ٹکڑے دامن میں بھر رهوں گا
کوچے سے اپنے مجھ، کو مت هر گھڑي تو اُٹھوا
میں خود بہ‌خود یہاں سے اک دن گذر رهوں گا

کوچۂ یار هے اور دیر هے اور کعبہ هے
دیکھئے عشق همیں آہ کدھر لاوے گا

میں هي نہ غم کو هستی کا سامان دے چکا
دل هی غریب اپني اُسے جان دے چکا
وحشت میں سر پٹکنے کو کیا مانگیں اس سے اور
هم کو تو عشق کوہ و بیابان دے چکا

دل هي کہیں نکلتا ، ہو ٹکڑے ٹکڑے یارب
آنکھوں سے خون میری کب تک بہا کرے گا

یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
کبھی اس طرف بھي کرم تھا کسي کا
دم مرگ تک روتے هي گذري
همیں بھی قیامت الم تھا کسی کا
نہ تھمتی تھیں آهیں، نہ رکتے تھے آنسو
''حسن'' تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

دکھاویں گے چالاکي هاتھوں کی ناصح
جو ثابت جنوں سے گریباں رهے گا
وہ آشفتہ بلبل میں جاتا هوں یاں سے
کہ جس بن چمن سب پریشاں رهے گا

ایک بھي چراغ دل ، جلتا تھا میرے حال پر
آہ! سحر نے میري آہ اس کو بھی اب بجھا دیا

هر ایک هدایت کي نہایت هے و لیکن
اس عشق کے آغاز کا انجام نہ پایا
کیا شکوہ کریں کنج قفس کا دل مضطر
هم نے تو چمن میں بھی تک آرام نہ پایا

یہی آتا ھے اپنے دل میں پھر پھر — کہ کیا ھوتا جو اپنا دل نہ ھوتا

آسان تم نہ سمجھو نخوت سے پاک ھونا
اک عمر کھو کے ھم نے سیکھا ھے خاک ھونا

مت پوچھہ کہ رحم اس کو مرے حال پہ کب تھا
اب کہنے سے کیا فائدہ جب تھا کبھی تب تھا

اتنا بھي تو بے چین نہ رکھہ دل کو مرے تو
آخر یہ وھي دل ھے جو آرام طلب تھا
کعبے کو گیا چھوڑ کے کیوں دل کو تو اے شیخ
تک جی میں سمجھتا تو سہي یاں بھی تو رب تھا

رتبہ یہ شہادت کا کہاں اور کہاں میں
واں تک مجھے اس شوخ کي تلوار نے بھیجا
میرا تو نہ تھا جي کہ میں اس رتبہ کو پہونچوں
پر کوچۂ رسوائی میں دلدار نے بھیجا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ھے میرا
جیسے کوئي بھولے ھوئے پھرتا ھے کچھہ اپنا

ضبط نالے سے جو کچھ مجھ پہ ہوا میں نے سہا
درد سر اور کو دینا تو گوارا نہ کیا

مہر و وفا کا میرے جور و جفا کا اپنے
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

دیکھے سے دور ہی کے دھڑکتا ہے دل مرا
کیا حال ہوگا جب کہ وہ نزدیک آئے گا

گھر سے باہر جو نکلتا ہے تو جلدی سے نکل
ورنہ ڈھونڈنے میں لگاتا ہوں یہیں، مجھ کو کیا

تا مجھ سے وہ پوچھے مری خاموشی کا باعث
مجھ کو یہ تمنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا پوچھے ہے مجھ سے مری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ایک مجلس کے ہیں حسن و عشق اس میں عیب کیا
شمع گر تجھ کو کیا تو ہم کو پروانہ کیا
دیکھتے ہی مے کو ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

طرفہ تر ہے یہ کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں
اپنا اپنا کہہ کے مجھہ کو سب سے بیگانہ کیا

جاتا تھا اس کی کھوج میں، میں بے خبر چلا
بارے اُسی نے ٹوک کے پوچھا کدھر چلا
کس میں رکھوں گا اب مئے حسرت کو میں بھلا
شیشہ تو دل کا خون جگر ہي سے بھر چلا
لکھنے کی یاں نہ تاب نہ پڑھنے کا واں دماغ
کہہ دیں گے کچھہ زبانی اگر نامہ بر چلا

گر ہیں برے تو تیرے اور ہیں بھلے تو تیرے
نیکی بدي میں اپني شامل ہے نام تیرا

تری آنکھوں کا عاشق ہوں ترے رخ کا ہوں دیوانہ
نہ سودائي ہوں میں گل کا نہ میں بیمار نرگس کا

بخدا بتوں کا کس کے کہے سے ہوا یہ دل
حق کي طرف سے کیا اُسے الہام کچھہ ہوا

پڑی ہے دل کی بھی کرني خوشامد ان روزوں
زمانہ اب تو رہا ہے زمانہ سازي کا

قاصد یهي کهتا هے شب وہ نهیں آنے کا
کاهے کو رهوں گا میں جب وہ نهیں آنے کا

یہ جو کچھ قیل و قال هے اپنا وهم هے اور خیال هے اپنا

آشنا بے وفا نهیں هوتا
بے وفا، آشنا نهیں هوتا
گو بهلے سب هیں اور میں هوں برا
کیا بهلوں میں برا نهیں هوتا
دل جدا گر هوا "حسن" تو کیا
وہ تو دل سے جدا نهیں هوتا

تیرہ بختی کو اپني کهو نہ سکا
اس سیاهی کا داغ دهو نہ سکا

انکهوں میں بهر کے انسو دیکهوں هوں میں فلک کو
کرتا هے ذکر کوئی جب اپنی صحبتوں کا

صبا کے هاتھ سے خط گل‌عذار کا پهنچا
خزاں رسیدوں کو مژدہ بهار کا پهنچا
صبا گلي سے تري گرد راہ کو لائي
هماری انکهوں کو سرمہ غبار کا پهنچا

اُٹھا بالوں کو چہرے سے ' دکھادے چاند سا مکھڑا
سر شام آج آتا ہے نظر تنہا مجھے تارا
کوئی دیتا نہیں اس بت کو دل کچھ اپنی خواہش سے
جو یوں مرضي خدا کی هو تو پھر بندے کا کیا چارا

هوتے هي اس کے سامنے' جاتا رهے هے یه
کچھ اختیار اپنا نہیں اختیار پر

اس گنجفه کا یاں سے هے کھیل اور هي کچھ
دیتے هیں جان ناحق انسان صورتوں پر

هے دهیان جو اپنا کہیں اے ماه جبیں اور
جاتا هے کہیں اور تو جاتا هوں کہیں اور
جب تو هی کرے دشمني هم سے تو غضب هے
تیرے تو سوا اپنا کوئي دوست نہیں اور

پا برهنه ساتھه ناقے کے چلا آتا هے قیس
اک طرف کردے صبا خار مغیلاں دیکھه کر
دامن صحرا سے اٹھنے کو ''حسن'' کا جی نہیں
پانوں دیوانے نے پهیلائے بیاباں دیکھه کر

ظاہر میں تو اڑتا ہوں ولے اڑ نہیں سکتا
بے بس ہوں میں چوں طائر تصویر ہوا پر

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر
آتش دل پر اب لے دوڑا
دیدۂ اشکبار ہی آخر

حد سے در گزرا ہمارا اِس طرف عجز و نیاز
پر ادھر سے بے نیازی بھی رہی سر گرم ناز
درد کی اب بات تھوڑی سی بھی لگتی ہے بہت
ہو رہا ہے بسکہ اک مدت سے دل اپنا گداز

غم دل کے مرے حال سے کچھ تجھ کو خبر ہے
کس گھر کو لگاتا ہے تو اے بے ادب آتش

جیسے لگی ہو ناوک مژگاں سے اس کی آنکھ
ہر پل میں ہے جگر میں نئی طرح کی خراش
یا دل کو میں ہی بھولوں یا اس کو بھولے دل
اُن دونوں باتوں میں سے کہیں ایک ہوے کاش

یہ ثابت پھر نہیں رہتا نظر آتا مجھے ناصح
عبث چاک گریباں کو سیا تونے خدا حافظ

دل میں ٹھہری ہے اب یہی کہ "حسن"
ہم نہ ہوں گے جو ہوگا یار وداغ

شعلہ اٹھے ہے دل سے شب و روز ہم‌نشیں
جلتی ہے اپنی بزم میں شام و پگاہ شمع

مشتعل یوں ہوا ہے دل کا داغ جس طرح سے بھڑک اٹھے ہے چراغ

ہم بھی تب تک ہیں کہ یاں جلوہ ہے جب تک تیرا
ہستی سایہ بھی سچ پوچھو تو ہے نور تلک

ٹک دیکھ لیں چمن کو، چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جیئں نہ جیئں ہم بہار تک

حیراں میں اپنے حال پہ جوں آئنہ نہیں
عالم کے منہ کو دیکھ کے میں رہ گیا ہوں دنگ

کچھ جو ٹھہرے تو تجھ کو بتلا دوں
اس دل زار و بے قرار کا رنگ
ہجر کی رات دیکھی ہو جس نے
وہ "حسن" دیکھے زلف یار کا رنگ

رشک صد شمع سوز ہر مو ہے لگ گیا ہے یہ کس چراغ سے دل

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
آسماں گاہ گہہ زمیں ہیں ہم
ہم نہ تیر شہاب ہیں نہ سموم
نالہ و آہ آتشیں ہیں ہم

شمع ساں شب کے مہماں ہیں ہم
صبح ہوتے تو پھر کہاں ہیں ہم
باغباں تک تو بیٹھنے دے کہیں
آہ گم کردہ آشیاں ہیں ہم
دل سے نالہ نکل نہیں سکتا
یاں تلک غم سے ناتواں ہیں ہم
داغ ہیں کاروان رفتہ کے
نقش پائے گذشتگاں ہیں ہم

اور کچھ تحفہ نہ تھا جو لاتے ہم تیرے نیاز
ایک دو آنسو تھے آنکھوں میں سو بھر لائیں ہم

دم بہ دم اس شوخ کے آزردہ ہوجانے سے آہ
جب نہیں کچھ اپنا بس چلتا تو گھبراتے ہیں ہم

دل خدا جانے کدھر گم ہو گیا اے دوستاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کیا اور نہیں پاتے ہیں ہم

دونوں دیوانے ہیں کیا سمجھیں گے آپس میں عبث
ہم کو سمجھاتا ہے دل اور دل کو سمجھاتے ہیں ہم

بس دل کا غبار دھو چکے ہم — رونا تھا جو کچھ سو رو چکے ہم
ہونے کی رکھیں توقع اب خاک — ہونا تھا جو کچھ سو ہو چکے ہم

دل غم سے ترے لگا گئے ہم — کس آگ سے گھر جلا گئے ہم
مانند حباب اس جہاں میں — کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
کھویا گیا اس میں گو دل اپنا — پر یار تجھے تو پا گئے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ "حسن" وصل میں اور
لذت ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

ناصحا جا اس گھڑی مت بول تو
جان سے اپنی خفا بیٹھے ہیں ہم

دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک مرے غم سے
عقدے ترے ہیں بسکہ میرے تار نفس میں

دم بہ‌دم قطع ہوتی جاتی ہے عمر لیل و نہار کے ہاتھوں
ایک دم بھی ملا نہ ہم کو قرار اس دل بے قرار کے ہاتھوں
اپنی سر گشتگی کبھی نہ گئی گردش روزگار کے ہاتھوں
اک شگوفہ اٹھے ہے روز نیا اس دل داغ دار کے ہاتھوں

عشق کا اب مرتبہ پہونچا مقابل حسن کے
بن گئے بت ہم بھی آخر اس صنم کی یاد میں

حسن میں جب تئیں گرمی نہ ہو جی دیوے کون
شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں

دل اور جگر لہو ہو آنکھوں تلک تو پہونچے
کیا حکم ہے اب آگے نکلیں کہو نہ نکلیں

ہم نہ ہنستے ہیں اور نہ روتے ہیں
عمر حیرت میں اپنی کھوتے ہیں
کوس رحلت ہے جنبش ہردم
آہ تس پر بھی یار سوتے ہیں

بن کہے بنتی نہیں کہئے تو سنتا نہیں وہ
حال دل اس سے ہم اظہار کریں یا کریں

داغ فراق دل میں اور درد عشق جی میں
کیا کیا نہ ہم نے دیکھا دو دن کی زندگی میں

کیوں جھٹکتا ہے ہم سے دامن ہائے   خاک بھی تو نہیں رہے ہم میں

"حسن" رکھیو قدم ہرگز نہ صحرائے محبت میں
کہ ہے سر سے گذرنا رسم یاں کی راہ منزل میں

وصل ہونے سے بھی کچھ دل کے تئیں سود نہیں
اب جو موجود وہ یاں ہے تو یہ موجود نہیں

صیاد ہم کو لے تو گیا لالہ زار میں
پردہ قفس کا پر نہ اٹھایا بہار میں
یہ گرد باد خاک یہ میری نہیں "حسن"
میں ڈھونڈھتا ہوں آپ کو اپنے غبار میں

آپ تو اپنا عرض کر لے حال
دل ! ہمیں تاب التماس نہیں
یوں خدا چاہے تو ملادے اُسے
وصل کی پر ہمیں تو آس نہیں

چل دل اس کی گلي میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں
دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جي بھی کھو آویں
کب تلک اُس گلی میں روز "حسن"
صبح کو جاویں شام کو آویں

موئے سپید نے نمک اس میں ملادیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

ذرہ ذرہ میں دیکھ، ہیں موجود
وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں
ہم تمہارے ہی بندے ہیں صاحب
آپ ہم سے عبث حجاب میں ہیں

آنکھوں سے ہم تو آویں تمہارے قدم کے پاس
دیکھو جو اک نظر ہمیں تم دوربین میں

ہوں دیر میں، نہ کعبے میں، نہ دل ہی میں اپنے
کیا جانوں تجسس میں تري آہ کدھر ہوں

جي نکلتا هے ادهر اور وہ گذر کرتا نهيں
مرتے هيں هم اور اُسے کوئي خبر کرتا نهيں

هم نہ نکہت هيں' نہ گل هيں جو مہکتے جاويں
آگ کي طرح جدهر جاويں دهکتے جاويں
جو کوئی آوے هے نزديک هی بيٹھے هے ترے
هم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاويں

اک بار تو نالے کی هو رخصت همیں صیاد
پنہاں رکھیں هم کب تئیں فریاد جگر میں

نہ هم دعا سے اب نہ وفا سے طلب کریں
عشق بتاں میں صبر خدا سے طلب کریں

دل کو اس شوخ کے کوچہ میں دهرے آتے هیں
شیشہ خالی کئے اور اشک بهرے آتے هیں

مزا بےهوشئي الفت کا هشیاروں سے مت پوچھو
عزیزاں خواب کی لذت کو بیداروں سے مت پوچھو
یہ اپنے حال هي میں مست هیں ان کو کسی سے کیا
خبر دنیا ومافیہا کی مےخواروں سے مت پوچھو

دل صد پارہ میرے کي تو پہلے فکر کر ناصح
رفو کیجو پھر اس کے بعد تو چاک گریباں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کي مرا چھالا هي پاؤں کا
بہ رنگ کہربا کھینچے هے خود خار مغیلاں کو
نہیں معلوم یہ کس کا هے اتنا منتظر یارب
کہ میں مندتے نہیں دیکھا "حسن" کی چشم حیراں کو

ناقے سے دور رہ گیا آخر نہ قیس تو
کہتے نہ تھے کے پاؤں سے مت کھینچ خار کو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو کیا غضب کرتے هو ادھر دیکھو
آپ پر اپنا اختیار نہیں جبر هے هم پہ کس قدر دیکھو

گئے وے دن جو آنسوں بھی ان آنکھوں سے نکلتے تھے
بہ جائے اشک اب تو رہ گئي هے حسرت گریہ

کہیو صبا کہ جس کو تو بٹھلا گیا تھا سو
چوں نقش پا پڑا تري دیکھے هے راہ وہ

مجھ سے اب وہ نہ رهی اس بت عیار کي آنکھ
پھر گئي آہ زمانے کی طرح یار کي آنکھ

دید کی سیر راہ ہے یہ مژہ   خار پائے نگاہ ہے یہ مژہ

ہوکر ترے جلوہ کے خریدار ہمیشہ
آ بیٹھتے ہیں ہم سر بازار ہمیشہ
نے جام کی خواہش ہے نہ مے کی مجھے ساقی
میں نشۂ ہستی سے ہوں سرشار ہمیشہ
ہرآن میں عالم ہے جدا باغ جہاں کا
اک رنگ پہ رہتے نہیں گلزار ہمیشہ

پھر پھر کے پوچھتے ہو عبث آرزوے دل
تم جانتے تو ہو کہ مرا مدعا ہے وہ
رنگ حنا کی طرح نہ کھو اس کو ہاتھ سے
دل ہے مرا کہ ہاتھ ترے لگ گیا ہے وہ

جب کام دل نہ ہرگز حاصل ہوا کہیں سے
دل کو اٹھا کے بیٹھے ناچار سب طرف سے

اب ہم ہیں اور یار کا روز فراق ہے
جوں توں کی تیری رات تو اے شمع کٹ گئی

مجنوں کو اپنے لیلیٰ کا محمل عزیز ہے
تو دل میں ہے ہمارے، ہمیں دل عزیز ہے

جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے کترا کے کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے ادھر کو چلئے

تھے ابھی تو پاس ہی اپنے قرار و ہوش و صبر
تیرے آتے ہی نہ جانے وہ کدھر کو اٹھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کی اپنے دل میں اے "حسن"
ہم نے جوں جوں اس کو کھولا اور یہ محکم ہوئی

دل کا ہمدم علاج مت کر اب   زخم مرہم پذیر ہیں اُس کے

واڈھکاں یوں اڑا نہ ہم کو فلک
خاک ہیں ہم کسی کے چوکھٹ کے
تک تو اونچی ہو اے صدائے جرس
دشت میں کب تلک کوئی بھٹکے
توہی جب اپنے در سے دیوے اٹھا
پھر کدھر جاکے کوئی سر پٹکے

زندگی یہ ، ستم یار وہ ، اور بخت زبوں
کس توقع پہ بھلا دل کو کوئی شاد کرے

تیرا خیال ابرو دل میں اگر نہ ہووے
کعبے کا دیکھنا بھی مد نظر نہ ہووے

منھہ اپنا خشک ہے اور چشم تر ہے
ترے غم میں یہ سیر بحر و بر ہے
وہ اب کیوں کر نہ کھینچے آپ کو دور
ہمارے چاہنے کا یہ اثر ہے
ہمیں دیکھو نہ دیکھو تم ' ہمیں تو
تمھارا دیکھنا مد نظر ہے

تیرے دیدار کے لئے یہ دیکھہ
جان آنکھوں میں آرهي تو ہے

دشمن تو تھے هي پر تري اس دوستي میں اب
بیزار هم سے هو گئے هیں دوست دار بھي
گر تو نہیں تو جاکے کریں کیا چمن میں هم
تجھہ بن همیں خزاں سے ہے بدتر بہار بھي
اک جان ناتواں هی کا شکوہ "حسن" نہیں
ٹھہرا نہ اپنے پاس دل بے قرار بھی

نہ رنگ ہے منھہ پر ترے' نہ دل ہے ترے پاس
سچ کہیو "حسن" آج تو آتا ہے کہاں سے

کیوں کر بھلا لگے نہ وہ دل‌دار دور سے
دونی بہار دیوے ہے گلزار دور سے
بے اختیار اٹھتی ہے بنیاد پے خوشی
آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

میں اس خرابی سے مارا پڑا ہوں رستے میں
جو تو بھی گذرے ادھر سے تو ہاتھ مل جاوے
نہ تڑپیو تو دم قتل اے "حسن" ہرگز
کہ دست یار مبادا کہیں نہ چل جاوے

ہے نقش پاے ناقہ، نقش جبیں سے باہم
محمل کے ساتھ شاید نکلا ہے قیس بن سے
سینے سے آہ دل سے نالے جگر سے افغاں
نکلے یہ سب و لیکن نکلی نہ جان تن سے

زمیں سے اب غبار اپنا بھی اٹھ سکتا نہیں یارب
نہیں معلوم ایسے گر گئے ہیں کس کے ہم دل سے
گئے وہ دن جو بالیں سے اٹھا کر سر پٹکتے تھے
جو اب چاہیں کہ کروٹ لیں تو لی جاتی ہے مشکل سے

بہار لالہ نہ ہو گلشن گریباں میں
بہ جاے آب، جو خوں، چشم اشکبار نہ دے

"حسن" بساط میں دل ہے یہ تیری اے جاں باز
تو ملتچلا ہے نہایت، کہیں یہ ہار نہ دے

شب فراق میں رو رو کے مرگئے آخر
یہ رات جیسی تھی ویسی رہی، سحر نہ ہوئی

جو ہے وہ تیری چشم کا بادہ پرست ہے
القصہ اپنے حال میں ہر ایک مست ہے
بیٹھے ہیں جب تلک تبھی تک، دور ہے عدم
چلنے کو جب ہوئے تو پھر اک دم کی جست ہے
اٹھ جائیں گر، یہ بیچ سے اپنے نکات وہم
پھر ایک شکل دیکھنے میں نیست ہست ہے

کیا جانئے کہ شمع سے کیا صبح کہہ گئی
اک آہ کھینچ کر جو وہ خاموش رہ گئی

رنج و بلا و جور و ستم داغ و درد و غم
کیا کیا نہ دل کے ہاتھ مری جان سہ گئی
ناخن نہ پہونچا، آبلہ، دل تلک "حسن"
ہم مرگئے پہ ہم سے نہ آخر گرہ گئی

۳۲۵

کل تک تو آس تھی ترے بیمار عشق کو
پر آج بے طرح کا اسے اضطراب ھے

کوئی نہیں کہ یار کی لادے خبر مجھے
اے سیل رشک توھی بہادے اُدھر مجھے
یا صبح ھو چکے کہیں، یا میں ھی مرچکوں
رو بیٹھوں اس سحر ھی کو، میں یا سحر مجھے
منت تو سر پہ تیشہ کی فرھاد تب میں لوں
جب سر پٹکنے کو نہ ھو دیوار و در مجھے

نالوں سے کیا "حسن" کے تو اس قدر رکے ھے
اک آدھ دم کو پیارے جھگڑا ھی یہ چکے ھے

صبا کوچے سے تیرے ھو کے آئی ھے ادھر شاید
کہ عقدے غنچۂ دل کے لگے کچھ خود بخود کھلنے

آرزو اور تو کچھ ھم کو نہیں دنیا میں
ھاں مگر ایک ترے ملنے کی ارمان تو ھے

صبر و قرار ھوش و خرد سب کے سب یہ جائیں
پر داغ عشق سینہ، اے ھمنشیں نہ جائے

ہے پارۂ عقیق جگر دیکھیو کہیں
اے چشم تیرے ہاتھ سے ایسا نگیں نہ جائے

لوہو کے جائے حسرت آنکھوں سے اس کی ٹپکے
تیغ نگہ سے تیری جو دل فگار ہووے

جان میں میری جان آئی تھی
کل صبا کس کے پاس لائی تھی
پھر دھک اٹھی آگ دل کی ہائے
ہم نے رو رو ابھی بجھائی تھی
شب سے دل آپ میں نہیں ناصح
ایسی کیا بات اُسے سنائی تھی
دل کو روؤں کہ یا جگر کو ''حسن''
مجھ کو دونوں سے آشنائی تھی

ہم درد کے بھروں کی تو رسم فغاں نہیں
خالی ہے نے اسی لئے اُس میں یہ شور ہے

یار گر اپنے پاس ہو جاوے
زندگی کی پھر آس ہو جاوے
قاصد ایسی نہ بات کچھ کہیو
جس سے دل بے حواس ہو جاوے

جس کو سمجھا ہوں میں "حسن" امید
کہیں وہ بھی نہ یاس ہو جاوے

کر کے بسمل نہ تونے پھر دیکھا
بس اسی غم میں جان دی ہم نے

عرق کو دیکھ منھ پر تیرے پیارے
فلک کو پیٹھ دے بیٹھے ہیں تارے
چمن میں کس نے دل خالی کیا ہے
لہو سے جو بھرے ہیں پھول سارے

دل گم گشتہ کی طرف سے ہم کف افسوس اپنے مل بیٹھے

شاید کہیں "حسن" نے کھینچی ہے آہ شاید
کانٹا سا اک جگر میں اپنے کھٹک گیا ہے

دیکھا نہ کسی وقت میں، ہنستے ہوے اس کو
یہ بھی کوئی دل ہے جو کبھی شاد نہ ہووے

سراغ ناقہ لیلیٰ بتائیو اے خضر
کوئی جرس کی طرح پر خروش آتا ہے

دل کی زمیں سے کون سی بہتر زمین ہے
پر جان تو بھی ہو تو عجب سر زمین ہے
سر کو نہ پھینک اپنے فلک پر غرور سے
تو خاک سے بنا ہے ترا گھر زمین ہے

اتنے آنسو تو نہ تھے دیدۂ تر کے آگے
اب تو پانی ہی بھرا رہتا ہے گھر کے آگے

اپنی سوگند جو دی اس نے تو کھائی نہ گئی
ایک بھی بات محبت کی چھپائی نہ گئی

یاں تک تو تھا "حسن" کو کل انتظار تیرا
آنکھوں میں اس کی ہم نے جان نزار دیکھی

قیس کا مدت سے برہم ہو گیا تھا سلسلہ
اپنی ہم دیوانگی سے اس کو جاری کر گئے

شبنم کی طرح سیر چمن بھی ضرور ہے
رو دھو کے ایک رات یہاں بھی گذاریئے

یوں تو ہرگز نہیں آنے کی تمہیں نیند مگر
مجھ سے قصہ مرا کہوائیے اور سو رہیے

جس طرف دل گیا گئے ہم بھی   جان کی اپنی پاس‌داری کی

نغمہ و عشق سے ہیں سبحہ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے
میں تو آشفتہ دل اور دل آشفتۂ زلف
خوب ہم دونوں گرفتار گرفتار ملے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

گو دل پر اس کی تیغ سے بیداد ہو گئی
تن کے قفس سے جان تو آزاد ہو گئی
اک دو ہی آہیں سن کے خفا ہم سے ہو چلے
دل سوزی ایک عمر کی برباد ہوگئی

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے
تجھ کو منظور جفا مجھ کو ہے مطلوب وفا
نہ یہ بھاتا ہے تجھے اور نہ وہ بھاتا ہے مجھے

کسی کی بے وفائی سے مجھے کیا
میں اپنے کام رکھتا ہوں وفا سے

نالۂ دل پر آہ کی ' میں نے   بات پر مجھ کو بات یاد آئی

کس کس کے غم کو سئیے ''حسن'' اب وہ دل نہیں
اپنی ہی سر گذشت سے جی اپنا سیر ہے

ہے دل میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باہر تو اندھیرا ہے اور گھر میں اجالا ہے

یاں سے پیغام جو لیکر گئے معقول گئے
اُس کی باتوں میں لگے ایسے کہ سب بھول گئے

دیکھ پھر پھر جہاں کی کرلیں
آخرش تو گذر ہی جاویں گے
جی تو لگتا نہیں جہاں دل ہے
ہم بھی اب تو اُدھر ہی جاویں گے
بے خبر جس طرح سے آے ہیں
اس طرح بے خبر ہی جاویں گے

نوجوانی کی دید کر لیجئے
اپنے موسم کی عید کر لیجئے
کون کہتا ہے کون سنتا ہے
اپنی گفت و شنید کر لیجئے

مثل آئینہ کیا عدم سے ہم تیرا منہہ دیکھنے کو آئے تھے
لے کے رخصت "حسن" کوئی دم کی سیر کرنے کو یاں بھی آئے تھے

گل ہزاروں کو آہ جس نے دیے
دل دیا اس نے داغدار مجھے

صورت نہ ہم نے دیکھی حرم کی نہ دیر کی
بیٹھے ہی بیٹھے دل میں دوعالم کی سیر کی

تیری مدد سے تیرا ادراک ہو سکے ہے
ورنہ اس آدمی سے کیا خاک ہو سکے ہے
وہ جلد دستیوں کے جاتے رہے زمانے
اب ہاتھ سے گریباں کب چاک ہو سکے ہے

نہ آنے کے سو عذر ہیں میری جان
اور آنے کو پوچھو تو سو راہ ہے

ہیں قفس میں، پر هبث باندھے ہے تو
اس قفس سے ہم کہاں اُڑ جائیں گے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے
یونہیں گذر گئے افسوس دن جوانی کے
سنا نہ ایک بھی شب اس نے حال دل میرا
نصیب جاگے نہ افسوس اس کہانی کے

دیکھا جب آنکھ کھول کے مثل حباب تب
معلوم کائنات ہوئی کائنات کی

جانتا ہے وہی مصیبت عشق
جس پر اے مہربان پڑتی ہے
جس کو دل اپنا چاہتا ہے "حسن"
بات کب اُس کی دھیان پڑتی

ہم درد کل جو ایک ملا' ہم کو راہ میں
باتوں میں ہم کہیں کے کہیں بے خبر گئے

مومن و کافر پہ کیا سب کو ندائے خیز ہے
ابلق ایام کو یاں رات دن مہمیز ہے

یار کا دھیان ، هم نه چھوڑیں گے
اپنی یه آن هم نه چھوڑیں گے
جب تلک دم میں هے همارے دم
تجھ کو اے جان هم نه چھوڑیں گے
هے بڑا کفر ، ترک عشق بتاں
اپنا ایمان هم نه چھوڑیں گے
دل نه چھوڑے گا تیرا دامن ، اور
دل کا دامان هم نه چھوڑیں گے

جان و دل هیں اُداس سے میرے   اٹھ گیا کون پاس سے میرے

آج دل بے قرار هے ، کیا هے   درد هے، انتظار هے، کیا هے

آ جا کہیں شتاب که مانند نقش پا
تکتے هیں راہ تیری، سر راہ میں پڑے

کس روش میں آہ پہونچوں اڑ کے گلشن تک " حسن "
مجھ کو تو صیاد نے چھوڑا هے پر باندھے هوے

هو چکا حشر بھی "حسن" لیکن   نه جیے هم فراق کے مارے

جب قفس میں تھے تو تھي ياد چمن هم کو ''حسن''
اب چمن میں هیں تو پھر ياد قفس آتي هے

دلبر سے هم اپنے جب ملیں گے
اس گم شده دل سے تب ملیں گے
جان و دل و هوش صبر و طاقت
اک ملنے سے اس کے سب ملیں گے

انتخاب مثنوي سحرالبيان

(اس مثنوی میں "میر حسن" نے شہزادہ بے نظیر اور
شہزادی بدر منیر کے عشق کي حکایت بیان کي ہے)

شہزادۂ بے نظیر کا باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ

عمارت کي خوبي دروں کی وہ شان
لگے جس میں زر بفت کے سائبان

چقیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پر کھڑي دست بستہ بہار

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری ' مقرق' چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کي گل کاریاں

دئے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

بنی سنگ مر مر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اُس کے سرو سہی
کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی

ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یا سمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چڑیا کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑا آب جوھر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رھیں ھاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کی دیتی ھر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قر قرے
لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قر قروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے ' منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دھکا ھوا
ھوا کے سبب باغ مہکا ھوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ھر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور موسریوں کی چھانوں
لگی جائیں آنکھیں لئے جس کا نانوں

(شہزادۂ بے نظیر کا غسل کرنا)

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں

تن نازنیں نم ہوا اُس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل

پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لے کر وہاں

لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن
ہوا ڈھڈھا آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی چمک
برسنے میں بجلی کی جیسی چمک

بھوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اُوس

لگا ہونے ظاہر یہ اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن

گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب
کہوں اس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات
کہ جیوں بھیگتی جائے صحبت میں رات

زمرد کے لے ہاتھ میں سنگ پا
کیا خادموں نے جو آہنگ پا
ہنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں پر ہوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
ہوے جی سے قربان چھوٹے بڑے
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ
اڑھا کھیس لائے اسے ہاتھوں ہاتھ
نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

(شہزادۂ بے نظیر کی سواری)

نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
گئے خوان گوہر کے اس پر نثار

زبس تھا سواري کا باہر ہجوم
ہوا جب کي ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ھی تھی ھاتھیوں کی قطار
سنہري روپہلی وہ عماریاں
شب و روز کی سي طرح داریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشان
سواروں کے غت اور بانوں کي شان
ہزاروں ھي اطراف میں پالکی
جھلا بور کي جگمگي نالکي
کہاروں کی زربفت کي کرتیاں
اور ان کے دبے پاوں کي پھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کي سر اوپر
چکا چوندھ میں جن سے آوے نظر
وہ ھاتھوں میں سونے کے مرتے کڑے
جھلک جس کی ھر ھر قدم پر پڑے
وہ ماھی مراتب وہ تخت رواں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں
وہ شہنائیوں کي صدا خوش نما
سہاني وہ نوبت کي دھیمي صدا
وہ آھستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم با لباس زري

بجاتے ہوے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

سوار اور پیادے صغیر و کبیر
جلو میں تمامی امیر و وزیر

وہ نظریں کہ جس جس نے تھیں تھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں

ہوے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس تمام.

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر ادھر کچھ ورے کچھ پرے

مرصع کے سازوں سے کوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دو چند

وہ فیلوں کی اور میگ ڈنبر کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائباں

چلی پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نپتی جریب

سواری کے آگے پڑے اہتمام
لٹیے سونے روپے کے داصے تمام

نقیب اور جلوداو اور چوبدار
یہ آپس میں کہتے تھے ہردم پکار

اسی اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے

یلانو! جوانو! بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لئے آئیو

بڑھے جائے آگے سے چلتا قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ باد بہاری چلی

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک

منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر

کہا تھا ز بس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند

رعیت کی کثرت، ہجوم سپاہ
گزرتی تھی اک اک کی ہر جا نگاہ

ہوے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن
ہر اک سطح تھا جوں زمین چمن

یہ خالق کی سن قدرت کاملہ
تماشے کو نکلی زن حاملہ

لگا لذہج سے تا ضعیف و نحیف
تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جس کو آیا رہ ماہ تمام
کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

(شہزادي بدر منیر کا باغ)

سنو ایک دن کی یہ تم واردات
اتّھا سیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا نا گہاں اس کا اک جا گزر
سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھي عمارت بلند
کہ تھي نور میں چاندنی سے دوچند
مغرق زمین پر تمامی کا فرش
جھلک جس کی لے فرش سے تابہ عرش
ہر اک سمت واں نور کا اژدحام
لگے آئینے قد آدم تمام
ملبب وہ چوپڑکی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتي سے لٹتے ہوئے
مقرض پڑا اس میں مقیش جو
گرا ماہ واں اشک سے پرزے ہو

لئے گوند مقیش چھوٹے بڑے
ہر اک جا ستارے آزاویں کھڑے

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
مکیں جلوۂ مہ کو زیر قدم

زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں
زمیں سے لگاتا سما زر فشاں

گل و غنچہ زریں و تاج خروس
زمیں چمن سب جبیں عروس

کھڑا ایک نگیرۂ زر نگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار

کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن
کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن

مفرق بچھی مسند اک جلمگی
کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی

بلوریں صراحی وہ جام بلور
دل و دیدہ وقف تماشاے نور

زمیں نور کی آسماں نور کا
جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا

وہ مسند جو تھی موج دریاے حسن
وہاں دیکھی اک مسند آراے حسن

دئے کھنی نکیے پہ اک ناز سے
سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام
ادھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ
اودھر یہ زمیں پر مہ چار دہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منھ کو لگے چار چاند

(بدر منیر کا اپنے باغ میں جلوہ افروز ہونا)

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل ربا
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کدھر گل کی تھی اس کے منھ پر نظر
چمن اس گھڑی بر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بے ہوش تھا
ز بس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اس کی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اس کا جو طرف چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
درختوں پہ اس کی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اس نے چمک
ہوئی اس کے بیٹھے سے گلشن کی زیب
گیا از صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب دل میں ہوئی جلوہ‌گر

(بدر منیر کا بے نظیر کو اپنے باغ میں پہلے پہل دیکھنا)

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
درختوں کی ہے اوٹ ماہ مبین

کسی نے کہا، ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارہ پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح شب کا گیا اٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک ہول سے خوف کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

گئی ہند میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ‌جبیں

سرکنے کی واں سے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں
دئیے حیرت عشق نے گاڑ پاؤں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں جوانی کے دن

عیاں چستی و چابکی گات سے
نمود جوانی ہر اک بات سے

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

گئی اُس جگہ جب کہ بدر منیر
اور اُس نے جو دیکھا شہ بےنظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی - دل سے دل

وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹک
وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک

کہ وہ نازنیں منہہ جھجک موڑ کر
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر

ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
چھپا منہہ کو اور مسکراتی چلی

غضب منہہ پہ ظاہر ولے دل میں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کم‌بخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
چھپی جاکے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

(بےنظیر سے بدر منیر کی پہلی ملاقات)

بزور اس کو لاکر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

(بے نظیر کے ہجر میں بدر منیر کی حالت)

گئے اس پہ دن جب کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
در اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے ہاں جی چلو

جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے
تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے
کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
جو پانی پلانا تو پینا اُسے
غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے
نہ کھانے کی سدہ اور نہ پینے کا ہوش
بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش
غزل یا رباعی و یا کوئی فرد
اُسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں
نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں
سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب
نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل
زباں پر تو باتیں ولے دل اداس
پراگندہ وحشت سے ہوش و حواس
نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

و لیکن یہ خوباں کا دیکھا سو بھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

بدر منیر کا جوگن بن کر جنگل کو نکل جانا اور
چاندنی رات میں کدارا بجانا

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اُس کا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
اداسی وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ
بندھا اس جگہ اس طرح کا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
دیا یہ کہ جوگن کا منھ دیکھکر
ہوا نور و سایہ کا ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مل
ہوا بدھ گئی اُس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے باد صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا
کدارے کا عالم یہ تھا اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف پھیل پڑی

سوز

سید محمد میر نام، دھلي میں پیدا ھوے اور عمر کا بیشتر حصه وھیں صرف ھوا - آخر عمر میں لکھنؤ گئے اور وھیں کے ھو رھے -

شعر و سخن کا شوق ان کی فطرت تھا، ابتدا میں " میر " تخلص کیا جب میر تقي کا شھرہ اس تخلص سے سنا تو اس کو ترک کر کے " سوز " بن گئے -

" میر تقی " میر ان کے زور طبع کا اعتراف کرتے ھیں، میرحسن ان کے طرز ادا اور انداز شعر خواني کی تعریف کرتے ھیں -

شاعري کے علاوہ وہ شہسواري اور تیراندازی میں بھی کمال تھا طاقتور ایسے تھے که ان کی کمان کا چڑھانا ھر شخص کے بس کی بات نه تھی -

شاہ عالم کے عہد میں دھلی کی تباھی کے ساتھ " میر " بھی خانماں برباد ھوکر گھر سے نکلے، پہلے فرخ‌آباد گئے مگر قسمت نے یاوری نه کي پھر لکھنؤ پھونچے، سیاہ بختي سائے کی طرح ساتھ تھي، وھاں بھي ان کا رنگ نه جما - لکھنؤ سے مرشدآباد پھنچے وھاں بھي بہتري کي کوئی صور نه نکلی - کچھ دنوں بعد دوبارہ لکھنؤ گئے تو قسمت کا ستارہ چمکا، نواب آصف‌الدولہ کے سے آفتاب کرم کو مشورۂ سخن دینے اور سکون و اطمینان کي زندگی بسر کرنے لگے میر " سوز "

بزم تغزل میں شمع محفل ہیں ' خود جلتے ہیں اور محفل کو بھی گرماتے ہیں - سوز ' کے ساتھ کلام میں ساز بھی ہے - جذبات کے بیان میں بے ساختگی کا جوہر دکھاتے ہیں - زبان صاف اور بندش چست ہوتی ہے - محاورہ بندی کی طرف خاص توجہ رکھتے ہیں " سوز " کے انداز میں " میر " کا رنگ جھلکتا ہے -

" میر " " سوز " نے سنہ ۱۲۱۳ھ میں ۷۰ برس کی عمر پاکر لکھنؤ میں انتقال کیا -

انتخاب

اهل ایماں ''سوز'' کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب! راز دل ان پر بھي ظاہر ہو گیا

دیکھہ دل کو چھیڑ مت ظالم کہیں دکھہ جائیگا
ہاں بغیر از قطرۂ خوں اور تو کیا جائے گا

مندے گر چشم ظاہر دیدۂ بیدار ہو پیدا
در و دیوار سے شکل جمال یار ہو پیدا

جي ناک میں آیا بت گل‌فام نہ آیا
جینا تو اِلٰہي مرے کچھہ کام نہ آیا

قتل سے یہ بے گنہ راضي ہے اپنے اس لئے
ہاتھہ میں اک روز تو داماں قاتل ہوئیگا
ابر کے قطرے سے ہو جاتے ہیں موتي نا صحا
کیوں ہمیں رونے سے اپنے کچھہ نہ حاصل ہوئیگا

اپنے رونے سے گر اثر ہوتا   قطرۂ اشک بھی گہر ہوتا
''سوز'' کو شوق کعبہ جانے کا   ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا

نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اس کے کبھو اپنے
بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا
خدا یا کس کے ہم بندے کہاویں سخت مشکل ہے
رکھے ہے ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا
خدا کی بندگی کا ''سوز'' ہے دعویٰ تو خلقت کو
ولے دیکھا جسے، بندہ ہے اپنی خود نمائی کا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

قاضی ہزار طرح کے قصوں میں آ سکا
لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا
رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا
اس کو سراہئے جو ترا ناز اٹھا سکا

بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا
دو آنکھ موند ہم نے وہ من ہی من میں دیکھا

اس سوا کھوج نہ پایا ترے دیوانے کا
قطرۂ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا
مرے سوال کا منھ سے جواب نکلے گا

تو روز وصل تو اے "سوز" اپنے آنسو پوچھ
ابھی بہت ہے تجھے ہجر یار میں رونا

بتوں کے عشق سے واللہ کچھ حاصل نہیں ہوتا
انہوں سے بات کرنے کو بھی اب تو دل نہیں ہوتا

ساغر عیش دیا اوروں کو "سوز" کو دیدۂ پرنم بخشا

جس نے ہر درد کو درماں بخشا مجھ سے کافر کو بھی ایماں بخشا
چشم معشوق کو دی عیاری "سوز" کو دیدۂ گریاں بخشا

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
وابستہ ہوں چشم خوں چکاں کا

الٰہی! محبت کو لگ جائے لُو کا
کہ اٹھتا ہے ہردم جگر سے بھبوکا
فریب محبت نے مجھ کو پھنسایا
میں بھولا، میں بھولا، میں چوکا، میں چوکا

مرا قتل کیا دل ربانے نہ چاہا
وہ کب چوکتا تھا خدا نے نہ چاہا

یار اغیار ہو گیا ہیہات کیا زمانے کا انقلاب ہوا

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا
کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

دل تھا بساط میں سو کوئی اس کو لے گیا
اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا

بہم اس سے ہم سے بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
ولے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منھ کہ ہنسا دیا

پوچھے ہے مجھ کو سنیو عاشق تو سچ ہے میرا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا

جن کے نامے پہونچتے ہیں تجھ تک
کاش میں ان کا نامہ بر ہوتا

دعویٰ کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بو کا
ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منھ پہ تھوکا

" سوز " کیوں آیا عدم کو چھوڑکر دنیا میں تو
واں تجھے تھی کیا کمی ؟ یاں تجھ کو کیا در کار تھا

بہت چاہا کہ تو بھی مجھ کو چاہے
مگر تونے نہ چاہا پر نہ چاہا

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ہوگا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تونے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہو اے صبا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا ، میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے مرے خدا عجب

صاحبو! طوف دل‌مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبے میں دھرا کیا ہے بغیر از سنگ وخشت

مجھ کو ترے نہیں ہے کچھ خیال خوب و زشت
ایک ہے اس کو ہوائے دوزخ و باغ بہشت
ناصحا گر یار ہے ہم سے خفا تو تجھ کو کیا
چین پیشانی ہی ہے اس کی ہماری سر نوشت

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

قیامت کا بھی دھڑکا "سوز" کے دل سے نکل جائے
خداوند! گذر قاتل کا ہو گور غریباں پر

ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

یوں دیکھ لے ہے وہ کہ ادا کو نہ ہو خبر
چھینلے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ہو خبر
عشاق تیرے تیغ تلے اور ستم پناہ
سر اس طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ہو خبر

کم نہیں ہوتا غبار خاطر جاناں ہنوز
خاک سے میرے جھکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

مرضی جفائے چرخ کی بے داد کی طرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کی طرف

دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ہیں اب زیادہ
اے لالہ داغ دل کے کرلیں شمار ہم تم
تو میرے دل کو دیکھے میں تیرے دل کو دیکھوں
دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ہم تم

دل ہے یا میں ہوں، میں ہوں یا دل ہے
اور اب ہم کنار کس کا ہوں

قاتل پکارتا ہے ' ہاں کون کشتنی ہے
کیوں " سوز " چپ ہے بیٹھا کچھ، بول اٹھ، نہ ہاں ہوں

سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں
جینے مسافروں کو دیتی نہیں نگاہیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
" سوز " ! عاشق کا یہ شعار نہیں

میں وہ درخت خشک ہوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر ' یہ پدر ' یہ خویش ' یہ فرزند ہیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
جانتے اتنا نہیں سب خاک کے پیوند ہیں

ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو
تنہا نہیں ہوں بھائی با نالۂ و فغاں ہوں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اس میں کچھ میرا اختیار نہیں

اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے
تصویر ہوں و لے لب حسرت گزیدہ ہوں

بس غم یار ایک دن دو دن
اس سے زیادہ نہ ہو جیو مہماں

جلوں کی بری آہ ہوتی ہے پیارے
تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو

خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

دل سا رفیق میرا تونے جدا کیا ہے
لے عشق جی بھی لے چک! تیرا اگر بھلا ہو

کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو
واں ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو
بال باندے جنھیں کہتے ہیں یہی عاشق ہیں
کیا چھڑاوے کوئی زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاشقو سر رشتۂ تدبیر کو

او جانے والے اُس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ

ہرچند میں لائق تو نہیں ترے کرم کے
لیکن نگہہ لطف سے تک آنکھ اٹھا دیکھ

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ الحمدللہ الحمدللہ
جھوٹے کے منھ میں آگے کہوں کیا استغفراللہ استغفراللہ

راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاہئے

جس کو نہ ہو شکیب، نہ تاب فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اُس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

مت کیجئے خیال کل ملیں گے
ہے پل میں یہ خواب زندگانی

مثل نے ' ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے
سبھوں سے پوچھتا ہے اس کو کس نے مار ڈالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے' یہ شخص عاشق ہے کہیں
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

کہوں کس سے شکایت آشنا کی
سنو صاحب ! یہ باتیں ہیں خدا کی

دونوں جہان سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

اثر

سید محمد میر نام ' خواجہ عندلیب کے بیٹے ' خواجہ "میر" درد کے بھائی تھے ' دھلی مولد اور مسکن تھا - خواجہ " میر " درد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی - علوم و فنون کي تحصیل اساتذہ دھلی سے کي ' ریاضي میں خواجہ احمد دھلوی کے شاگرد ھوکر استاد یگانہ ھوگئے - تصوف میں اپنے خاندان کے پیرو تھے موسیقي میں بھي کمال تھا - تذکرہ میر " حسن " میں ھے :-

" درویش است موقر' صاحب سخنے است موثر' عالم و فاضل ' رتبۂ قدرش بغایت بلند " اثر کي شاعری درد کا آئینہ ھے ' وہ جو کچھ کہتے ھیں بے ساختگي سے کہتے ھیں ' لیکن لوازم شاعري سے بے خبر نہیں رھتے - زبان بھی ایسی میٹھي کہ قند گھولتے ھیں محاورات دل نشین سے دلوں پر اپنا سکہ بٹھاتے ھیں غزل میں عشق ' تصوف ' اخلاقیات ' پند و نصائح سب کچھ اس انداز میں کہتے ھیں کہ دل میں اترتا چلا جاتا ھے پند و نصیحت کی تلخی میں طرز ادا کی شیرنی اس طرح ملا دیتے ھیں کہ غذائے روحاني بن جاتي ھے - خواجہ " میر " درد کی طرح مختصر الفاظ میں وسیع معاني پھناتے ھیں - اور معمولي ترکیبوں میں طلسم بندی کا لطف دکھاتے ھیں ' غزلوں کا

ایک مختصر دیوان ہے جو ناقدری کے ہاتھوں کم یاب تھا ، لیکن اب مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع کیا ہے - خواب و خیال نام کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کو ایک زمانہ میں بڑی شہرت حاصل تھی -

خواجہ اثر نے سنہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے وفات پائی -

اِنتخاب

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا
ساقی بہ یک نگاہ، مرا کام ہو گیا

منت رہےگی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا، پہ ہم کو تو آرام ہو گیا

میرے تئیں تو کام نہ تھا ان بتوں سے آہ
پر، دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا

کبھو منھ بھی مجھے دکھائیے گا
یا یونہیں دل مرا دکھائیے گا

دیکھ لیجو، یہ انتظار مرا ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا
''اثر'' اب تو ملے ہے تو اس سے پر یہ ملنا مرا دکھاوے گا

بے وفائی پہ تیرے جی ہے فدا قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

ہو جائیں گے جور اس کے معلوم داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا دل میں ''اثر'' اُس کے راہ کرنا

جی اب کے بچا خدا کر پھر اوو بتوں کی چاہ کرنا

یہ خاک نشیں، تیرے سر راہ جو بیٹھا
جوں نقش قدم مرهی متا لیک نہ سر کا

عشق تیرے کا، دل کو داغ لگا
دیکھ تو بھی، نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا جب تجھے ڈرکے اک نظر دیکھا

بے طرح کچھ گھلائے جاتا ہے شمع کی طرح دل کو چور لگا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا
کون سا دل ہے وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

نہ رہی گو کہ خاک بھی اپنی
تیرے خاطر میں پر غبار رہا
ساری مجلس میں تیری اے ساقی
ایک اپنے تئیں خمار رہا

حق تری تیغ کا ادا نہ ہوا
اپنی گردن پہ سر یہ بار رہا
تو نہ آیا ولے "اثر" کے تئیں
مرتے مرتے بھی انتظار رہا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہ ہی خیال رہا
شمع ساں جلتے بلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا
دل نہ سنبھلا اگرچہ، میں تو اسے
اپنے مقدور تک سنبھال رہا

دل تو اودھر سے اٹھ نہیں سکتا
ہاتھ اب کس طرح اٹھائے گا

اب توقع کسے بھلائی کی — دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا
بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا — قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

کبھو کرتے تھے مہربانی بھی — آہ وہ بھی کوئی زمانہ تھا
تو نہ آیا ادھر کو ورنہ ہمیں — حال اپنا تجھے دکھانا تھا
کیا بتاویں کہ اس چمن کے بیچ — کہیں اپنا بھی آشیانہ تھا

گر کے اٹھا نہ پھر میں قطرۂ اشک
کوئی ایسا بھی کم گرا ہوگا

تیرے ہاتھوں سے میں ہلاک ہوا
مفت ہی مفت جل کے خاک ہوا

دل سے فرصت کبھو جو پائیے گا
حال اپنا تجھے سنائیے گا

زیست ہو تو تعجبات ہے اب   مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت
واہ اپنی بھی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن
نہ ہوا دوست وہ بھی یا قسمت

شمع فانوس میں نہ چھپ کہ چھپی
کب چھپے ہے یہ منھ نقاب کے بیچ

شب زندہ دار یوں "اثر" مردہ دل ہو "درد"
مانوں نہ پیرا تیری کرامات کس طرح ؟

جوں گل تو' ہنسے ہے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلاکر
مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے
تک رام کیا خدا خدا کر

دل سے گزر کے ' نوبت پہونچی ہے ' گو کہ جاں تک
تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ہو یارب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
تھامتا ہوں " اثر " میں آہوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی
یارب؟ آرام' دل کو ہو وے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں' پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے "اثر" کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانا تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اسے چاہئیے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے ایک بھی گل نے پر سناھی نہیں

واہ رے عقل، تجھ سے دشمن سے دوستی کا گمان رکھتا ہوں

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ھی نہیں
پر ھمیں آہ کچھ خبر ھی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری جو معتبر ھی نہیں
تیری اُمید چھٹ نہیں امید
تیرے در کے سوائے در ھی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ھی راس نہیں
تو ھی بہتر ھے آئینہ ہم سے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ھے
پر "اثر" کی ھمیں تو آس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
فریاد ہے یہی، کوئی فریاد رس نہیں

تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں، سو یقیں ہوا
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اس کا گماں نہیں

مر تو چلے، کہاں تئیں اب در گزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں، پہ اب نہیں تو تو جہاں نہیں

یہ دولت مند ہیں پابند انواع گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

اسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقش قدم نہیں ہیں یہ لوح مزار ہیں

کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں

یا خدا پاس ، یا بتاں کے پاس　　دل کبھی اپنا، یاں رہا ہی نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے　　مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

ایک تیرے ہی بات کے لئے ہم
باتیں سو سو سبھوں کی سہتے ہیں

جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھے　　اس دل بے قرار کے ہاتھوں
رو برو دیکھنا محال ہوا　　دیدۂ اشک بار کے ہاتھوں
کام اپنا آخر تمام ہوا　　اس دل نابکار کے ہاتھوں

کیا کہوں اپنی میں پریشانی
دل کہیں، میں کہیں ہوں، دھیان کہیں

بے وفا تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

بے وفا کچھ تری نہیں تقصیر　　مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

بے گناہوں سے دل کو صاف کرو　　نہیں تقصیر، پر معاف کرو

نہ لگا ' لے گئے جہاں دل کو   آہ لے جائیے ' کہاں دل کو
یوں تو کیا بات ہے تری لیکن   وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو
آزمانا کہیں نہ سختی سے   دیکھیو! میرے ناتواں دل کو

جو سزا دیجیے ' ہے بجا مجھ کو   تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

مانا "اثر" کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹتی نہ آج یہ شب اِنتظار کی
تک آکے سیر کر جگرداغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اس بت بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے   آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم لگی ہے کیا کیا کچھ   جان ہے تو جہان اپنا ہے
غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا   دشمن اپنا گمان اپنا ہے

کیجئے نا مہربانی ہی آکر   مہربانی اگر نہیں آتی
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن   رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے هیں یار اتا هے　　دل! تجھے اعتبار آتا هے ؟
دوست هوتا جو وہ تو کیا هوتا　　دشمني پر تو پیار آتا هے

بیگانہ تو کس حساب میں هے　　رکھے نہ توقع آشنا سے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا هے　　بندہ ، بندہ خدا ، خدا هے
اس بحر میں جوں حباب سب کے　　سر میں بھري اور هی هوا هے

هیں حیرت هے اپھی، تجھ کو دیویں کیا جواب اس کا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح هم نے زندگاني کي

یارب قبول هو وے اتني دعا تو بارے
دونوں جہان هارے عاشق، پہ جی نہ هارے
هے ایک بار مرنا برحق کسي طرح هو
جو آپ جي کو مارے پھر کون اس کو مارے
هم راست گو مسلماں حق هی بتاں کہیں گے
تم بندے هو خدا کے، هم بندے هیں تمہارے

دل جو یوں بے قرار اپنا هے　　اس میں کیا اختیار اپنا هے
جو کسو کا کبھی نہ یار هوا　　وهی قسمت سے یار اپنا هے
روز و شب آہ و نالہ و زاری　　اب یهی کارو بار اپنا هے

سخت جانی "اثر" کی دیکھئے آہ
اس ستم پر جئے ہی جاتا ہے

آتش عشق، قہر آفت ہے — ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا — یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

فرض آئینہ داری دل سے — تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے
تیرے در پر بسان نقش قدم — نقش اپنا ہمیں بٹھانا ہے
ہر طرف توڑ جوڑ کرتے ہو — دل بری ایک کارخانہ ہے

دیکھتا ہی نہیں وہ مست ناز — اور دکھلاوں حال زار کسے

"اثر" اب تک فریب کھاتا ہے — تیرے وعدوں کو مان جاتا ہے
میں بھی ناصح اسے سمجھتا ہوں — گو برا ہے پہ مجھ کو بھاتا ہے

کام کیا تجھ کو آزمانے سے — قتل کرنا ہے ہر بہانے سے

نہ ملوں جب تلک کہ تو نہ ملے
اب یہی قصد دل میں ٹھانا ہے
وعدے کر انتظار میں رکھنا
نت نئی طرح کا ستانا ہے

کہیں ظاہر یہ تیری چاہ نہ کی
مرتے مرتے بھی ہم نے آہ نہ کی

ہم غلط احتمال رکھتے تھے
تجھ سے کیا کیا خیال رکھتے تھے
نہ رہا انتظار بھی اے یاس
ہم امید وصال رکھتے تھے

بھولنا یوں بھلا یہ یاد رہے
غم رہا ہم کو تم تو شاد رہے
دل دہی سب کی، میری دل شکنی
بارے اتنا تو اعتماد رہے

اسکو سکھلائی یہ جفا تونے
کیا کیا اے مری وفا تونے

صرف غم ہم نے تو جوانی کی
واہ کیا خوب زندگانی کی
نہیں طاقت کہ دم نکال سکوں
اب یہ نوبت ہے ناتوانی کی

دل ربائی و دل بری تجھ کو
گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی
کیا کہیں آہ میں کسو سے حضور
نیند کس بات پر نہیں آتی
نہیں معلوم دل یہ کیا گزری
ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی

ایک تیرا خیال بیٹھ گیا
دل سے خطرے تو سب اُٹھائے تھے

بہ گیا سب میں اپ ہو کے گداز
شمع ساں اشک کیا بہائے تھے

حرف نکلا نہ اس دہن سے کبھو
کام نکلے ہے چشم و ابرو سے

تیرے کوچے میں آ کے جو بیٹھے
جان سے اپنی ہاتھہ دھو بیٹھے
حال اپنا کسو سے کیا کھئے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

نگہ گرم سے پگھلتا ہے   دیکھہ یہ اٹنہ نہیں دل ہے

نفع یاں تو گماں اپنا ہے   سود بے شک زیاں اپنا ہے
شورش اشک و آہ کی دولت   سب زمیں آسمان اپنا ہے
تیرے کوچہ میں مثل نقش پا   ہر قدم پر مکان اپنا ہے

جرأت

نام قلندر بخش، اصلی وطن دهلی، باپ کا نام حافظ امان تھا ان کے آبا و اجداد بادشاهوں کے "دربان" تھے، "جرأت" نے فیض‌آباد میں نشو و نما پایا - جوانی سے پہلے آنکھوں سے معذور هو گئے تھے، موسیقی اور ستار نوازی کے ساتھ، شعر گوئی کا بھی شوق پیدا هوا، جعفر علی "حسرت" سے اصلاح لینے لگے - کثرت مشق اور پر گوئی نے ان کے کلام میں غیر معمولی روانی اور دل نشیں سلاست پیدا کردی - شیخ جرأت نے لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں بھی خوب شہرت حاصل کی اول نواب محبت خاں کی سرکار میں پھر مرزا سلیماں شکوہ کے دربار میں ملازم رهے - جرأت نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی هے مگر ان کی طبیعت کا اصلی رحجان غزل گوئی کی طرف تھا اس لئے اسی صنف میں کمال حاصل کیا - پرگوئی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک زمین میں تین تین چار چار غزلیں کہتے چلے جاتے هیں اس پرگوئی کا نتیجہ هے کہ ان کے کلام میں کہیں کہیں بے مزہ تکرار پیدا هوگئی هے - زبان کی صفائی اور روانی اور محاورہ بندی کی طرف بہت توجہ رکھتے هیں معاملہ بندی ان کا خاص شیوہ هے اور اس خصوص میں ان کا پایہ اس دور کے شعرا میں سب سے بلند هے -

جرأت کے تلامذہ کی تعداد خاصی تھی اور اکثر ان کے نقش قدم پر چلتے تھے - انہوں نے لکھنؤ میں سنہ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی - "انشاء" نے تاریخ کہی (هائے هندوستان کا شاعر موا)

انتخاب

آے جو مرقد پہ میری، سو مکدر ہو گئے
خاک ہو کر بھی غبار خاطر یاراں ہوا

محمد ہے نبی، ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ گر اس کی مدح، دعوی ہے خدائی کا

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشن گیتی کا کوئی رنگ نہ بھاتا

رتبہ گل بازی کا دلا! کاش تو پاتا
هاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائی پہ اپنے ہوں نپٹ ششدرو حیراں
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
جلد اپنی گلی سے نہ نکالو مجھے اے جاں
جاتا تو ہوں میں یاں سے، پہ جایا نہیں جاتا

کیفیت محفل خوباں کی نہ اس بن پوچھو
اس کو دیکھوں نہ، تو پھر دے مجھے دکھلائی کیا ؟

دل کي بے تابی نے مارا هي تها ، مجهہ کو صاحب
هاتهہ سینے پہ جو اس دم نہ تمهارا هوتا
شکر تم آگئے گهر اس کے ، نهیں "جرأت" نے
سر اتها کر ابهي دیوار سے مارا هوتا

جس طرف دیکهتا هوں میں اس بن یہ نہیں جانتا کدهر دیکها
درد کي طرح جان "جرأت" کو تو هي آیا نظر جدهر دیکها

سب سے پہلے عشق کي دریا میں چلتی هے هوا
وائے قسمت اپني هے کشتی کا لنگر کهل گیا
اشک سرخ آتی هیں شاید دل کا پهوتا آبلہ
بارے یہ عقدہ ترا اے دیدۂ تر کهل گیا

گر بیتهتے هیں محفل خوباں میں هم اس بن
سر زانو سے اتهتا نہیں دو دو پهر اپنا
یا آنکهوں سے اک آن نہ هوتا تها وہ اوجهل
یا جلوہ دکهاتا نہیں اب یک نظر اپنا
رونے سے تیرے کیا کہیں اے دیدۂ خوں بار
یہ خاک میں ملتا هے دل اپنا جگر اپنا

وہ گئے دن کہ سدا میکدہ هستي میں
بادۂ عیش سے لبریز تها ساغر اپنا

ہم نشیں ! اس کو جو لاتا ہے تو لا جلد کہ ہم
تھامے بیٹھے رہیں کب تک دل مضطر اپنا
غم زدہ اٹھ گئے دنیا ہی سے ہم آخر آہ
زانوے غم سے و لیکن نہ اٹھا سر اپنا

بہت ایذا اٹھائی ، لے اجل بس آشکارا ہو !
کہ صدمہ اب تو اس دل نہاں کا اٹھ نہیں سکتا
رکھا تھا بار عشق اک دن جو اس نے پشت پر اپنی
سو اب تک سر زمیں سے آسماں کا اٹھ نہیں سکتا
چلا جو اٹھ کے وہ تو کب یہ "جرأت" ہے کہ میں روکوں
ادب سے ہاتھ بھی مجھ بے زباں کا اٹھ نہیں سکتا

سارے عالم ہی سے بیزار وہ کچھ بیٹھا ہے
آج "جرأت" کو خدا جانے یہ کیا دھیاں بندھا

یہ از گل جانتا ہوں چاک میں اپنے گریباں کا
مجھے گلزار سے کیا ؟ ہوں میں دیوانہ بیاباں کا
سیاہی نزع کے دم کی سی چھا جاتی ہے آنکھوں میں
نظر آتا ہے اب جوں جوں اندھیرا شام ہجراں کا

هوئي يه محو هم تيري که گذرے دين و دنيا سے
نه انديشه هے کچهه ياں کا هميں نه فکر هے واں کا
تڑپ کر بستر اندوه پر هم مرگئے آخر
کسي پر غم هوا ظاهر نه اپنے درد پنهاں کا
دل مجروح سينه ميں کرے هے سخت بے تابي
اب اس گل کا ٿوٿتا آه پهر شايد کوئي ٹانکا

جنوں سے ديکهو رتبه ميرے حال پريشاں کا
قدم بوسے کو آيا چاک تا دامن گريباں کا
نه آيا اس فلک کو اور کچهه آيا تو يه آيا
گهٹانا وصل کي شب کا بڑهانا روز هجراں کا

گر يهي هردم کا غم کهانا هے تو اے هم دمو
ديکهه ليجو اک نه اک دن غم مجهے کها جائے گا
مت بلاؤ بزم ميں "جرأت" کو هے آتش زباں
کهه کے کچهه آتش دلوں کي سب کے بهڑ کا جائے گا

وعده يه اس کے توڑے هے ياں کوئي اپني جاں
اچها قرار کر کے وه پيماں شکن گيا
اب هم هيں اور شام غريبي کي ديد هے
مدت سے وه نظارۂ صبح وطن گيا

بس ناصحا یہ تیر ملامت کہاں تلک
باتوں سے تیری آہ کلیجا تو چھن گیا
کس کس طرح سے کی خفگی دل نے مجھ سے آہ
روٹھا کسی کا یار کسی سے جو من گیا

همدموا میری سفارش کو تو جاتے ہو ولے
کہیں واں جاکے نہ کچھ اور خلل کر آنا

سچ تو یہ ہے بے جگہ ربط ان دنوں پیدا کیا
سوچ ہے ہر دم یہی ہم کو کہ ہم نے کیا کیا
دم بدم حسرت سے دیکھوں کیوں نہ سوے چرخ میں
اس نے اوروں کا کیا اس کو، ہمیں جس کا کیا
وہ گیا اٹھ کر جدھر کو میں ادھر حیران سا
اس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

دل ملے پر بھی ملاپ ایسی جگہ ہوتی رہی
ہم اِدھر تڑپا کئے اور وہ اُدھر تڑپا کیا

حیراں ہوں میں غریب کہ پوچھوں یہ کس سے بات
رستہ کدھر ہے منزل مقصد کی راہ کا

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اس کے دوں
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا
یہ بخت سوگئے کہ ترستے ہیں اس کو بھی ـــ
وہ دیکھنا جو خواب میں تھا گاہ گاہ کا
تیرے مریض غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
اک تار بندہ گیا ہے فقط آہ آہ کا

کل جو رونے پر مرے تک دھیان اس کا پڑگیا
ہنس کے یوں کہنے لگا کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا

جو دم، لب پہ گھبرا کے آنے لگا
تو شاید مرا دل ٹھکانے لگا
میں رو کر جو کہنے لگا درد دل
وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا
یہ کون آکے بیٹھا کہ محفل سے وہ
اشاروں سے مجھ کو اٹھانے لگا

ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں
راہ لے اپنی چل اے بادصبا تجھ کو کیا
ہاتھ اٹھانے کا نہیں عشق سے میں اے ناصح
تو نصیحت سے مرے ہاتھ اٹھا تجھ کو کیا

کچھ الم، کچھ درد ہے، کچھ سہو ہے، کچھ محو ہے
بھول جاتا ہے، ترا بیمار اٹھنا بیٹھنا
ہے قیامت نشہ مے سے ترا نام خدا
لو کھڑا گر، اے بت مے خوار ! اٹھنا بیٹھنا

کیوں ہو حیران سے، کیا آئنہ دیکھا پیارے
کچھ تو بولو کہ یہ کس نے تمہیں خاموش کیا
جام مے کی نہیں اب ہم کو طلب اے ساقی
بس ترن آنکھ دکھانے ہی نے مدھوش کیا

خدا جانے کدھر جاتے ہیں ہم؟ ہوکر زخود رفتہ
یہ کہنا جب کسی کا یاد آتا ہے "اِدھر آنا"
ہوا نظروں سے وہ غائب تو ہم آنکھوں کو رو بیٹھے
کسی شکل اب نظر آتا نہیں اس کا نظر آنا
مری یہ چشم پر خوں، بات کہنے میں بھر آتی ہے
مجھے مشکل نظر آتا ہے زخم دل کا بھر آنا
جواب خط کی جا، اب دل میں رہ رہ کر یہ آتا ہے
کہ شاید اس گلی میں جا کے بھولا نامہ بر آنا

بلائے جان تھی ہستی، بہ قول "جرأت" آہ
بلا سے جاں گئی میں عذاب سے چھوٹا

درد الفت نے یہ کچھ صورت بنادی ہے کہ آہ
جو ملا غم خوار ہم کو، سو تماشائی ملا

عالم بتاں! کرے ہے جو وسعت دو عالم
اس سے وسیع اپنے ہے دل کا ایک کرنا

بہ‌صد آرزو جو وہ آیا تو یہ حجاب عشق سے حال تھا
کہ ہزاروں دل میں تھیں حسرتیں اور اُٹھانا آنکھ محال تھا
جو چمن سے دور قفس ہوا تو میں اور اسیر ہوس ہوا
یہ جو ظلم اب کی برس ہوا یہی قہر اگلے بھی سال تھا

نواسنجی سے دل لبریز ہے مجھ محو حیرت کا
بہ‌رنگ بلبل تصویر پر بولا نہیں جاتا
رہی ہے بے قراری دل کو وصل و ہجر میں یکساں
خدا جانے یہ کیا سمجھا ہے کچھ سمجھا نہیں جاتا

نکلے ہے بے خودی ہی کا کلمہ زبان سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

اس بن کسی سے ملنے کو جی چاہتا نہیں
گویا کہ جگ سے ہم گئے اور ہم سے جگ گیا

پر از گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا
تری دولت سے بس اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

ترے بیمار کو دیکھا تو کچھ جنبش نہ تھی تن میں
کسی کو پر وہ آنکھوں کے اشارے سے بلاتا تھا

الٰہی پڑگئی آفت یہ کیا تاثیر الفت پر
وہی یہ جذبۂ دل ہے جو اس کو کھینچ لاتا تھا
خدائی ہے کہ وہ تب اب منائے سے نہیں منتا
وگرنہ روٹھتے تھے اس سے ہم اور وہ مناتا تھا

پردہ مت منہ سے اٹھانا زنہار　　مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

کچھ بہت تم ہنستے ہو مرنے پہ مجھ بیکس کے آہ
یہ تو تھی رونے کی جا پیارے تماشا کچھ نہ تھا

درد دل ہے جو دم لگا رکنے　　سانس لینا مجھے محال ہوا

صیاد نہ کر منع کہ گلشن کی ہوس میں
تڑپیں نہ تو، یہ مرغ گرفتار کریں کیا

آتا ہے نہ تو یاں، نہ ترے بن ہے ہمیں چین
جینا ہی ہوا ہے ہمیں دشوار کریں کیا ؟

نہیں چھوڑتے تجھ کو جوں سایہ ہم
ترے ساتھ ہیں، تو جدھر جاے گا

سینہ میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغ خوش آہنگ اُڑ گیا

جہاں کچھ درد کا مذکور ہوگا   ہمارا شعر بھی مشہور ہوگا

ہستی ہے جوں حباب، پہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا
لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

ہم ہیں وہ جنس کہ کہتے ہیں جسے غم "جرأت"
ہے محبت کے سوا کون خریدار اپنا

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

ڈھونڈھ کر تجھ سے پری زاد کو دل میں نے دیا
ہوں اب اس بات سے میں آپ ہی مفتوں اپنا

کیسا پیام؟ آکے یہ تو نے صبا دیا
مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا
آتے ہی یار کے جو میں سوتے سے چونک اٹھا
یہ کون جاگتا تھا کہ جس نے جگا دیا
کیا اپنے دل کو روؤں میں ''جرات'' کہ عشق نے
مانند شمع آہ مجھے سب جلا دیا

اے جنوں! ہاتھوں سے تیرے آتے ہی فصل بہار
مثل گل، یہ جیب و دامن ناگہاں ٹکڑے ہوا

''جرات'' کو قتل کر کے پشیمان کیوں ہے تو
ظالم وہ اپنے جی سے گیا تجھ کو کیا ہوا

پوچھتے کیا ہو ہمارا بود و باش اے دوستو
جس جگہ جی لگ گیا اپنا وہی مسکن ہوا

یا وہیں کا ہو رہےگا، یاعدم کو جائے گا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائے گا
کیسے ویرانے میں پھینکا مجھ کو تونے اے فلک
کون یاں جز ابر میری خاک پر رو جائے گا

آوارہ گرچہ اور بھي عالم میں ہیں بہت
لیکن نہیں کوئي دل خانہ خراب سا
بحر جہاں کے دید سے غافل نہ رهیو تو
نادان! یہ تجھ میں دم ہے کوئي دم حباب سا

قدر پھر اپنی ہو کیا، اس کے خریداروں میں
روز و شب جس کے گلی میں رہے بازار لگا
کھینچے کیوں کر نہ اُسے بادشہ کشور حسن
کہ جہاں جا کے وہ بیٹھا وهیں دربار لگا

میں ہوں خورشید سر کوہ یقیں ہے وہ ماہ
آئے گا بام پہ تب، جب کہ میں ڈھل جاوں گا

اے خیال شمع‌رویاں تو سدا روشن رہے
خانۂ دل کو مرے تونے تو روشن کر دیا

وہ اُٹھاتا ہے گلی سے اور میں اُٹھ سکتا نہیں
اب تو جی ہونے لگا اس ناتواني سے نڈھال

کچھ نصیحت نے نہ کي تاثیر گو اک عمر تک
مجھ کو ناصح اور میں اس دل کو سمجھاتا رہا

جس کو تو ڈھونڈے ہے وہ ہم نشیں جاتا رہا
جان تو مجھ پاس ہے، پر دل کہیں جاتا رہا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن کی خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

سوچ رہ رہ کر یہی آتا ہے اے "جرأت" مجھے
خلق کرنے سے مرے خالق کو حاصل کیا ہوا

یک بار تیرے ہجر میں برباد ہو گیا
جتنا کہ آہ دل میں مرے صبر و تاب تھا

بزم میں کل نگہ مست سے اس کی یا رو
کوئی ایسا نظر آیا نہ کہ مدہوش نہ تھا
آج اس کوچے میں کیا جا کے تو سن آیا ہے
"جرأت" ایسا تو کبھی آگے تو خاموش نہ تھا

تیرے محبوس نے شاید کی رہائی پائی
شب کو اک شور عجب وضع کا زنداں میں رہا

آہ جب کوچۂ جاناں ہی میں جانا نہ رہا
تو کہاں جائیں کہ جانے کا ٹھکانا نہ رہا

تھی یہ خواهش کہ کرے هم پہ ترحم کي نظر
سو وہ اب قہر سے بھي آنکھ دکھانا نہ رہا

"جرات" اب کہوں کہ بچے جان کہ آہ
زهر غم دل میں اثر کر هی گیا

دل تجھ سے جو بے درد سے میں یار لگایا
اک جان کو سو طرح کا آزار لگایا
چل سیر کو تک تو بھی کہ سودائي نے تیرے
بازار نیا اک سر بازار لگایا

یاں جي هي ٹھہرتا نہیں مجھ خستہ جگر کا
واں تم جو ارادہ کئے بیٹھے هو سفر کا

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
هوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

اس کا بیمار نہ نکلا کبھو باهر "جرأت"
گھر سے تابوت هي آخر میں نکلتے دیکھا

یہ خاک بہ سر تو اے پیارے کوچہ ھی میں تیرے گھر کرے گا
یا ہم ھي نہیں ھیں، یا نہیں غیر اودھر کو جو تو نظر کرے گا

آج کی رات کٹے دیکھئے کس مشکل سے
دوستی وعدۂ دیدار سحر پر رکھا
ھاتھ "جرأت" کے جو سنگ رہ دل دار لگا
کبھی چھاتی سے لگایا کبھی سر پر رکھا

دل لے کے پھر دوبارا وہ اس طرف نہ آیا
کیوں آشنا ہوا تھا میں ایسے بے وفا کا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ھوا اور بھی دعویٰ اسے یکتائي کا

مرگیا درد اٹھا کر جو وہ تنہائی کا
کوئي اٹھاتا نہیں لاشا ترے شیدائی کا
ایڑیاں کیونکہ نہ رگڑیں کہ دیا دل اس کو
جس کے در پر نہیں مقدور جبیں سائی کا
کوئے جاناں ھے یہ ٹک دیکھیو اے ھمدم ھاتھ
کہ ٹھہرتا نہیں یاں پاؤں شکیبائي کا

دے کیا چلتے وقت دل پر داغ مَیں تو بندہ ہوں اس نشانی کا

کہیو صبا جو ہووے گذر کوئے یار میں
دل سب طرف سے، آپ کے جانے سے اُٹھ گیا
ہمدم نہ مجھ کو قصہ عیش و طرب سنا
مدت سے دل کچھ ایسے فسانے سے اٹھ گیا

میں باغ جہاں شجر سوختہ ہوں گا
کیسی ہی بہار آئے نہ پھولوں نہ پھلوں گا
اوسان نہیں رہتے جو دیکھ اُس کو کہوں کچھ
یوں کہنے کو کہتا ہوں کہ کیا کیا نہ کہوں گا

آن پہونچا نہ وہ اور جان لبوں پر پہونچی
دیکھ اب دیر نہ اے عشق کی تاثیر لگا
نگاہ قہر سے وہ دیکھ، روتے ہم کو دیکھے ہے
اثر اتنا تو دیکھا ہم نے اپنے اشک باری کا

گر آزمانی ہے مری الفت تو جلد یاں دم نزع
تم آن پہونچو کہ ہے وقت امتحاں پہونچا

دم کا ہے کیا بھروسا کب تک رکا کرے گا
اے دل ترا تڑپنا کیا جانیں کیا کرے گا

اب اٹھ کے بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے
کب تک یہ درد پیارے دل میں اٹھا کرے گا

تجھے کیا دیکھوں اے خورشید عالم
کہ عالم یاں تو جوں شبنم ہے میرا
اُلجھ پڑنے کو جی ہر ایک سے ہے
مزاج اس بن یہ کچھ برہم ہے میرا
ہوا بڑھنے سے درد دل کے ظاہر
کہ جینا کچھ بہت اب کم ہے میرا

ہمدم نہ پوچھو حال سنایا نہ جائے گا
یہ ضعف ہے کہ لب بھی ہلایا نہ جائے گا
تو ہی اب اِس مریض محبت کی لے خبر
"جرأت" سے تیرے در تک اب آیا نہ جائے گا

لو مبارک ہو کہیں آنکھیں تمہاری بھی لگیں
تم بھی اب رونے لگے دو دو پہر اچھا ہوا

خیال اپنا ہمیں جس نے لگایا
نہ آیا خواب میں بھی وہ نہ آیا

ہوئي قسمت میں آخر تلخئي مرگ
مزا یہ زیست نے اچھا چکھایا

دیکھنا دشوار ہے اب اس بت دل خواہ کا
ہم کو یہ در پردہ گویا عشق ہے اللہ کا

ایک عالم جس پہ غش ہے وہ خدا جانے ہے کیا
ہم نے تو عالم نہ دیکھا یہ کسي انسان کا

سارے عالم سے دلا تو کس لئے بیزار ہے
ان دنوں میں پھر کوئی تجھ سے خفا کیا ہو گیا

کسي نسخہ میں پڑھے تھا وہ مقام دل نوازی
مجھے آتے جوں ہي دیکھا ورق کتاب الٹا

دے سکیں جس کا نہ ہم تم کو جواب — منھ سے وہ بات نہ فرمائیے گا
ہو در یار پہ سجدہ جو نصیب — سر کو پھر واں سے نہ سرکائیے گا
ناصحو آپ میں "جرأت" نہ رہا — اب سمجھ کر اسے سمجھائیے گا

اڑادي خاک مري تونے ہائے صرصر آہ
فنا ہوے پہ بھي میرا نہ واں غبار رہا

نہ دیکھا مڑکے بھي یاران رفتگاں نے مجھے
میں ناتواں انھیں کس کس طرح پکار رھا
لگاؤں چھاتی سے ''جرأت'' نہ کیوں کہ اس کو کہ یہہ
وہ ھاتھہ ھے کہ کس کے گلے کا ھار رھا

کر بند نہ اشک چشم تر کر   بہتر ناسور کا ھے بہنا
اللہ رے سادگي کا عالم   درکار نہیں کچھہ ان کو گہنا

مجھے اس شمع رو کے غم میں جیتا دیکھہ کر یارو
تصدق آن کر ھوتا ھے لاکھوں بار پروانا
قیامت کے بھي دن سے ھجر کا دن سخت ھوتا ھے
خداوندا! یہ مجھہ کو دن نہ دکھلانا نہ دکھلانا

دل کي خبر نہ پوچھو کچھہ آج کل عزیزو
کیا جانیں دل کہاں ھے دو چار دن سے اپنا

جوش وحشت سے عجب صبح تھي یہ ایام بہار
یعنی کس وقت گریباں مرے داماں میں نہ تھا

حباب وار ھے آنکھوں میں جان مرغ اسیر
چمن تک اب تو قفس اس کا باغباں پہونچا

آغاز محبت میں نہ دے پند کہ ناصح
تھیں اس کو لگاتے نہیں جو زخم ہو آلا
"جرأت" سے بھی عاشق نہیں ہوتے کہ شب و روز
ہے محو بتاں سلمہ اللہ تعالی

دل کے لگ جانے سے جی تن سے ہمارے نکلا
دل لگانے کا تھا ارمان سو بارے نکلا

عاشق کے بعد مرگ یہ بے درد نے کہا
یہ جان سے گیا تو گیا اپنا کیا گیا

یا رائے گفتگو نہ رہا ضعف سے تو آہ
کس کس کا منھ تکے ہے ترا ناتواں پڑا

اپنی بے خوبی کی باتیں جمع ہوتے ہوتے آہ
نیند اُڑا دینے کا اک اچھا فسانہ بن گیا

دل دم کا ہے مہماں بخدا اے بت بے رحم
کر رحم کہ یہ قابل آفات نہیں اب
اللہ ہی پہ روشن ہے دلوں کی تو حقیقت
ظاہر میں تو کچھ حرف و حکایات نہیں اب

نہیں اٹھنے کی "جرأت" ہم کو اُمید
یہاں بیٹھے ہیں جوں نقش نگیں اب

درد عشق آیا جو دل میں صبر رخصت ہو چلا
گھر کو چھوڑا صاحب خانہ نے مہماں کے سبب

سر کو ٹکرا کے بھی کہتے ہیں ہم ہائے نصیب
ربط دو شخصوں میں سنتے ہیں جو اے "جرأت" ہائے

رات اس کے گھر میں ہنستے بولتے تھے سب بہم
اک ہمیں بیٹھے تھے در پر صورت دیوار چپ

چلی آتی ہے ناداں صبح پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات
گذرتی ہے بہ ایام جدائی
تڑپتے شام سے لے تا سحر رات

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدہ پہ حالت تھی یہ ہماری رات

اُدھر دست جنوں کو ربط ہے تجھ بن گریباں سے
اِدھر ہے آستیں کی دیدۂ خوں بار سے صحبت

گرداب بحر غم میں یکایک ہماری آہ
کشتی جب آ پڑی تو گیا باد بان ٹوٹ

دل تو لبریز شکایت تھا، ابھی اُس کو دیکھ
بند میرا لب گفتار ہوا کس باعث
مرض عشق مجھے آپ وہ دیے کے "جرأت"
پوچھتا ہے کہ تو بیمار ہوا کس باعث

کام دل واں کسی صورت سے نہیں بر آتا
بےقراری ہمیں لے جائے ہے دن رات عبث

ہم کو کل تک نہیں جینے کی اُمید
جی پہ ایسا تعب عشق ہے آج

کوئی دم میں اس کے جانے کی یاں سے خبر ہے آج
چل آ شتاب بے خبری تو کدھر ہے آج
کل رات وصل یار سے عشرت کدہ تھا ہائے
مانند قید خانہ وہی اپنا گھر ہے آج
پیغام یار آیا تو ہے پر سنیں سو کیا
بےخود کچھ اپنی طرح سے پیغام بر ہے آج
کل تم نہ تھے تو رات تھی پیارے بلا طویل
اب ہو تو تم دیکھ کے دم میں سحر ہے آج

"جرأت"! میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دل کی طپش کا، کاهش جاں کا، نہیں علاج
کیا کیجے تیرے غمزدگاں کا نہیں علاج

کوچۂ یار میں پہونچے ہیں تو بس رہنے دے
جیتے جی یاں سے کہیں گردش ایام نہ بھیج

تھی مری شکل گل اس بن، یہ گلستاں کے بیچ
جیسے بیٹھے خفقانی کوئی زنداں کے بیچ

کہتا ہے مجھ کو منھ سے جو ہر ایک آن تلخ
اے لب شکر نہ ہو کہیں تیرا دہان تلخ

حیراں نہ ہو سر دیکھ مرا، اپنی زمیں پر
دیکھو تو لکھا کیا ہے میری لوح جبیں پر
یہ دل کی طپش سے ہے قلق جان حزیں پر
گویا کہ کوئی دیے دیے پٹکتا ہے زمیں پر
آزردگی یار کہوں یا غم اغیار
کیا کیا نہیں اندوہ مری جان حزیں پر

میں روز و شب ھوں اس آرزو میں کہ دیکھوں دن رات تجھ کو بیٹھا
بلائیں لے لے کے زلف و رخ کی فدا ھوں لیل و نہار تجھ پر

چلا صبح گھر کو وہ، اے کاش کوئی
لگا دے مرا بخت روئے سحر پر

کچھ نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر سر نگوں بیٹھے رھے
محفل خوباں میں ھم اس بد گماں کو دیکھ کر

اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹتا سر
تو روئیو اے دیدۂ خوں بار سمجھ کر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
چلی جاتي ھے تو اے عمر رفتہ
یہ ھم کو کس مصیبت میں پھنسا کر

یہ بھي کوئي ستم ھے، یہ بھی کوئي کرم ھے
غیروں پہ لطف کرنا، ھم کو دکھا دکھا کر

طوبے کي، ھم کو شیخ نہ ترغیب تو دلا
جاویں گے ھم نہ سایۂ دیوار چھوڑ کر

اے ہم صفیرو! آہ تم آزاد ہو چلے
کنج قفس میں مجھ کو گرفتار چھوڑ کر

تری فرقت میں یوں "جرأت" نے اپنی جان دی ظالم
مجھے آتا ہے رونا اس کی جی دینے پہ رہ رہ کر

جلوہ تجھے کس آئینہ رو کا نظر پڑا
"جرأت" جو دیکھتا ہے تو حیراں اِدھر اُدھر

نہ جی کو دل کی خبر ہے نہ دل کو جی کی خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر

بہ رنگ بلبل تصویر کیا کہوں تجھ سے
نہ اپنی مجھ کو خبر ہے نہ گلستاں کی خبر
ترے خیال میں دونوں جہاں سے ہم گذرے
نہ اس جہاں کی خبر ہے نہ اس جہاں کی خبر

اے دل نہ کھینچ آہ جہاں سوز دم بہ دم
کوئی گھڑی تو جبر بھی تو اختیار کر

جاتا ہوں میں گلی سے تری، پر یہی ہے سوچ
پلکوں سے اس کو کون رکھے گا بہار کر

قفس میں ہم اسیروں کے تئیں جینے دے کوئی دم
نسیم صبح تو مت بوئے گل همراہ لایا کر

قسم کھانے سے دنیا کا اسے کام نہیں ہے
جو کوئی کہ عاشق ہے وہ غم کھاے ہے کچھ اور
میں اور توقع یہ اسے بھیجوں ہوں نامہ
اور واں سے مرے خط کا جواب آئے ہے کچھ اور

اب عشق تماشا مجھے دکھلائے ہے کچھ اور
کہتا ہوں میں کچھ منھ سے نکل جائے ہے کچھ اور

چمن دکھلایا نہ صیاد نے کبھی ہم کو
رکھا قفس کو بھی دیوار گلستاں سے دور

اس کے ملنے سے کرے ہے منع ناصح مجھ کو واہ
ایک پایا ہے جسے سارے جہاں کو چھان کر

قاتل خدا کے واسطے شمشیر جلد کھینچ
بار گراں یہ سر ہے تن ناتوان پر
کیا جانیں اس کے کوچہ میں "جرأت" پہ کیا ہوا
کل واں ہجوم خلق تھا اک نوجوان پر

شب خواب میں جو یار کا در آئے ہے نظر
کھلتی ہے آنکھ موت کا گھر آئے ہے نظر

مت اٹھا یار! تیرے کوچہ میں
آن بیٹھا ہوں دو جہان کو چھوڑ

کہتے تھے کھ مکش دام سے، مرغان اسیر
کھینچ لاتی ہے ہمیں جانب گلزار ہوس

لگ اٹھی یوں دل سوزاں سے جگر کو آتش
جیسے اک گھر سے لگی دوسرے گھر کو آتش

ہم گریہ ناک مرگئے اک آہ کھینچ کر
راس آئی تجھ بغیر یہ آب و ہوائے باغ

وہ گیا کس طرف، اٹھ جانے سے جس کے یارب
دل کسی اور طرف جائے ہے جاں اور طرف

لاکھ گالی کہی ہے! کم مت دے
میں گنوں گا نہ ہو حساب میں فرق
آنکھ جب سے کھلی نہ دیکھا کچھ
زندگانی میں اور حباب میں فرق

تن سے میرے سر اُتر جاوے تو ہو جاؤں سبک
اب اٹھا سکتا نہیں میں اپنے سر پر بار عشق

کبریائی میں مرا وہ بت دل خواہ ہے ایک
لوگ سچ کہتے ہیں یہ بات کہ اللہ ہے ایک

درد فراق سے ہے یہ بہتر کہ آئے مرگ
کردے چراغ عمر کو گل اے ہوائے مرگ

اشک جو تھم رہے ہیں آنکھوں میں
ہے مگر انتظار لخت دل

عمل حسن پرستی میں ہے کیا مصروف
ابھی واقف جو نہیں اس کے مکافات سے دل
کس خرابی سے ہوئی صبح نہ پوچھو یارو
کیا کہوں ہائے کہ کہنے میں نہیں رات سے دل

آہ اس میکدۂ دہر سے آخر اپنا
جام معمور ہوا پر نہ ملا جام وصال

افسوس ہے کہ ہم تو تڑپتے ہیں دام میں
اور کھل رہا ہے کیا گل و گلزار آج کل

آنکھوں میں اشک، جان بہ لب سینہ چاک ہے
"جرأت" کہیں ہوا ہے گرفتار آج کل

اس مژہ کی مرے دل سے کوئی جاتی ہے کھٹک
وہ نہیں تیر کہ یوں کھینچ کے سو فار نکال

چھوڑ اس ضبط کو گھٹ گھٹ کے نہ دے جان اپنی
نکل اس قید سے زنجیر کی جھنکار نکال

میں تو سب کچھ چھوڑ بیٹھا ہوں تمہارے واسطے
چھوڑ کر تنہا کہیں پھر مجھ کو کیا جاتے ہو تم
میں تو حیراں ہوں کروں کیوں کر کنارہ تم سے جان
سامنے ہوتے ہی بس دل میں سما جاتے ہو تم

نہ ہو اک دم کے خاطر سر گراں تم   کہاں یہ بزم پیارے اور کہاں تم

بہ دریائے محبت زورق آسا غم کے مارے ہم
کبھی ہیں اس کنارے اور کبھی ہیں اس کنارے ہم
فراق یار میں کیا، آنا جانا سانس کا کھئے
کلیجے پر سدا کھینچا کیا کرتے ہیں آرے ہم
مرے وحشت سے رک کر دل ہی دل میں یوں وہ کہتا ہے
الٰہی، لگ گئے کیوں ایسی دیوانے کو پیارے ہم

جوراہ ملاقات تھی سو جان گئے ہم　　اے خضر تصور ترے قربان گئے ہم

کہے ہے یوں دل مضطر سے اُس بن جان غم دیدہ
چلو تم رفتہ رفتہ آتے ہیں پیچھے تمہارے ہم
نہ مانی دل نے اپنی اور نہ ہم نے بات ناصح کی
ہمیں کھو کھو کے ہارا وہ اسے کھو کھو کے ہارے ہم

آنکھوں سے جدا کب ہے حقیقت میں وہ لیکن
اس کو تو تصور کی حقیقت نہیں معلوم

خدا کے واسطے سینے کو کرئی چاک کرو
کہ جاں بہ‌لب ہیں اب اس دل کے اضطراب سے ہم
جو دیکھنے کو ہمارے وہ دیکھے ہے "جرأت"
تو آنکھ اپنی چرا لیتے ہیں شتاب سے ہم

یا تو اس کے گھر سے آتے تھے نہ اپنے گھر کو ہم
یا اب اپنے گھر میں بیٹھے دیکھتے ہیں در کو ہم

دکھ جدائی کے ہمیں تونے دکھائے اے زیست
کاش کے وصل ہی میں جی سے گذر جاتے ہم

مرض عشق کو تھوڑا نہ سمجھنا اے دل
ایک دن کام کرے گا یہی آزار تمام
تیرے ہی نام کو جپتے ہیں سب اے بت اب تو
ایک مذہب پہ ہوئے کافر و دیں دار تمام

ہوگئے سنتے ہی ہم وصل کا پیغام تمام
کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام

سارے عالم سے کچھ جدا ہے آہ دل خانہ خراب کا عالم
کچھ بھروسا نہیں ہے جینے کا زندگی ہے حباب کا عالم

سینۂ دل سوزاں کے گئے پھر بھی رہا گرم
دھکے ہے جہاں آگ تو رہتی ہے وہ جا گرم
کھینچے ہے دم گریہ جو دل آہ جہاں سوز
حیرت ہے کہ برسات میں چلتی ہے ہوا گرم

جوں اٹھے پاس سے اس شوخ دلا وام کے ہم
اٹھتے ہی بیٹھ گئے اپنا جگر تھام کے ہم
گھر میں جانا تو کہاں اس کے میسر ہے مگر
صدقے جاتے ہیں تصور سے درد بام کے ہم

نہیں لگتا دل آبادی میں اب جی پر یہ گذرے ہے
گریباں چاک کرکے دامن کہسار دیکھیں ہم

مثل آئینہ باصفا ہیں ہم دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
تک تو کر رحم اے بت بے رحم آخرش بندۂ خدا ہیں ہم
دل کے ہاتھوں سے اے میاں "جرأت" زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

کہتا ہوں کہ مت ہو مری فریاد سے غافل
قائل ہے مری آہ کی تاثیر کا عالم
باتیں تو سبھی کرتے ہیں اے جان! جہاں میں
ہے سب سے نرالا تری تقریر کا عالم

لائے تشریف ہم بے خبری تم افسوس
پوچھنے پائے تمہاری نہ خبر تم سے ہم
جیتے جی ہو نہ جدا تم یہی بہتر ہے کہ بس
ہم سے رخصت ہو اِدھر تم اور اُدھر تم سے ہم

روز کہتے ہیں وہ آوے تو کہیں ہم "جرأت"
جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

چھاتی سے لگائے تھے سو ہے نزع میں "جرأت"
اب کس کے حوالے تری تصویر کریں ہم

ہستی کی کھلی بات، پس ازمرگ کہ تھا خواب
جب بند ہوئي آنکھ، تو بیدار ہوئے ہم
جو جنس گراں مایہ ہے نایاب زمانہ
افسوس اسی کے ہي طلبگار ہوئے ہم

اب تو کچھ ہمدرد سے میرے آتے ہو تم مجھ کو نظر
ہم سا کوئی شاید پیارے تم کو ملا ہے اور کہیں

یہ دعا ہے کہ ترے کوچہ سے اٹھیں مر کے
جیتے جي یاں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
خاک ہونے پہ بھي اس کوچے میں ''جرأت'' ہے یہ خوف
یاں سے لے جائے اڑا کرنہ صبا اور کہیں

قید ہستي سے ہوا شاید رہا تیرا اسیر
آج شور و غل نہیں ہے خانۂ زنجیر میں

لاؤ اس آئینہ رو کو، مت دکھاؤ آئینہ
اور کچھ حالت ہے ''جرأت'' کي اسے سکتا نہیں

میري بے تابی سے محفل میں یہ دھڑکا ہے اُسے
اٹھ کے ہونے نہ لگے یہ مرے قربان کہیں

روئے ہے بات بات پہ "جرأت" ہے گرفتار یہ کہیں نہ کہیں

اب وہ آواز ہی کانوں میں نہیں آتی ہے
کون ایسا نہیں اس در پہ جو پہونچائے ہمیں

دل کی طپش سے صدمے جوں برق جان پر ہیں
گاہے زمین پہ ہیں ہم گہ آسمان پر ہیں

ہم دونوں کو کچھ اس بن سدہ بدہ نہیں ہے "جرأت"
دل ہم سے بے خبر ہے ہم دل سے بے خبر ہیں

جلوہ گر ہے وہی ہر جنس میں اللہ اللہ
طرفہ وہ شے ہے کہ جس شے کا خریدار ہوں ہیں

دل بے تاب کی کرتا نہیں جب کوئی غم خواری
تو پھر نا چار میں ہی اپنے چھاتی سے لگاتا ہوں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

خانۂ پرورد قفس، ہم ہیں اسیر اے صیاد
تو بتادے ہمیں پرواز کسے کہتے ہیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اس کو
ابھی مت پوچھو کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

اس بن جہان کچھ نظر آتا ہے اور ہي
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

تفرقہ ایسا بھي کم دیکھا ہے اے ہمدم کہیں
دل کہیں ہے، جي کہیں ہے، وہ کہیں ہے، ہم کہیں
آمد و رفت نفس کب بسے سبب ہے چلد چلد
ہوں تو بیٹھا، پر چلا جاتا ہوں میں ہردم کہیں

تا جہاں سے نہ اٹھیں ہم نہ اٹھیں گے یاں سے
کوئے جاناں میں یہی کر کے یقیں بیٹھے ہیں
کیا بھلا حاصل ہے دیوانے کے سمجھانے سے آہ
کوئی اتنی بات بھی ناصح کو سمجھاتا نہیں

اے ہم نوا قفس میں اسیروں کو جینے دے
کیوں دے ہے فصل گل کی خبر آہ تو ہمیں
اک آرزو بھي دل کی نکالي نہ تونے آہ
مرنے تلک رہیگی یہی آرزو ہمیں

دل هے پہلو میں مرے روز ازل کا دشمن
جان هي لے کے یہ چھوڑے گا بغل کا دشمن

کہاں اے اشک خونیں دل کو ڈھونڈھوں
ترے باعث گیا یہ دل لہو میں

سحر کو بلبلیں کرتي هیں غل، غنچے چٹکتے هیں
قفس کے هم درد دیوار سے سر کو پٹکتے هیں

آ جاوے تو حال دل سنائیں   وہ جاوے نہ جي کی بات جي میں

قفس کو اس کے نہ لے جائیو چمن کي طرف
کہ یہ هے مرغ گرفتار اس میں حال نہیں

خوں چھپاتا هے تو میں تجھ کو جتا رکھتا هوں
تیرے دامن پہ نشاں هي تجھے معلوم نہیں

ذکر سن تو جو هنسے هے دل گم گشتہ کا
کچھ نہ کچھ میں بھي تو اس بات سے پا جاتا هوں
میرے رونے کا سبب پوچھتے کیا هو مجھ سے
دو گھڑي آن کے میں تم کو هنسا جاتا هوں

گرمی مرے کیوں نہ ہو سخن میں　　اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں
خواری کا مرے وہ لطف سمجھے　　کامل ہو جو عاشقی کے فن میں
بے تابی دل کرے ہے رسوا　　کیا جائیے اس کی انجمن میں

بے اجل مجھ کو کیا درد محبت نے ہلاک
مبتلا ہو وے نہ یارب کوئی اس آزار میں

نیستی بہتر تھی اس ہستی سے کیوں اے زندگی
کس خرابی میں پھنسایا تونے یاں لاکر ہمیں

بات مجھ سے اس کی محفل میں نکلنے دے درست
آہ اے بے تابئی دل یاں نہ رسوا کر ہمیں

ہمنشیں! پوچھو مت کہیں ہوں میں
ان دنوں آپ میں نہیں ہوں میں

وقت وداع یار، نہ نکلا زباں سے کچھ
بس وہ اُدھر اُٹھا کہ غش آیا اِدھر ہمیں

تدبیر سے کب وصل ہو اس شوخ کا ہمدم
موقوف ہر اک بات ہے تقدیر کے ہاتھوں

کہاں تک تار تار اس کا بھلا جوڑے گا تو ناصح
گریباں چاک کر اپنا رفو میرا نہ کر دامن

اب تو کوچے میں ترے بیٹھ گئے آ کر ہم
یاں سے جاویں گے نہ جوں نقش قدم اور کہیں

رکھیو یارب تو پھنسا دل کے گرفتاری میں
موت بھی آوے تو آوے اسی بیماری میں

ہمنشیں! باتوں پہ تیری کیا کروں ہربار ہوں
تجھ کو اک قصہ لگا میں جان سے بیزار ہوں

اپنے بیمار کی مت پوچھ خدا   کچھ سوا غم کے وہ کھاتا ہی نہیں

دعا سے اور دوا سے فائدہ کب ہم کو ہوتا ہے
ہمیں ہے عشق کا آزار کرتے ہیں ضرر دونوں

جانے سے تیرے اے صنم! ٹھہرے نہ ٹھہرے تن میں دم
زیست کا کیا ہے اعتبار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو
باغ جہاں میں بے گناہ بلبل خستہ دل کا آہ
دشمن جاں ہے خار خار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو

هم نے قمار عشق میں دل کا لگا دیا ہے داؤں
جیت ہو اپنی یا کہ ہار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو

کس رہتا وہ یاں کوئی دم تو　　دم کے جینے سے بھی گئے ہم تو
رگ ابر سے ہے ہر مژگاں　　کوئی طوفاں ہے چشم پر نم تو

دل نے اک نالہ کیا درد جدائی کے سبب
هم نے جب پہلو سے کھینچا اپنے تیرے تیر کو
دل کی جی دینے کا ''جرأت'' تم کو بھی افسوس ہے
کی بہت تدبیر لیکن کیا کریں تقدیر کو

مرگ سو بھی ہے آج کل مجھ کو　　بے کلی سے نہیں ہے کل مجھ کو
غم ہجراں سے دل گیا شاید　　خالی لگتی ہے کچھ بغل مجھ کو

رهی پیغام کہیو اے قاصد　　جو مرے یار کی زبانی ہو

ذرا تو اپنے اسیروں کی لے خبر صیاد
قفس میں کیسے ترستے ہیں آب و دانے کو

وصل میں جس کے نہ تھا چین سو ''جرأت'' افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ ہیں جتنے طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

رکھا مجھ کو قفس میں آہ میری نغمہ سنجی نے
ہزار اب سر کو پٹکوں میں، ولے کیوں کر رہائی ہو

اب تو قلق سے اس کے تھرتا نہیں ہے دم
روکوں کہاں تلک دل پر اضطراب کو

کرم اس کا ہو وے تو خوش سب جہاں ہو
خدا مہرباں ہو تو کل مہرباں ہو
کرو یاں مری کچھ نہ تدبیر یارو
وہیں لے چلو تم مجھے وہ جہاں ہو

شمع ساں بھڑکا دیا ہو غم سے سرتا پا جسے
خاک پھر اس دل جلے کو زندگانی راس ہو

آنے کی خبر ہے اس کے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو

عزیزو ہوسکے اس دل کی جو تدبیر کر دیکھو
خدا کے واسطے سینہ شتابی چیر کر دیکھو

کوئی کہتا ہے مرنا ھي اب اس کے حق میں بہتر ہے
کوئي کہتا ھے دیوانہ ھے یہ، زنجیر کر دیکھو

نہ کر صیاد اُنھیں آزاد جو پابند اُلفت ھیں
گرفتاری سے بدتر جانتے ھیں وہ رہائی کو

گر چرایا نہیں ھے تم نے دل مسکراتے ھو کیوں ادھر دیکھو

اس کے آنے میں اب جو دیر ھے کچھ
یہ بھی قسمت کا ھیر پھیر ھے کچھ

جی دیا ھم نے تو پہلے ھي ترے ناز کے ساتھ
ایسا انجام ھوا عشق کے آغاز کے ساتھ
ناتواں ھوں میں یہاں تک کہ قفس سے چھوٹوں
جی نکل جائے مرا پہلے ھي پرواز کے ساتھ

ناصح کی نصیحت کا اثر ھم کو نہیں کچھ
ھیں بے خبر ایسے کہ خبر ھم کو نہیں کچھ

چھوڑا گلزار سے دور اور پر بلبل کترے
ھائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے

تونے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہم نے تو اتنی بھي نہ فرصت پائي

یاں تلک اس دل کی بے تابي نے ھے رسوا کیا
جو کوئی دیکھے ھے سو کہتا ھے دیوانا مجھے
بے وفائی مجھ سے تو مت کیجیو اس وقت میں
اس کے کوچہ تک ذرا اے عمر پہونچانا مجھے
بس کہ روتا ھوں میں اس کے ھجر میں بے اختیار
دیکھ کر ھنستا ھے یارو اپنا بیگانا مجھے

جب بند کیں آنکھیں تو ھوئے یار سے ھم بزم
کیا راہ ملاقات کی ھموار نکالی

مریض عشق ھیں ھم جس کے کیا تماشا ھے
کہ اپنی درد کي پوچھے ھے وہ دوا ھم سے

کہتے ھیں، عزم سفر یار کا ھے وقت سحر
مجھ کو فردا نظر آتا ھے قیامت ھوگي

کیوں نہ روؤں کیا کروں مجبور ھوں لاچار ھوں
اختیار اب لے کے تم بے اختیاری دے گئے

در تلک تو اس کے آپہونچے ہیں پرانے سیل اشک
کچھہ مدد ہو اور بھی تیری تو بیڑا پار ہے
ہائے وہ لڑنا ہی تھا اس کا غنیمت وصل میں
صلح کو روتے تھے کیا اب جنگ بھی دشوار ہے

ہاتھہ اُٹھاتا ہے مری نبض کو یوں دیکھہ طبیب
جیسے جینے سے کوئی ہاتھہ اُٹھا لیتا ہے
جاں بہ لب جان کے عاشق کو نہ در سے اُٹھواو
اپنا جی دیتا ہے وہ آپ کا کیا لیتا ہے

سو طرح کا سوچ اپنے دل میں اس دم آئے ہے
کان میں اس کے کوئی جب آ کے کچھہ کہہ جائے ہے
کیا مزے سے خون دل پیتے ہیں ' اور کھاتے ہیں غم
جو کسی کو خوش نہیں آتا وہ ہم کو بھائے ہے
کیا طبیعت ہے اُداس اب سچ ہے اے "جرأت" یہ بات
جی کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

سب خواب میں اس شوخ کے آنکھوں پہ قدم تھے
پھر آنکھہ گئی کھل تو عجب سوچ میں ہم تھے
تھا بزم جہاں بیچ عجب لطف یہ لیکن
ٹک چونک پڑے ہم تو وہ محفل تھی نہ ہم تھے

کیا غضب ہے دل کے لگ جاتے ہی جاتے ہیں حواس
اور جو ہے عاشقی سو کام ہشیاروں کا ہے

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے و لیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جان آ پہونچی ہے گھبرا کر مرے ہونٹوں پہ جان!
اب بھی آ پہونچو جو میری زندگی منظور ہے

خود بہ خود دل سے جو نکلے یہ تمنائے وصال
یا الٰہی یہ مری آہ اثر تک پہونچے

دیکھ دریائے محبت میں اب احوال مرا
کف افسوس کھڑے ملتے ہیں ساحل والے

بیمار محبت ہوں نہ غم خوار ہو میرا
صحبت سے مرے تو کہیں بیمار نہ ہو جائے

کہا لاچار ہم نے ضعف سے یوں پاؤں پھیلا کر
قدم اُٹھتا نہیں تم جاؤ! ہم اے ہمرہاں بیٹھے

رنج تھوڑا سا اُٹھانا تجھ کو ہمدم اور ہے
تن میں مجھ بیمار غم کے دم کوئی دم اور ہے
کل ہی بستر پر ہمیں تھا ضعف سے اُٹھنا محال
اور دیکھا آج طاقت کو تو کچھ کم اور ہے

یوں وہ آنکھوں میں کھپے ہے جب کہ روتا ہے کوئی
پھوٹ پھوٹ اتنا نہ رو بدنام ہوتا ہے کوئی

فقط میں اس کی کہوں سادگی کا کیا عالم
لگے نہ لاکھ طرح سے جسے بناو کوئی

ناصح میں اور ہم میں یہ صحبت ہے طرفہ آہ
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

گر پختہ مزاج ہو تو سمجھو ہے رشتۂ خام زندگانی

جس جگہ جائے نظر آجا شتابی تو مجھے
کل نہیں پڑتی کسی کروٹ کسی پہلو مجھے

دے کے جی عشق میں ہم چھوڑ چلے اے "جرأت"
ایک افسانۂ پر درد زمانے کے لئے

چھٹے اب شعر کہنا ہم سے کیوں کر آہ اے "جرأت"
مثل ہے دل میں عاشق کی سدا ناسور رہتا ہے

شب کو اس بن تن سے میری جان جو جانے لگی
آہ سوزاں آگے شمع دکھلانے لگی
اب تو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی
میری بےتابی جو اس بے درد کو بھانے لگی

وہ جس طرف سے آن نکلتا تھا گاہ گاہ
رہتی ہے اپنی آنکھ ادھر بیشتر لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیوں کر
جس کو پایا ہو جاں کھو کھو کے

وہ اور ہیں جو رکھتے ہیں منھ دیکھے کی اُلفت
مر مٹتے ہیں اک بات پہ ہم چاہنے والے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آ تماشا تو بھی دیکھ
کھینچ لائی ہے سر بازار رسوائی مجھے
لوگ آتے ہیں تماشا کو مرے بےاختیار
عشق نے جب سے کیا تیرا تماشائی مجھے

کرتے ھیں جوں گل، گریباں چاک ہم بےاختیار
جب کہ وحشت میں ھمیں باد بہاری لائے ھے

سچ ھے کب خاطر میں تو اُلفت ھماری لائے ھے
پر ھمیں مجبور یاں بےاختیاری لائے ھے

پوچھتے کیا ھو کہ سینہ پہ ھے کیوں ھاتھ ترا
کیا کہوں تم سے کہ اک درد سایاں رھتا ھے

دل ٹھہرتا ھي تھا نہ اس بن رات
بےقراری سی بےقراری تھي
مر گئے ھجر یار میں صد شکر
جیتے رھتے تو سخت خواري تھي

نہ جی تن سے نکلتا ھے نہ تن میں دم سماتا ھے
بھلا اے اِنتظار یار یہہ کیا زندگانی ھے

وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ھے اور
ڈھل چلا یاں زیست کا دن آتے آتے شام کے

جو آتا ھے تو آ جینے کا اس کے کیا بھروسا ھے
کوئی دم اور بھي ڈھارس ترا بیمار باندھے ھے

نہیں ہے لذت دردِ محبت تم کو اے ناصح
یہ اپنی خاطر غمگیں دل خرم سے بہتر ہے

جوش گل چاک قفس سے دم بہ دم دیکھا کئے
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

کارواں جاتا رہا اب اور ہم گم کردہ راہ
گرد کے مانند صحرا میں بھٹکتے رہ گئے

یہ جی میں تھا کہ کوچے میں اس کے نہ جائیں گے
اِس دل کی بےقراری کے ہاتھوں میں پڑ گئے

تو چلا اور ہم رہے جیتے خاک یہ زندگی ہماری ہے

دل گیر جوں کھینچے کوئی تصویر اس طرح
سر لگ گیا ہے زانوئے غم پر دھرے دھرے

پہلو میں تو "جرأت" کا جگر چاک ہے یارو
ظاہر میں گریبان اگر چاک نہیں ہے

نہ صبر جی کو، نہ تاب دل کو، نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائي سے جاں میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
خموش رہنے دے مجھ کو ہمدم کہ بات منھ سے میں کیا نکالوں
کیا ہے ایسا سوال اس نے کہ سو خرابي جواب میں ہے

نا توانی سے تو نکل نہ گئی   ہائے اے جان زار کیا کیجے

دم کی آمد شد نے جب تا خیر کي
ہمدموں نے اور ہی تدبیر کي

نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
بھلا اے جنوں! اشک پوچھوں میں کس سے
نہ ہے تن پہ دامن نہ اب آستیں ہے

گاہ جیتا ہوں گاہ مرتا ہوں   مسکرانا ترا قیامت ہے
شور محشر کرے ہے دل برپا   یہ دوانا ترا قیامت ہے
حشر برپا ہوا ہے اے بدمست   لڑ کھڑانا ترا قیامت ہے

م نشیں ہو گئے رقیب اپنے کیا گلہ کیجئے ' نصیب اپنے
ہ جو رووے ہے تو یہ تڑپے ہے دیدۂ و دل بھي هیں عجیب اپنے
نہ ملے اب تو کیا کریں " جرأت " گرچہ ہے وہ بہت قریب اپنے

نہیں ہے قید هستي سے کوئي وا رستہ اے یارو
وهي ناداں ہے جو اپنے تئیں آزاد جانے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ اب الفت کسی کے ساتھ ہے
آہ یہ دل کا مزا تو اپنے جي کے ساتھ ہے

اختیار اب تو کسی بات پر اپنا نہ رہا
دل کے لگ جاتے هیں اے وائے یہ مجبور ہوے

هوتے هیں آسمان و زمیں پل میں غرق خوں
سوجھی ہے اب یہ دیدۂ خوں بار سے مجھے

تا صبح بے کلی هي رهی شام سے مجھے
تجھ بن کٹی نہ ایک شب آرام سے مجھے
ناصح نہیں هوں میں دل وحشی کو دوں جو پند
کیا کام ہے کسي کے بھلا کام سے مجھے

نہ دیکھو چشم کم سے دیدۂ پرخوں کا بھر آنا
کہ یہ حسرت بھرے دل کا مرے ارمان نکلے ہے

دل مرا مثل برق و باراں ہے گاہ خنداں ہے گاہ گریاں ہے
اپنی اس چشم خوں فشاں سے آہ کوچۂ یار بھی گلستاں ہے

ازل سے گرفتار پیدا ہوا ہے یہ دل کیا مزے دار پیدا ہوا ہے

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے درد غم عشق نے مارا مجھے
عشق میں پہلے وہي کرنا پڑا جو کہ نہ ہوتا تھا گوارا مجھے

لذت درد و غم عشق ہے ایسا کہ اگر
روئیے اس میں تو رونا بھي مزا دیتا ہے

اللہ رے تجلی کہ لب بام پر آکر
دی گھر میں دکھا روشنی طور کسی نے

مالک نہیں جینے کے نہ مرنے کے ہیں مختار
افسوس کیا ہے ہمیں مجبور کسی نے

جس طرف کو جائے وہ تو یہ دل بے تاب بھي
پیچھے پیچھے اس کے بے تابی سے دوڑا جائے ہے

سبھوں کی ہے زباں پر داستاں میری خموشی کی
مرے کم بولنے نے بات یہ کتنی بڑھائی ہے
کوئی پہچانتا مجھ کو نہیں ہے اب تو اے "جرأت"
یہ بگڑی کس سے ہے جو تونے یہ صورت بنائی ہے

داستانیں تو ہزاروں ہی بھریں ہیں دل میں
پرکہوں کیا کہ نہیں ہے لب اظہار مجھے

اک دم بھی مہماں نظر آتے نہیں ہم تو
تشبیہ نہ دو ہم کو چراغ سحری سے
"جرأت" تو زمانے کی خبر پوچھ نہ ہم سے
اپنی بھی خبر ہم کو نہیں بے خبری سے

لے خبر جلد کہ تک ٹھہر گیا ہے اب تو
کام آخر ترے بیمار کا ہوتے ہوتے

قلق یہ اس بت کافر کی ہے جدائی سے
کہ آہ بیٹھے ہیں بیزار ہم خدائی سے
فرض نہ اپنی سی قسمت کسی کی میں دیکھی
پناہ مانگئے طالع کی نارسائی سے

مجھ سے پوچھے ہے بگڑ کر وہ حقیقت میری
کچھ تو اے بے خردی بات بنانے دے مجھے

بیٹھتے اُٹھتے گر اُس بزم میں پہونچے تو وہاں
بیٹھنے نالۂ جاں‌کاہ نہیں دیتا ہے

مصور نے جو کھینچا اُس کا نقشہ تو یہ نکلے ہے
کہ گویا منہہ سے یہ تصویر ابھی واللہ بول اُٹھے

غم سے گھٹنا یہ مرا، سب میں بڑھاتا ہے اُسے
جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اُسے
لگ، چلے ساتھہ نہ کیوں کر دل بےتاب اُس کے
کیا کرے وہ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُسے
اُس کا ہاتھہ آنا ہے دشوار کہ جوں بحر و حباب
جب کوئی آپ کو کھوتا ہے تو پاتا ہے اُسے

پوچھہ نہ ماجرائے خوں، اب نہیں تن میں ہائے خوں
ٹپکے ہے یاس جائے خوں، دل کی ہر اک خراش سے
کاش ملیں بھی یار سے سخت ہیں بے قرار سے
نالۂ دل فگار سے آہ جگر فراش سے

گئے صبر و دل و تاب و تواں جب خانۂ تن سے
اکیلے گھر میں تو پھر جان بھی کب رہنے والی ھے

سالہا گزرے کہ یہ حالت بنی جس کے لئے
دل گیا ، طاقت گئی ، دولت گئی، دنیا گئی

اے اجل اب تو یہ رسوائی نہ دیکھی جائےگی
طبع غم خواروں کی اپنی اب بہت اُکتا گئی

آہ کس پردہ نشیں سے دیدۂ دل لڑ گئے
شدت گریہ سے جو آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

یہ نقش اپنے دل کے نگینے پہ حرف ھے
گر تو یہاں نہ ھووے تو جینے پہ حرف ھے

وہ چاھنا ھمارا اب جانتے نہیں ھیں
لو چاہ نے ھماری تاثیر کی تو یہ کی
تم جو خفا ھو مجھہ سے ھے اور تو خطا کیا
ھاں دل دیا ھے تم کو تقصیر کی تو یہ کی
تدبیر سے نہ حاصل ھو کچھہ بہ جز ندامت
معلوم ھم نے اپنی تقدیر کی تو یہ کی

جو غور کیجیے تو وہ گئے دن، کہاں کا آنا کہاں کا جانا
اک آمد و رفت سانس کی ہے بس اور اب ہم میں کیا رہا ہے
ہجوم یاس اب یہی ہے دل پر نہیں کوئی پاس غیر حرماں
وبال جاں زندگی ہوئی ہے کہ لطف جینے کا کیا رہا ہے

پاتے نہیں کچھ ہم میں ہیں اور ہی عالم میں
مرجائیں گے اک دم میں ہنگام گرفتاری

نقاب اپنا اُلٹ کر منہ دکھا تصویر سا اپنا
کوئی دم میں ترے بیمار کی پتلی اُلٹتی ہے

بزم سے اٹھتے ہی اس کے یہ ہوا بے خود میں
کہ خبر اپنی رہی مجھ کو نہ کچھ مجلس کی

کھاؤں یارب نہ غم عشق تو غم کھائے مجھے
گرنہ بیمار محبت ہوں تو موت آئے مجھے

کریں گے فکر طبیعت کی ہم اٹھانے کی
کہ ہم میں تاب نہیں اب الم اٹھانے کی

یارب کبھی تو دیکھوں میں یہ انقلاب عشق
میری طرح سے وہ بھی کرے جستجو مری

نہیں کٹتی یہ ھجر کی شب تار
کچھ عجب رنگ آسماں کا ھے

اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ
مرتے تلک رھیگی یہی آرزو مجھے

(رباعیات)

چوں برق ھی تو جگر جلانے والا روتوں کو ھے اور بھی رلانے والا
رہ جارہ جا برس نہ اے ابر سیاہ رہ جائیے گا ورنہ کوئی آنے والا

آتش سے جو غم کے دل جلا خاک ھوا
اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ھوا
چوں شمع ملا نہ کچھ بہ جز سوز فراق
حاصل ھمیں عاشقی میں کیا خاک ھوا

دل آنکھوں سے خون ھوئے بہا ھے میرا
احوال میں کیا کہوں کہ کیا ھے میرا
جی تن میں کسی طرح تھرتا ھی نہیں
آ جلد کہ دم اکھڑ چلا ھے میرا

آرام نہیں ھے بے قراری سے ھمیں
اب کام پڑا ھے آہ و زاری سے ھمیں

دل پر ہے ہاتھ اور آنکھوں میں اشک
حاصل یہ ہوا ہے تیری یاری سے ہمیں

ہم رکنے لگا ہے نالے کرتے کرتے
قربسال ہوا دل آہیں بھرتے بھرتے
غم دل پہ رہا یونہیں تو ''جرأت'' اک روز
مر جائیں گے ہم کسی پہ مرتے مرتے

دل لے کے تو مجھ سے اور کیا چاہتا ہے
ملتا نہیں کیوں جی ہی لیا چاہتا ہے
یوں ہی جو تری مرضی ہے تو یاقسمت
ہوتا ہے وہی جو کچھ کہ خدا چاہتا ہے

(مخمسات)

بس اتنی بھی نہ بے پروائیاں تم مجھ کو دکھلاؤ
وہ پرواز اور میرے چھچے تک دھیاں میں لاؤ
اسیری پر مری اور بے کسی پر رحم تک کھاؤ
قفس میں ہم صفیرو ! کچھ بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا

طبیعت میں تھی کیا کیا لنترانی
کوئی اپنا سمجھتے تھے نہ ثانی

سو اب صورت بنا کے تو ترانی
چلی منهه موڑ کر کیوں هے جوانی
همیں یہ و لولے اپنے دکھا کے

نہ کھونکہ روئے زانوئے غم پہ سر کو دھرے
بغل میں کیوں نہ دل اپنا تڑپ تڑپ کے مرے
خبر جو ہووے اسے تو وہ کچھہ خدا سے ڈرے
سو اپنے حال سے آگاہ کون اس کو کرے
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کسے ز بیکسي ما نمی برد خبرے
غم فراق سے هے دکھہ پہ دکھہ ، الم پہ الم
جگر پہ داغ ، مژہ اشک بار لب پہ هے دم
سنائیں کس کو کہے کون اس سے اپنا غم
نہ کوئی یار نہ کوئي رفیق نہ همدم
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کسے ز بیکسی مانمي برد خبرے

واسوخت

یارب اندوہ جدائی سے تو مرنا بہتر
گذرے غم جی پہ تو بس جي سے گزرنا بہتر
بحر الفت میں قدم کا نہیں دھرنا بہتر
هے کنارا بھی اب اس چاہ سے کرنا بہتر
رفتہ رفتہ وہ ہوے لجۂ آفت میں غریق
موج زن جن کے هوا دل میں یہ دریائے عمیق

قیس و فرهاد سے اس بحر میں لاکھوں تیراک
آہ کیا جانیں کدھر بہ گئے مثل خاشاک
آشنا مثل صدف اس سے کوئی ہو کیا خاک
حاصل ربط یہی ہے کہ جگر ہووے چاک
اس سے جوں موج رواں جس کو پڑا الجھیڑا
نہ ملا پھر نہ ملا اس کا کہیں تھل بیڑا

دل کو ہرچند میں سمجھایا کہ اے خانہ خراب
جان اس ہستی موہوم کو تو نقش بر آب
جی لگا کر کسی بے رحم سے مت ہو بےتاب
اب جو دیکھو تو دم آنکھوں میں ہے مانند حباب
کوئی دم کا جو یہ مہمان نظر آتا ہے
ایک دریا مری آنکھوں سے بہا جاتا ہے

جس ستم گر نے کیا آہ یہ حال دل زار
جی میں آتا ہے کہ روکش ہوں میں اس سے اک بار
یہ کہوں صاف کہ ٹک سن تو اب اے ظلم شعار
واقف اس بات کے ہیں ایک سے لے تا بہ ہزار
محو نظارہ ترا تاکہ یہ دل تھا نہ مرا
سادگی پر گل رخسار کب ایسا تھا ترا

آئینہ دیدہ گریاں نے دکھایا تجھ کو
جس سے آگاہ نہ تھا تو وہ جتایا تجھ کو
اپنی وحشت نے پری زاد بنایا تجھ کو
دل کی بے تابی نے کیا کیا نہ سکھایا تجھ کو
آنکھ ورنہ تری ہرایک سے شرماتی تھی
کل کی ہے بات تجھے بات نہ کر آتی تھی

تجھ میں یہ خوبیٔ گفتار کہاں تھی توبہ
ایسی اٹکھیلی کی رفتار کہاں تھی توبہ
طبع عالم کی گرفتار کہاں تھی توبہ
اس قدر گرمی بازار کہاں تھی توبہ
اپنے ہی چاہنے سے تو یہ نمودار ہوا
کہ ترے حسن کا ہر ایک خریدار ہوا

مثنوی بحرالفت

دریکتا ہے بحر محبوبی
رونق افزائے گلشن خوبی
بعد صد آرزوئے شوق وصال
ہے نوشتن تمام جس کا محال
سمجھیو حرف مطلب دل زار
کہ تڑپتے کٹتے ہے لیل و نہار
کہا کے کچھ مرر ہیں یہ جی میں ہے
خیریت ہے تو بس اسی میں ہے
گرچہ مرتے ہیں پر ہمیں ہے یار
حق سے تیری سلامتی درکار
اور یہ جب سے فلک نے کام کیا
کہ جدائی کا دل پہ داغ دیا
ہے مجھے لطف زندگی کیا خاک
شکل گل ہے مرا گریباں چاک

خم غم سے هوں بادہ نوش سدا
صورت غنچہ هوں خموش صدا

تم کو جب دل میں یاد کرتا هوں
جوں صبا ٹھنڈے سانس بھرتا هوں

متصل اشک دیدہ گریاں
آہ جاري هیں مثل آب رواں

جب جدا تجھ سا یار جاني هو
کس روش اپنی زندگاني هو

دیکھوں میں گل کو جب چمن میں یار
یاد آتے هیں وہ گل رخسار

بے قراري سے جان دیتا هوں
منھ کو میں پیٹ پیٹ لیتا هوں

غنچہ و گل کو دیکھتا هوں میں جب
یاد آتے هیں پیارے پیارے لب

کھینچوں هوں دل سے آہ یوں اک بار
ٹکڑے هوتا هے غنچہ ساں دل زار

سوئے نرگس جو آنکھ جاتی هے
چشم کیفي وہ یاد آتي هے

دل یہ هوتا هے مضطر و بے تاب
خفقاني کو جوں پلائیں شراب

گل چنپا پہ جب کروں ہوں نگاہ
چنپئی رنگ یاد آتا ہے آہ

بس وہیں دل میں درد ہوتا ہے
رنگ چہرے کا زرد ہوتا ہے

دیکھوں ہوں جب کہ میں گل اورنگ
یاد اُن فندقوں کا آے ہے رنگ

ہاتھ مل مل کے تلملاتا ہوں
اس خرابی سے گھر کو جاتا ہوں

انشا

میر انشاء اللہ نام' ان کے والد میر ماشاء اللہ ایک عالم فاضل شخص اور حاذق طبیب تھے' شعر بھی کہتے تھے' دھلی وطن تھا - ایسے باپ کے دامن تربیت میں پرورش پاکر انشا بھی عالم فاضل طبیب اور شاعر ھوئے -

شاعری کی طرف مائل ھوئے تو علوم نے اس میں جلا دیدی - ذھانت نے چمکا دیا - اور شعرا میں انشا یہ خصوصیت اور امتیاز رکھتے تھے کہ عربی' فارسی' اُردو اور ھندی زبانوں میں نظم کی یکساں قدرت رکھتے تھے - مگر زمانے کے مذاق اور ماحول کے اثر سے اُردو کی شاعری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی -

انشا کچھ دنوں مرشدآباد میں رھے - وھاں سے واپس آکر دھلی میں شاہ عالم بادشاہ کے زینت محفل بنے' دھلی سے طبیعت گھبرائی تو لکھنؤ پہونچے - وھاں شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیماں شکوہ نے ان کو باپ کا نمک خوار سمجھ کر ھاتھوں ھاتھ لیا اور ان سے مشورہ سخن کرنے لگے' کچھ دنوں کے بعد نواب سعادت علي خاں کے دربار میں ان کی رسائي ھوگئی - انشا علم و فضل کے ساتھ حد درجہ کے ظریف - بذلہ سنج اور شوخ مزاج تھے - نواب ان سے اسقدر مانوس ھوئے کہ ایک دم ان کے بغیر چین نہ آتا تھا - انشا کي فطری ظرافت اور درباری زندگی نے ان کو ھزل اور تمسخر کي طرف مائل کردیا تھا - ھر لمحہ ھنسنے ھنسانے سے

کام تھا - ان کی شاعری کا مقصد بھی تفریح طبع کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا - کبھی مضمون میں ظرافت ہوتی ہے کبھی سیدھی سی بات میں انداز بیان سے ظرافت کا ایک پہلو پیدا کردیتے ہیں - کبھی مشکل اور کڈھب قافیے اور ردیفیں اختیار کرکے نظم کی قدرت دکھاتے اور لوگوں پر حیرت کا اثر ڈالتے ہیں - طبیعت کی شگفتگی کا یہ عالم ہے کہ غم انگیزی مضامین سے بھی دلوں کو شگفتہ کر دیتے ہیں - غم و حسرت کا اثر پیدا کرنے والے اشعار ان کے یہاں بہت کم ہیں ان کی شاعری زیادہ تر مضامین خارجی پر مشتمل اور آورد کا نتیجہ ہے - مگر یہ اپنی قدرت نظم سے اورد میں آمد کی بے ساختگی پیدا کر دیتے ہیں -

سید انشا نے تمام اصناف سخن میں اسی رنگ میں طبع آزمائی کی ہے - ریختی میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی - وہ عورتوں کے مخصوص جذبات وخیالات عورتوں ہی کی زبان میں بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں - انشانے سنہ ۱۲۳۳ ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی -

انتخاب

صنما ! بہ رب کریم یہاں ترے ہیں ہرایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بہ ربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلٰے
بہ محمد عربی تو دے دوسہ جام بادۂ نور کے
کہ نہ سوجھے سکر میں ساقیا مجھے کچھ جہاں کا برا بھلا

کیوں شہر چھوڑ عابد غار جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈھتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا

تنہا نہ اس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا
اپنی بھی جاں لوٹ ہوئی دل نے غش کیا

جس دم کہ ترے محو تجلی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرت موسیٰ کو غش آیا
گرنے نہ دیا اس کو ملایک نے زمیں پر
جس ادم ترے بیمار تمنا کو غش آیا

رها هے هوش کچھ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا
یہي آهنگ اے مطرب پسر تک اور چھیڑے جا

خداهي جانے کدھر سدھارے شکیب و صبرو قرار و طاقت
هرایک اُن میں سے دے گئے هیں همارے سینے کو داغ اپنا

خیال کیجے کیا آج کام میں نے کیا
جب ان نے دي مجھے گالی سلام میں نے کیا
کہا یہ صبرنے دل سے کہ لو خدا حافظ
حقوق بندگي اپنا تمام میں نے کیا
هوس یہ رہ گئی صاحب نے پھر کبھي نہ کہا
کہ آج سے تجھے "انشا" غلام میں نے کیا

اس بندے کی چاہ دیکھئے گا
اور اس کا نباہ دیکھئے گا
میں کیسے نباهتا هوں تم سے
انشاء اللہ دیکھئے گا
عاشق مجھے جان کرتے هیں قتل
تقصیر و گناہ دیکھئے گا

جھوٹا نکلا قرار تیرا   اب کس هے اعتبار تیرا
کر جبر جہاں تلک تو چا هے   میرا کیا ؟ اختیار! تیرا

فقیرانہ ہے دل مقیم اس کی رہ کا
قرض کیا کہ محتاج ہو بادشہ کا
بھی لطف ہے ساقیا مے کشی کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

ھیہات اس کو یار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا
باہم دگر جو تھی خفگی سب گئی، اسے
بے اختیار پیار کیا ہم نے کیا کیا
رہ‌رہ کے دل میں آوے ہے ''انشا'' یہی کہ کیوں
اس دل کو بے قرار کیا ہم نے کیا کیا

رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتا کہیں اور
ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
اے باد سحر! محفل احباب میں کہیو
دیکھا ہے جو کچھ حال تہ دام ہمارا

نہ کہہ تو شیخ مجھے، زھد سیکھ، مستی چھوڑ
تری پسند جدا ہے مری پسند جدا
خجل ہے آپ کی دیوار کی بلندی سے
ہماری آہ جدا ریشمی کمند جدا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

مجھے چھیڑ نے کو ساقی نے دیا جو جام الٹا
تو کیا بہک کے میں نے اسے اک سلام الٹا

کیا خدا سے عشق کی میں رہنمائی مانگتا
مانگتا بھی اس سے تو ساری خدائی مانگتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن
تسکین، دل اپنا کچھ اے یار نہیں پاتا

کسی طرح سے نہیں نیند آتی " انشا " کو
اسی خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
اپنا دل شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تونے ظالم ایسے کنول کو توڑا

زلزلہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب

ہمیں اس صنم کی ہے اُلفت بہت
جھکے جس کے سجدہ کو پتھر کے بت

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

گر نکہت بہار سے مل جائے پوچھیو
میری طرف سے باد سحر خیروعافیت

بزم رندانہ میں کیا زہدو ورع کا چرچا
شیخ صاحب ہے بہت یہ تو قیامت کی بحث

صیاد لے خبر کہ دیا چاہتے ہیں جان
کنج قفس میں تازہ گرفتار چار پانچ

فضل خدا سے خیر بہر حال شکر ہے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے دل افگار کا مزاج

ہے شب وصل : کھلے کاش نہ دروازہ صبح
کم نہیں شور قیامت سے کچھ آوازہ صبح

کریم جلد کرم کر کہ ہو مزاج صحیح
بہ رنگ نرگس بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیم فضل و کرم میں تری وہ ہے بو باس
نہ پہونچے گرد کو' جس کے کبھی شمیم مسیح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارت دل نے
ہلادے مروحۂ لطف تک پیئے ترویح

گھر سے باہر تو نہ نکلا تھا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح
آبرووئے ابر یاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح
صاف دل کیونکر کروں تجھ سے بھلا
ٹوٹی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح

افسون نگہ سے تری اے ساقی بدمست
شیشہ میں ہوئی مثل پری اپنی نظر بند
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے
کیا کیجئے دروازہ ادھر بند ادھر بند

ابتدا سے دوستی میں دل کو ہے یہ بے کلی
کچھ نظر آتا ہے اِس آغاز کا انجام بد

نظر کر علی کو قرین محمد　　ہوا نور حق هم نشین محمد
یہ اللہ کے نام سے هے جہاں میں　　درخشندہ نقش نگین محمد

اجی سر اتھا کر ادھر دیکھنا　　اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ
بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا　　انہیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

چٹخارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں
کوئی مزہ نہیں هے ترے نام سے لذیذ

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باهر
شوخی میں دهرو پاؤں نہ اندازے سے باهر

جو چاهو تم سو کہہ لو چپ چاپ هیں هم ایسے
گویا زباں نہیں هے اپنے دهن کے اندر

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دل امید وار پر

اپنے داغ جگر میں سوجھے هے　　مجھ کو اس نازنین کی تصویر
نظر آتی هے اشک ''انشا'' میں　　جبرئیل امین کی تصویر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر

نگہ جو پڑی تجھ سے رشک قمر پر
گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
مجھے رونا آتا ہے شمع سحر پر
کہ بے چاری اب مستعد ہے سفر پر

گیا یار آفت پڑے اس سحر پر
اداسی برسنے لگی بام و در پر
نہ ٹسوے بہا دور ہو یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخم جگر پر
کوئی دیوتا تھا کہ جن تھا یہ کافر
مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر

پھنس گئی عندلیب ہو بے کس ہائے تنہائی اور کنج قفس

بس نہ دنیا کی رکھ اے صاحب ادراک ہوس
خاک ہی خاک ہے سب، خاک کی کیا خاک ہوس

بال و پر تو تک ہلاؤ پنجہ و منقار سے
ہم صفیرو توڑ ڈالو دام کو چیر و قفس

ہو جائے اگر جہاں فراموش
کب دل سے ہو دل ستاں فراموش
تو بھولے یہ دخل کیا ہے ہم تو
کر بیٹھے ہیں خود کو یاں فراموش

آوارہ دشت شوق میں مانند گرد باد
بھٹکا پھروں ہوں کرکے رہ کارواں غلط

ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق
کچھہ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق
پوچھا کسی نے قیس سے تو ہے محمدی
بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق

دیکھہ تو عشق کے دھڑکے کو شب وصل میں آہ
گرچہ ہے پاس ترے تو بھی ہے ششدر عاشق

غالب بام قفس اڑ نہ سکے ہم صیاد
اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم

کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھا
قاصد نے تو لو اور سنائی خبر گرم

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم　　جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم
خم کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی　　اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

بندہ درگاہ کی بھی اک نرالی ہے نماز
عرش سے بھی کچھ پرے ہے اس نمازی کا مقام
ہے خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی
ورنہ کیا باقی رہا ہے چارہ سازی کا مقام
سید "انشا" کو نہایت ان دنوں تشویش ہے
بندہ پرور ہے یہاں بندہ نوازی کا مقام

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں
مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منھ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں
چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
ہے محبت جو ترے دل میں وہ اک طور پہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اس کو نہ بڑھا سکتے ہیں

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

اجی کیوں رو بیٹھے ہو ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہی میں بھی پانؤں تو پڑ سکتے ہیں

یا وصل میں رکھے مجھے یا اپنی ہوس میں
جو چاہئے سو کیجئے ہوں آپ کے بس میں
یہ جائے ترحم ہے اگر سمجھے تو صیاد
میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹی کس طرح اپنی
جز درد نہ دیکھا کبھی اس تیس برس میں

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں رہے اب تک اُمید واری میں
ہاتھ، گھرا کسوئی لگا قاتل زور لذت ہے زخم کاری میں
بندۂ بو تراب ہے "انشا" شک نہیں اس کی خاکساری میں

کسی کے ہجر میں ایسے ہزاروں داغ ہیں دل پر
عوض مے کے بھریں گے ہم پر طاؤس شیشے میں

خلوت میں فائدہ کیا اغیار سب بہم ہوں
سب کو ہوا بتادو بس تم ہو اور ہم ہوں

کمر باندھے ہوئے چلنے یہ یہاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی ہیں جو طیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
یہ اپنی چال ہے افتادگی سے ان دنوں پہروں
نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار، بیٹھے ہیں

پھبن، اکڑ چھب، نگاہ، سج، دھج، جمال، طرز خرام اٹھوں
نہ ہو ویں اس بت کے گر پجاری تو کیوں ہو مجھے کا نام اٹھوں
شکیب و صبر و قرار و طاقت، نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاری الفت میں کھو کے بیٹھا ہوں میں تو اب لاکلام اٹھوں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے، اسی واسطے بس
رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں
عشق میں شرم کہاں ناصح مشفق، یہ بجا
آپ کو کیا ہے جو اس بات کا غم کرتے ہیں

نالے یہ میرے نالے کرنے لگی ہے اب تو
بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں

کوئی اس ترک جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی
کہا مگر رسم وفا آپ کے کشور میں نہیں
آج کچھ کام میں ہوں کوئي جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہدیجو کہ رہ گھر میں نہیں
میري اُمید بر آتی ہے اب "انشاء" اللہ
کون سی چیز ہے اللہ کے جو گھر میں نہیں

لیلی و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچي
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچي

تفصلات نہیں' لطف کی نگاہ نہیں
معاملہ ابھي مطلق وہ رو بہ راہ نہیں

یوں چاہئے آپس میں نہ اک آن جدا ہوں
اے ولولہ شور جنوں دست و گریباں

جس پر کہ ترا سایۂ دامان قبا ہو
کیوں اس کے تصدق نہ بھلا باد صبا ہو
اس گل کي اگر پاس ترے بوئے قبا ہو
دینا ہو فرض اور تو اے باد صبا ہو

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
و و ہیں گھٹانے گھیر لیا چشمہ سار کو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

کام فرمائیے کس طرح سے دانائی کو
لگ گئی آگ یہاں صبر و شکیبائی کو
دعوے کرتا ہے غزالاں حرم کے آگے
کس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو
جی میں کیا آگیا "انشا" کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالم تنہائی کو

کہہ اٹھا قیس جھٹ آنا لیلیٰ   جذبہ عشق کی مدد دیکھو

ضعف آتا ہے دل کو تھام تو لو   بولیو مت بھلا سلام تو لو

کوئی اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندہ کو آزار نہ ہو
آج ہے دھوم اسیراں قفس میں کچھ اور
جا کے دیکھو تو کوئی تازہ گرفتار نہ ہو

کیوں بھلا محو جمال صاحب محمل نہ ہو
کیاکرے مجنوں جو اس کے بس میں اپنا دل نہ ہو
ایک اداسی کارواں پر چھا گئی اے ساربان
ٹک خبر لیجو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

کیا کام ہم کو سجدہ دیروحرم کے ساتھ
مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھ
او جانے والے مڑکے ذرا دیکھیو ادھر
مانند سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ
یاں قدم بوسی کو جھکتا ہے ہما کا سایہ

جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اڑنے پر
اے نکہت گل تونے کیوں اتنی شتابی کی

سرگرم اختلاط رقیبوں سے ہو چکی
ناموس و ننگ و نام غرض آپ کھو چکے

واللہ میں بھی تنگ ہوں اب کاش اے صنم
جو کچھ نصیب میں ہو کہیں جلد ہوچکے

غیروں سے بات چیت ہے میرے ہی سامنے
یہ حال ہے تو خیر مجھے آپ کھو چکے

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلئے پھر کعبہ بھی ہو آویں ذرا سیر تو ہو

آپ کے اس حباب کو مہر و وفا سے ربط کیا
بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اٹھتے ہی خفتگان خاک خواب عدم سے چونک چونک
موج نسیم کوئے یار آج تو تیرے پاس سے

سج یہ آفت تری، یہ دھج، یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

سیر گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے اتنا
کنج عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

جوں شعلہ برق آہ نکلتی ہے جگر سے
اے ابر مژہ دیکھیں تو برسات کی تیرے

گرہ حسرت کی ہر تار نفس میں پڑ گئی جس سے
یہ کیسی ہوک ہردم اے دل پردرد اٹھتی ہے

آئے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے
اب ہے امید صرف خدا ہی کی ذات سے
کل سے تو اختلاط میں تازہ ہے اختراع
رکنے لگے ہیں آپ مری بات بات سے
مطلق ملاکے آنکھ ادھر دیکھتے نہیں
آتے نظر ہو آج بھی کم التفات سے
''انشا'' نے آ لگا ہی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہے کوئی اپنی گھات سے

فنافی اللہ کے رتبے سے پائی ہو جو آگاہی
تو کچھ جینے سے خوش ہو جی نہ کچھ مرنے کا غم کیجے

''انشا'' کی گفتگو وہ دھواں گرم ہے کہ آج
آکر بہار اس کے گلے سے لپٹ گئی

ابھی کہتا ہوں دروازے کی کنڈی کھول دو چھپکے
نہیں تو میرا سر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے

افشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جس وقت سحر ''انشا'' سورج کی کرن نکلے

نکلا ہے خوں تھہر تھہر دل کی ہر اک خراش سے
چھیڑ دو اس کو دوستو تیز قلم تراش سے
موسم گل سے دوستو جائے وہ سیر باغ کو
اُٹھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہ فراش سے

شہر سے دل اچاٹ ہے آنسو نہیں اجاڑ سے
سر کو پٹکئے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے

"انشا اللہ" شاید آیا اس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہے

کچھ تہی دستی ہی تنہا دشمن "انشا" کی نہیں
عشق و ہجر و نوجوانی گردش ایام بھی

محیط عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں تس پر
کہے ہے نا خدا یاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے

خیال ہستی موہوم دل سے دور کر "انشا"
سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس پر آہ غافل ہے

کھپ گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھ کو کیا جانئے کیا بات خوش آئی تیری

قصہ میں ترے ہم نے بڑا لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

اس دل جلے کو ہجر میں اے آتش فراق
ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے

ہم صفیراں چمن دیکھئے کیا ہوتا ہے
آج صیاد پھر آیا قفس و دام لئے

کل وہ نگہہ اچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی
بےاختیار اس سے مری آنکھ لڑ گئی

کیسا کیا آہ ناتواں تو نے   آگ سی پھونک دی یہاں تو نے

گالی سہی، ادا سہی، چین جبیں سہی
یہ سب سہی پر، ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھئے میں نازنیں سہی

بندگی ہم نے تو جی سے اپنے ٹھانی آپ کی
بندہ پرور خیر آگے قدر دانی آپ کی

لب پر آئي هوئي يه جان پهرے
يار، گر اس طرف کو آن پهرے

دل کي بهڑک نے مجهه کو گهبرا دیا عزیزو !
اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چهري سے
پهولوں کی سیج پر تو واں چاندني میں سویا
اور رات هم نے کاٹی یاں سخت بےکلي سے

پهبتی ترے مکهرے په مجهے حور کی سو جهی
لا هاتهه ادهر دے که بهت دور کي سوجهی

پهونچے ہے پر کوئي اس گل تلک "انشا" کیا دخل ؟
بلبل اس رشک تمنا میں مري جاتی هے

زمیں سے اُٹهی هے یا چرخ پر سے اُتری هے
یه آگ عشق کی یا رب کدهر سے اُتري هے

لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چهاتي سے
الهي اپنا بهي روٹها هوا کهیں من جائے

پهر کچهه گئے هوؤں کي مطلق خبر نه پائی
کیا جانئے کدهر کو جاتا یه قافله هے

بار گراں اُٹھاتا کس واسطے عزیزو
هستي سے کچھ عدم تک تھوڑا ھي فاصلہ ھے

یہ دو روزہ نشو و نما کو تو نہ سمجھ کہ نقش بر آب ہے
یہ سراب ھے ' یہ حباب ھے ' فقط ایک قصۂ خواب ھے

ھے جي میں قفل خانۂ خمار توڑیے
یعني در بہشت کو یک بار توڑیے

زنہار همت اپني سے هر گز نہ هاریے
شیشے میں اس پري کو نہ جب تک اُتاریے

مجنوں تو سوکھ ساکھ کے اک خار بن گیا
لیلیٰ کا چہرہ مثل گل ورد ھے سو ھے

کسی نے اس کی شکایت جو کی تو میں بولا
وہ کیوں نہ جبر کرے کس کے اختیار میں ھے

معلوم نہیں روتے ھیں کس آئینہ رو سے
پانی جو اترتا نہیں قلچوں کے گلو سے

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے　　وہ تو بےچاری آپ ننگی ہے

——

اور بھڑکی ہے اشتیاق کی آگ　　اب کسے صبر و تاب باقی ہے

......

یاں زخمی نگاہ کے جینے پر حرف ہے
ہے دل پر اپنے زخم کہ سہنے پہ حرف

قصائد

حمد

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تونے کھولے
دفعتاً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق
تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا
عقل اول نے پڑھا تجھ سے باادب ہو کے سبق
کیجئے گر نظر غور بہ انواع صفات
خیرہ ہو ذہن کہے ہے یہ مسائل میں ادق
خلق انساں کو کیا نام یہ اس کو بخشی
ہیئت جسم کو کر کے متشکل زعلق
جلد دے لحم کی تصویر بن غازیہ سے
ایک پردے میں قوا اخذ کریں اپنا حق
ہیں سب اعصاب و شرائیں و رباط اس لئے تا
روح کی آمد و شد کو نہ رہی رنج فرق

ذوق و بصر و لمس و سمع و شم و وهم و خیال
بن کہے تو نے دئے ہم کو کریم مطلق
صدقہ اس بندہ نوازي کی تری ہم جاویں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق
بحر سواج حقائق سے گذر کون سکے
ہاں مگر فضل ہے تیرا ہي بہ جاے زورق
روز و شب حضرت خلاق ترے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق
حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا ہوں
شکر صد شکر ہے اے حمد و ثنا کے الیق
کہ مجھے دین محمد میں کیا تونے خلق
ورنہ تھی اور بھي انواع کے ادیان و طرق

مدح بادشاہ

جشن و نشاط و خوش دلي و عشرت نعم
عیش و خوشي میں چین سے خوش وقت ہو بہم
فرخندگي بخت پہ نازاں تھے اپنے سب
ہر ایک نغمہ سنج تھا با طوطي ارم
فیض سحاب فرح سے تھي مزرع اُمید
گل گل کبھی شگفتہ نہیں ہوتے صبح دم
بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بہ فصل گل
غنچوں کو یہ شگفت نہیں ہوتي صبح دم
قمري کو وصل سرو کي اتنی نہیں خوشي
آہو کو یہ سرور نہ ہوے بہ وقت رم

جو کچھ کہ جوششیں تھی فرض ان سبھوں کے ساتھ
ممکن نہیں کہ کیجے بیاں ان سے بیش و کم

خدمت میں ان سبھوں کی کہا میں نے التماس
شادی کی وجہ کیا ہے خبر پاویں کچھ تو ہم

بارے یہ کیا نشاط ہے ہم بھی تو کچھ سنیں
خوش ہوے فرح سے ہو ہمارا بھی تازہ دم

شامل مجھے بھی کیجئے اس عیش میں کہ میں
حضار بزم خاص سے ہوں مورد کرم

دیکھے چلے ہیں اس کو مبارک کہ آج وہ
شاہنشہ زمانہ ہے بر مسند حشم

وہ واجب الاطاعت و مسجود خلق ہے
دوراں کے بیچ میں وہ جو ہے شاہ محترم

معنی آیۂ وادے الامر منکم آ
تفسیر بیچ دیکھ لو قرآن کی قسم

یعنی وہ شاہ عالم و فخر جہانیاں
عالی گہر، خجستہ سیر، معدن ہمم

شاہ نجف نے قبضہ میں دی جس کے ذوالفقار
دو ٹکڑے جس سے ہو وے عدو بیش ہو نہ کم

جو حسن خلق اس میں ہے، ہے خلق میں کہاں
ذات ستودہ الغرض اس کی ہے مغتنم

جس کے رکاب میں ہیں سلاطین روزگار
گردن کشان دہر ہیں جس کے کہ سب قدم

"مدح شہزادہ سلیمان شکوہ"

صبح دم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ
جنبش باد بہاری سے گئی آنکھ اُچٹ
دیکھتا کیا ہوں سر ہانے ہے کھڑی ایک پری
جس کے جوبن سے ٹپکتی ہے نری گدراہٹ
عطر میں ڈوبی ہوئی زور سے بوباس اُس کی
بل بے سج دھج تری بل بے یہ تری نرماہٹ
آفتاب اس کی جبیں کے جو مقابل ہو رہے
صدقے ہو ہو کے کہے اُف رے تری چمکاہٹ
موتیوں سے جو بھری مانگ وہ دیکھے اُس کی
سحر سے تاروں بھری رات کی جی جائے ہٹ
حرکت اس کی تھی یوں غمزۂ چالاک کے ساتھ
رند جوں ایبلق کے میخانے میں لیویں کروٹ
چتون اٹکھیلا بلا نرگس و جادو آنکھیں
آنکھ ایسی ہے کہ دے برق کی چشمک کو اُلٹ
شوخی اس روپ سے اس تار نظر میں کھیلے
آتا جاتا ہو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ
الغرض تھی جو اس اوصاف سے موصوف، اُس نے
اپنے مکھڑے سے دوپٹے کے مسلسل کو اُلٹ
مجھ سے سر مکھ ہو کہا، دولت بیدار ہوں میں
خواب غفلت سے بس اب چونک گلے میرے لپٹ
مجلس آراستہ ہے سالگرہ کی اس کی
جس کے ہر لحظہ دعا دینے میں ہے سب کو لٹ

پھلے وہ شاہ سلیمان کہ شکوہ اس کے سے
نیر حشمت و اقبال کو ہے چمکاہٹ
جشن شاہانہ ہے ، ہیں امرا حاضر وقت
اس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کی ہیں ٹھٹ ٹھٹ
ہے یہ دھڑکا دھل و کوس کی آوازوں سے
سینگ گاو زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ
سنتے ہی میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ
شرف اندوز ہوا خدمت اقدس میں جھٹ

سالگرہ بادشاہ انگلستان

بکھیاں نور کی طیار کر اے بوئے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانان چمن
عالم اطفال نباتات یہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
بیٹھ کر جلوۂ کرسی پہ دکھاوے گا پھبن
شاخ نازک سی کوئی ہاتھ میں لے کر ایک کیمپ
ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچے گل سب ہی وہاں کھولیں گے بوتل کے دھن
اہل نظارہ کے آنکھوں میں نظر آویں گے
باغ میں نرگس شہلا کے ہو آئے چتون

اور ہی جلوے نگاہوں کو لگیں گے دینے
اودی بانات کی کرتی ہے شکوہ سو سن
کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی
خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن
نے نوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار
آ کے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اس کا فن
آئے گا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب
یا سمن پتوں کی شیشے میں چلے گی بن ٹھن
نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرا
ساتھ ڈولے کی نزاکت بھی جو ہے اس کی بہن
حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہونگے
اس میں ہو وینگے پریزاد بھی سب عکس فگن
کیا تعجب ہے جو فواروں کی ہو سارنگی
رعد کے طبل بجیں ایسے کہ ہوں مست ہرن
ناچنے کو ہو کھڑی آن کے چھلا بسائی
چوکڑی بھولیں جسے دیکھ غزالان ختن
کوٹ کوٹ اس میں بھرا ہے یہ قدرت نے جمال
روشنی مانگ لیں اس مکھڑے سے نسرین و پرن
یعنی وہ رشک پری کہتے ہیں بجلی جس کو
تیرہ ہے جس کی جدائی سے جہاں روشن
ہے وہ نک سک سے درست ایسی کہ سبحان اللہ
بل بے دھج، بل بے اکڑ، بل بے ترا مٹکا پن

(مثنوی ہجو پشہ)

مچھروں کو ہوا ہے اب کسی یہ اوج
دب گئی جن سے مرہٹوں کی فوج

سوکھے سہمے ہیں کالے کالے ہیں
یہ بھی پر کوئی کھوڑے والے ہیں

ہیں دوپٹہ میں صاف گھس آتے
اور لحافوں میں ہیں سما جاتے

ان کے بھنانے کی ہے یہ آواز
تار جس سے کبھو نہ ہو دم ساز

نیش گو ان کی ریزے ریزے ہیں
چڑتے بھنکار کر یہ نیزے ہیں

ناک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل
پھونکتے ہیں یہ صور اسر فیل

ہے سیہ پھول کی کلی ان سے
سب کو ہے ایک بیکلی ان سے

کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں
نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں

مصحفی

شیخ غلام ھمدانی نام، امروھہ کے رھنے والے - ابتدائی جوانی میں دھلی گئے - مشہور عالم مولوی مستقیم سے درسیات پڑھے - دھلی قیام کے زمانہ میں ان کے گھر پر اکثر مشاعرے ھوتے تھے دھلی کی بربادی پر گھر سے نکلے - پہلے کشمیر پہونچے' شیخ قیام الدین قائم کے ذریعہ سے نواب محمد یار خاں کے دربار میں رسائی ھوگئی' انھوں نے ایک قصیدے کے صلہ میں کچھ ماھانہ تنخواہ مقرر کردي - کچھ دنوں تک ٹانڈے میں خوش حالي سے زندگي بسر کرتے رھے - جب نواب محمد یار خاں کا زمانہ بدل گیا تو لکھنؤ گئے - وھاں سے دھلي اور دھلی سے پھر لکھنؤ پہونچے - لکھنؤ میں مرزا سلیمان شکوہ کے مصاحب خاص ھو گئے - مشق سخن ھر حالت میں جاري رھي اور ترقي کي طرف قدم بڑھتا گیا یہاں تک کہ ان کي استادي مسلم ھو گئي - اور شاعروں کے خلاف شیخ مصحفی کي طبیعت میں مسکینی اور حلم بہت تھا' اس لئے تمام شعرا ان کا ادب کرتے تھے -

"مصحفی" کي طبیعت میں ایسی جولانی اور رواني تھی کہ وہ کسي خاص رنگ یا مخصوص صنف کي پابند نہ تھي درد' سادگي' کثرت مضامین ان کے کلام کے خاص جوھر ھیں - قواعد زبان - اصول عروض اور صحت محاورات کا بہت خیال رکھتے تھے -

"میر" اور "سودا" کے بعد "مصحفی" کے مقابلے کا کوئی استاد نہیں گذرا

ان کے شاگردوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ صرف لکھنؤ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی - جن میں سے بیشتر نام‌آور اور مشہور زمانہ ہوئے - ان میں ''آتش''، ''خلیق'' ضمیر'' اسیر'' اپنی اپنی جگہ خود استادان فن تسلیم کئے گئے اردو کے اٹھ دیوان اُن کے تصنیف ہیں - لیکن وہ اب کمیاب ہیں ان کے چار دیوانوں کا انتخاب رام پور میں شائع ہوا تھا -

اس انتخاب کا انتخاب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے - شیخ ''مصحفی'' نے ۷۶ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۴۰ ھ میں انتقال کیا اور لکھنؤ میں سپرد خاک ہوئے -

انتخاب

نظارہ کروں دہر کی، کیا جلوہ گری کا
یاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
کیا لطف مقام اُن کو جو مشتاق عدم ہیں
دل تنگ میں رہتا ہے ہمیشہ سفری کا
بندہ ہے ترا، "مصحفی" خستہ کو یارب
محتاج طبیبوں کی نہ کر چارہ گری کا

اگر اب کی بہار آئی تو ہم ان جامہ زیبوں کو
دکھائیں گے تماشہ دھجیاں کرکے گریباں کا
نہ ہم مرہم سے کچھ واقف نہ پھاہے کو سمجھتے ہیں
ہمارے زخم پر احساں ہے تیرے نمک داں کا

بے رونقی سینہ میں ہے، اب کس کو دکھاؤں
داغوں سے بتوں کے کبھی گل زار یہی تھا
دامن کو کیا رشک چمن خوب ہی، شاباش
رونے کا حق اے دیدۂ خوں بار یہی تھا
کیوں قتل کیا "مصحفی" خستہ کو تونے
کیا چاہنے والوں میں گنہ گار یہی تھا

اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
شیخ کعبے سے اٹھ نکل باہر
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا
دل دیوانہ رات سے گم ہے
کہیں اس کا پتا نہیں ملتا

ہستی کا حساب کچھ نہ نکلا
جز عالم خواب کچھ نہ نکلا

صدقے اس مرغ گرفتار کے جوارکے رہیں
پھر گیا دام کے جانب جو قفس سے چھوٹا

اس کی انکھوں کو نہ دیکھا مرے غم خواروں نے
جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا
کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا' کہ رات
جو قدم آپ نے رکھا مرے سر پر رکھا

سو سو طرح کا حادثہ مجھ پر گذر چکا
تو اب تلک نہ اے دل بے تاب مرچکا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر معشوق ہے
ہے تو بیداري مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

جس آہ وہاں کوئی کرے کیا
کچھ بس نہ چلے جہاں کسي کا

سوتے ہی ہم رہ گئے افسوس ہائے
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
جادۂ شمشیر تھا ایسا کوئے یار
پاؤں کے رکھتے ہي وہاں سر گیا

سوجھا نہ ہمیں خاک بھي کچھ بے بصري سے
یاں ورنہ ہراک ذرے میں خورشید عیاں تھا
رکھیو مجھے معذور تم اے قافلے والو
مانند جرس دل مرا لبریز فغاں تھا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اُٹھائے ہیں کیا کیا
شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا
میں اس کے حسن کے عالم کي کیا کروں تعریف
نہ پوچھ مجھ سے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

خیال یار جو شب مجھ سے ہم کنار رہا
تمام شب میں اُسي کے گلے کا ہار رہا
تہ مزار ہماری ہوئیں نہ انکھیں بند
کہ مرکے بھی ترے آنے کا انتظار رہا

ملے نہ آکے کبھی ''مصحفی'' سے تم افسوس
امیدوار تمہارا امیدوار رہا

جو ہم سے وعدۂ دیدار یار ٹھہرے گا
تو کچھ نہ کچھ یہ دل بے قرار ٹھہرے گا
کرے گی تن کو بھی بے تاب، بے قراری روح
ہوا میں خاک یہ مشت غبار ٹھہرے گا
خدنگ خوردہ دل آگے سے اس کے جاتا ہے
بہ جز عدم نہ کہیں یہ شکار ٹھہرے گا
شتاب اٹھو ٹھہرا رکھیں گے ہم اس کو
جو دم لبوں پہ شب انتظار ٹھہرے گا

فسانہ اک طرف، شب ہائے ہجراں کی درازی کا
قیامت، ماجرا نالوں کی ہے ہنگامہ سازی کا

ہجوم گریہ زبس رات چشم تر میں رہا
نہ ایک قطرۂ خوں صبح تک جگر میں

سمجھے نہ وہ مومن اور کافر
دل چاہئے اس کو ہر کسی کا

اب نہ فرہاد ہے نہ مجنوں ہے
رہ گیا عاشقوں کا افسانا –

عالم ہمیں خوش آیا از بس کہ اس جہاں کا
آکر عدم سے بھولے نقشہ بھی ہم وہاں کا
اک جام مے کے خاطر پلکوں سے اپنی زاہد
جاروب کش رہا ہے ہر سوں دو مغاں کا

آئینہ وہ دیکھتا ہے عکس آئینہ اسے
حال کچھ کھلتا نہیں ہے ناظر و منظور کا
معنیٔ الحق یعلوا سب جہاں پر کھل گئے
دار پر جس وقت سر اونچا ہوا منصور کا

عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا
صبح پیری میں اثر تھا مرہم کافور کا
کب کوئی سمجھ سکے عاشق اس رخ پر نور کا
چاہئے موسے سا پروانہ چراغ طور کا

جلد آکہ ہوا وقت مری جاں شکنی کا
یہ وقت تو ظالم نہیں پیماں شکنی کا

اس مرگ کو کب نہیں میں سمجھا
ہر دم ' دم واپسیں میں سمجھا
سب خلق کی سر نوشت پڑہ لی
اپنا نہ خط جبیں میں سمجھا

مشکل ہے کتاب حسن تیری
سمجھا نہ کبھی، کبھی میں سمجھا

صدمے سو دل پہ ہوئے ہم نے نہ جانا، کیا تھا
واہ رے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا
عمر گھٹتی جو مری اس کا نہ تھا مجھ کو گلہ
اے فلک وصل کی شب تجھ کو گھٹانا کیا تھا
میں نے مانا کہ مصمم تھا تجھے قصد سفر
منھ پہ یہ بات، مرے سامنے لانا کیا تھا

خلل انداز ہوئی حسرت عاشق، ورنہ
پھر سے عہد محبت تو کئی بار بندھا

جنوں عشق جو مجھ سے نہ دشمنی کرتا
کبھی تو ہاتھ گریباں سے آشتی کرتا

کیا کہوں میں جو مزہ برش شمشیر میں تھا
لیک بے زخم ہی مرنا مری تقدیر میں تھا
کسی کوشش کسی تدبیر سے کیا ہونا تھا
پیش آیا وہی جو کچھ مری تقدیر میں تھا

سمجھے وہ مرغ خستہ، مرے اضطراب کو
سینے میں جس کی ٹوٹ کے پیکاں رہ گیا

وائے وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا
مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

اللہ رے ترے سلسلۂ زلف کی کشش
جاتا ہے جی اُدھر کو کھنچا کائنات کا

اے "مصحفی" بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

کیا غرض تھی طرف دیر و حرم کیوں جاتے
اس کے کوچہ میں ہمیں عمر بسر کرنا تھا
تیغ قاتل کو عبث ہاتھ پہ روکا افسوس
"مصحفی" تجھ کو یہاں سینہ سپر کرنا تھا

طرفہ رونا ہے میں اس دیدۂ تر سے گذرا
چار ہی اشکوں میں پانی مرے سر سے گذرا
لذت زخم میں بے خود ہوں ہمیں کیا معلوم
آہ سینے سے کہ وہ تیر سپر سے گذرا

غم خوار مرا دل بھی تو اصلا نہیں ہوتا
ہنگام مصیبت کوئی اپنا نہیں ہوتا
کیا تیرگی بخت مری اس میں ہے شامل
جو آج کی شب صبح کا تڑکا نہیں ہوتا

جذبۂ عشق دکھاتا جو اثر اے لیلیٰ
جانب وادیِ مجنوں رخ محمل ہوتا

نو بہار آتے ہی ہم نے قفس آباد کیا
نالے کرنا ہمیں منظور گلستاں میں نہ تھا

جی رات لبوں پر آرہا تھا
مرنے میں ہمارے کیا رہا تھا

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا
مجھ پر تو اک قیامت عہد شباب لایا
اے ''مصحفی'' تو اب کیا منھ دیکھتا ہے پی بھی
لبریز کر کے ساقی جام شراب لایا

کہیں اے ''مصحفی'' کیا ہو گیا ہے ہم سے سچ کہہ دو
یہ قصہ تم کہا کرتے ہو اب دو دو پہر کسی کا

ہاتھ خالی مرا دنیا میں جو بالکل ہوتا
تو بھی زاد سفر راہ تو کل ہوتا

شعلہ جلتا ہے تب غم سے نہیں ضبط کی تاب
ہاتھ رکھتا ہے اسی واسطے دل پر اپنا

٥٨٥

کیسی بہار میں کی طالع نے نارسائی
پر تک قفس سے اڑ کر گلزار تک نہ پہنچا

آدم کو سجدہ گاہ ملائکہ بنا دیا
یہ رفتہ رفتہ مرتبۂ مشت گل ہوا
بیٹھا جو جم کے یار کے پہلو میں کل رقیب
دم رک گیا مرا کہ وہ چھاتی کی سل ہوا

کچھ یار کے دامن کی خبر پوچھ نہ مجھ سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریباں گیا تھا

منظور کب تھا کعبہ و بتخانہ دیکھنا
دونوں جگہ تھا جلوہ جانا نہ دیکھنا

انکھ اپنی سوئے در ہی رہی رات دن لگی
نظروں میں جس سے وعدہ دیدار ہو گیا
ایسا ذرا غبار اگر میرے یار کے
واں بھی تو درمیان میں دیوار ہو گیا

ہم نام ہی سنتے ہیں فقط مہر و وفا کا
انکھوں سے کہیں مہر و وفا کو نہیں دیکھا

یاروں کی فقط جنبش دامن پہ نظر ہے
افسوس کہ اس جنبش پا کو نہیں دیکھا

ملنے سے میرے یار کو انکار ہی رہا
جب تک جیا میں وعدہ دیدار ہی رہا
فرصت کبھی نہ مجھ کو گریباں دری نے دی
دست جنوں گلے کا مرے ہار ہی رہا

محشر کو تھا جو وعدۂ دیدار آپ کا
حاضر ہوا یہاں بھی گنہگار آپ کا
جس روز ہم کو سایۂ طوبیٰ میں جا ملے
آئے گا یاد سایۂ دیوار آپ کا

یوں آئینۂ دل کو جو ہم گھور رہے ہیں
اس میں تری صورت نظر آتی ہے ہمیں تھا

کچھ دیر ہے رہائی مرغ اسیر میں
جائے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا
دیکھو شبیہ عاشق و معشوق کا ورق
گویا مقابلہ ہے خزان و بہار کا

کیوں پھڑکتا ہے قفس میں اسے آزار ہے کیا
یہ تو پوچھو ہوس مرغ گرفتار ہے کیا

پاؤں پر آبلہ پھوڑے یہ سمجھتے ہی نہیں
نوک نیزے کی کسے کہتے ہیں اور خارہے کیا

گلی سے یار کے قاصد مرا شتاب آیا
جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا

عالم ہے بت پرستی عاشق سے مطلع
جب سامنے خیال رخ آیا صنم ہوا

دیکھنا ! ضد تپ رہا صیاد نے مجھ کو کہا
باغ سب تاراج جب باد خزاں سے ہو گیا

جو خوب رو ہے اس کو خریدار ہے ضرور
یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا
کنج قفس سے چھوٹ کے پہنچا نہ باغ تک
حسرت ہی دل میں مرغ گرفتار لے گیا

جس کی صورت آنکھ سے اوجھل کبھی ہوتی نہ تھی
اب اسی کا تشنۂ دیدار میں رہنے لگا

اے وائے آگیا مرے آرام میں خلل
خواب عدم سے کس نے یہ مجھ کو جگا دیا

تجھ سے ناچار ھیں اے مرگ! وگرنہ ھم تو
قصد کرتے نہ کبھي زیر زمیں جانے کا

گرم سفر رھے، پر منزل کو ھم نہ پہنچے
آوار گی نے ھم کو ریگ رواں بنا یا

کنج قفس میں لطف ملا جس کو، وہ اسیر
چھوٹا بھی تو کبھي نہ سوئے آشیاں گیا
یاراں رفتہ ھم سے ملے ایسا چھپا گئے
معلوم بھی ھوا نہ کدھر کارواں گیا

ھوا ھے دشمن جاں اب تو باغباں میرا
چمن میں رھنے نہ دے گا یہ آشیاں میرا

گردن تک آکے پھر گئي وہ تیغ آبدار
پیمانہ ھوکے عمر کا معمور رہ گیا

پیري سے ھوگیا ھے یوں دل کا داغ ٹھنڈا
جس طرح صبح ھوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

انگڑائي لیکے اپنا مجھ پر خمار ڈالا
کافر کی اس ادانے بس مجھ کو مار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بار گران ہستی
یہ بوجھ سر سے ہم نے آخر اوتار ڈالا

افتادگان وادی غربت کی سر گذشت
کرتا ہے خود بیاں لب خاموش نقش پا

عاشق کے نہ ملنے کا سبب کچھ بھی تو ہوگا
منظور اسے لطف و غضب کچھ بھی تو ہوگا

مہندی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا

ترے خیال کو بھی ہم نے شب نہ پہچانا
اگرچہ دیر تلک وہ دو چار ہم سے رہا

ہم اسیران قفس کو تب خبردی تو نے آہ
لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن اے صبا

دل تڑپ میں نہیں واقف ہے شکیبائی کیا
جان ہی لے گی ہماری شب تنہائی کیا
''مصحفی'' گوشے میں بیٹھا ہے جو خاموش سا آج
تیری تصویر کسی نے اسے دکھلائی کیا

رونے سے کام بس کہ شب اے ہمنشیں! رہا
انکھوں پہ تابہ صبح ' سر آستیں رہا

یاران گرم رو تو سب آگے نکل گئے
اللہ رے ضعف! ان سے میں پیچھے کہیں رہا

ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
میں نیم کشتہ نگہ شرمگیں رہا

کیا میرے رنگ زرد کا چرچا ہے دہر میں
رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا

کیوں جاؤں بار بار نہ اس در پہ "مصحفی"
کہنے میں میرے اب تو مرا دل نہیں رہا

سوز غم پنہاں سے دل اپنا جو بر آیا
پر کالہ آتش تھا جو لخت جگر آیا

"مصحفی" یہ مرض غم ہے' تو مر جاؤ گے
کچھ علاج دل بیمار کرو تم اپنا

جو اٹھ گیا فلک کے ستانے سے اٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اٹھ گیا

گو اب ہزار شکل سے جلوہ گری ہوئی
اپنا تو دل اس آئینہ خانے سے اٹھ گیا

باقی نہ "مصحفی" کا رہا خاک بھی نشاں
نقش قدم کی طرح زمانے سے اٹھ گیا

میں نے تو ترے عشق میں کیا کیا نہیں کیا
سب کچھ کیا ہے پر تجھے رسوا نہیں کیا

مجھے آتا ہے رحم اس طائر بے پر کی حسرت پر
کہ اُڑ سکتا نہیں اور ہے قریب آشیاں بیٹھا

بے نصیبی کا گلہ ہے کہ ہم اُس دم پہنچے
گر کے جب ہاتھ سے ساقی کے سبو ٹوٹ گیا

نظر آتا ہے کہ اک روز میں اس گلشن سے
خاک اڑاتا ہوا مانند صبا جاؤں گا

پردہ نہ اٹھایا کبھی رخسار سے اُس نے
تا زیست مجھے حسرت دیدار میں رکھا

تھی فکر اہل جرم میں کس کو کروں میں قتل
اتنے میں یاد اس کو مرا نام آگیا
افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب حشر لب بام آگیا

دل میں کہتے تھے ملے یار تو کچھ اس سے کہیں
مل گیا وہ تو نہ اک حرف زباں سے نکلا

خوبان خوش خرام سے شکوہ یہ ہے کہ ہائے
کچھ دھیان بھی کیا نہ کسی پائمال کا

ہاتھ سے جب کہ ترا گوشۂ داماں چھوٹا
ایک ساعت نہ کشاکش سے گریباں چھوٹا

سب کو نامے میں لکھا اس بت کافر نے سلام
آئی نوبت جو مری، میں قلم انداز ہوا

کشش عشق نے لیلی کو دکھائی تاثیر
آج مجنوں کی طرف ناقہ بہت تیز آیا

جدھر دیکھو ادھر چرچا ہے ان ہنگامہ سازوں کا
چلے قتلے کی کیا، یاں دور ہے دامن درازوں کا

جب آنکھ اس سے لڑ گئی مر مر کے ہم بچے
بھلی ہمیں نہیں ہے سزاوار دیکھنا

تو کرے ناز اگر حسن پر اپنے، ہے بجا
کہ بنا کر تجھے خالق نے بہت ناز کیا

ہے یہاں کس کو دماغ؟ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہئے تنہائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

میں فقط بے صبر و طاقت ہجر میں اس کے نہیں
دل بھی اب بے طاقتی کو کام فرمانے لگا

ہم بھی بیٹھے ہیں سرراہ بنا کر تکیہ
جی میں آئے تو فقیروں سے ذرا مل لینا

ملنے میں کتنے گرم ہیں یہ ہائے دیکھنا
کشتہ ہوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا
اے باغباں نہ مجھ سے خفا ہو کہ اب چلا
اک دم خوش آگیا ہے مجھے سایہ تاک کا

کب سے کھلی ہیں آنکھیں مری، انتظار میں
اے صبح منہ دکھا کہیں اے آفتاب آ

ہے تماشا کدۂ خلق، مری خاک مزار
جی میں آئے تو ذرا تو بھی یہاں ہو جانا

کوچۂ عشق میں پرسش کی نہیں بات کوئی
سہل سی بات ہے یاں جی کا زیاں ہو جانا

یہی رہتا ہے ترے کوچے میں اندیشہ مجھے
کہ میں اس در سے اٹھوں گا تو کدھر جاؤں گا
جسطرح پیش نظر سارا زمانہ گزرا
میں بھی اک روز اسی طرح گزر جاؤں گا

اک جیب تھا سو نذر کیا تیرے اے جنوں
لاؤں کہاں سے اب میں گریبان دوسرا

غرض ہر وقت روتے ہی رہے، ہم دل کے ماتم میں
نہ سوکھا ایک دن رومال اپنے دیدۂ تر کا

یا تو آگے دیکھ کر آئینہ شرماتے تھے تم
یا وہ اب تصویر سا پیش نظر رہنے لگا

انداز محبت کے کوئی سیکھ لے ہم سے
کہتے ہیں جسے عشق وہی فن ہے ہمارا

مرے جنوں پہ بہت تنگ ہے فضائے جہاں
مکان چاہئے اس کو بڑی فراغت کا

اس اشک و آہ سے گر ، دل نہیں کھلتا تو گلشن میں
شمیم برگ گل اور قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا

کسی مست کی لگی ہے مگر اس کے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہے میکدے میں قدح شراب اُلٹا

بیٹھنا پاس تمہیں غیر کے کیا لازم تھا
تم نے اتنا بھی کبھی پاس ہمارا نہ کیا

اگر درد دل میں یہ لذت ہے یارو
تو میں ان طبیبوں کے درماں سے گزرا

اک دم نہ رکا ہاتھ مرا جامہ دری سے
اک چاک نیا روز گریباں میں دیکھا

دیرو حرم میں آ تو کہ معلوم ہو تجھے
الفت نے تیری گبرو مسلماں سے کیا کیا

شمع پردے میں جلی تو کیا ہوا
ہم پہ سب احوال روشن ہوگیا
کس کے پلکیں شب خدنگ انداز تھیں
دل میں ہر تارے کے روزن ہوگیا

وہ عشق و ولولہ وہ شور ہائے و ہو نہ رہا
ہوئے ضعیف ادھر ہم، ادھر وہ تو نہ رہا

ہم آپ ہي کشتے ہيں، نہيں قتل کي حاجت
يوں جي ميں جو آئے تو کوئي زخم لگانا

ان آہوں سے حجاب اس آسماں کا اٹھ نہيں سکتا
غضب يہ ہے کہ پردہ درمياں کا اٹھ نہيں سکتا
ہم اس گلشن سے اک دن آشياں اپنا اٹھائيں گے
دماغ اپنا تو ہم سے باغباں کا اٹھ نہيں سکتا

کعبہ و دير ميں ڈھونڈھے جو کوئي لے کے چراغ
تجھ سا کافر نہ ملے اور نہ مسلماں مجھ سا

اے "مصحفي" آيا نہ نظر صبح کے ہوتے
کيا تو بھي شب ہجر، چراغ سحري تھا

چين سا جاتا رہا ہے دل سے ميں حيران ہوں
اس نے کل آنکھيں لڑائيں مجھ سے، يا جادو کيا

لے لے کے نام اس کی جفاؤں کا ' مصحفی "
هم آپ جل رہے ہیں جلاتے ہو ہم کو کیا

آتش عشق سے شاید وہ ہوا تھا پیدا
شعلۂ برق جو باراں سے بجھایا نہ گیا

شب فراق میں' میں آہ و نالہ کیا کرتا
زباں کو درد دل اپنا ' حوالہ کیا کرتا
گر اس کے قدموں پہ اپنی نثار کرتا جان
تو وقت نزع اجل کو حوالہ کیا کرتا

کوئی یہ ساقی مجلس سے کہہ دو آئے ادھر
کبھی ہمارے بھی حصے میں دور ساغر کا

شب ہجراں کی سیاہی نہ ہوئی روز سفید
یہ ورق تونے نہ اے گردش ایام اُلٹا

گو ہم رہے سفر میں بھی تو کم فرصتی کے ساتھ
جیسے سرا میں رہتا ہے انسان شب کی شب

میں خستہ تمام ہو چکا اب جا درد کہ کام ہو چکا اب
دربار ہو یا نہ ہو فرض کیا اپنا تو سلام ہو چکا اب

ابر رحمت! میں توقع پہ تری آیا ہوں
دھو سیاہی کو مرے نامۂ اعمال سے خوب

ہونٹھوں پہ آرہی ہے یہ جاں انتظار میں
آنا ہے آپ کو تو کہیں آئیے شتاب

جس میں اک آدھ گھڑی ٹھہرا تصور بلندہ بنائے
شب مہتاب سے ہم کو وہ شب تار ہے خوب

نالۂ صبح! یہ کیا بے ادبی کرتا ہے
پایۂ عرش معلیٰ کا ہلانا نہیں خوب

آنے کی تیرے کہہ کے سوا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

یہ میکدہ وہ ہے کہ نہ پھر ہوش میں آیا
جس نے کہ یہاں آ کے پیا جام محبت

روح کو اس تن خاکی میں ہو راحت کیوں کر
ہے فقط قید قفس مرغ گرفتار کے ساتھ

افسوس آشیاں پہ مرے برق گر پڑی
جب فصل گل میں، میں نے کئے بال و پر درست
وا حسرتا کہ قافلہ یاروں کا چل چکا
ہم سے نہیں ہوا ابھی ساز سفر درست

خوشی کو کیا کوئی ڈھونڈھے، کہ نام کو بھی نہیں
وہ ہوگئی ہے ہماری دیار سے رخصت

نالہ کش اس باغ کی وہ بھی سہی
کون ہر ساعت کرے بلبل سے بحث

دیدار ہی ہے حسرت دیدار کا علاج
محشر پہ اٹھ رہا ترے بیمار کا علاج

آئینہ ہو جو الگ یار سے اتنا میں کہوں
سامنے رہنے دے تو بیچ میں دیوار نہ کھینچ

جنبش میں ہے وہ ابروئے خم دار بے طرح
چلتی ہے آپی آپ یہ تلوار بے طرح

بہار آئی خبر لے ان کی صیاد
قفس میں ہیں جو کچھ بے بال پر بند

بٹھو ا کاڑھ سے پلکوں کي تمہاري
ھے یہاں رگ رگ میں میري نیشتر بند
تري بالیں پہ بیٹھا ھے مسیحا
ابھي اے "مصحفي" آنکھیں نہ کر بند

کیا غم مجھے صیاد ! قفس کا ھے جو در بند
اُڑ جاؤں قفس لے کے' اگر میں نہ ھوں پر بند

پھر گئیں ہم سے یار کی آنکھیں گردش روز گار کے مانند

شاید کہ جل کے سینہ میں دل خاک ھوگیا
جھڑتي ھے جو مري نفس واپسیں سے گرد

شتاب ذبح کر اب کیا' درنگ ھے صیاد
کہ جان میری اسیري سے تنگ ھے صیاد

نہ ھوئي شاد تري خاطرغمگیں فرھاد
دل پہ کیوں نقش نہ کی' صورت شیریں فرھاد

صانع نے ھاتھ سے قلم صنع رکھ دیا
اس حسن لا زوال کی تصویر کھینچ کر

خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشي مجھ کو
"مصحفي" میں تو اسے حال چلا دکھلا کر

منھ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ہی چلے گئے
آوارگان عشق کو منزل کی کیا خبر
شمع شب فراق بنے ہم تو "مصحفی"
ہم دل جلوں کو عیش کی محفل کی کیا خبر

ڈرتا ہوں میں سینہ کہیں پھٹ جائے نہ تیرا
اے "مصحفي" اس طرح نہ فریاد کیا کر

بوہ کے اک دم سے نہیں گلشن هستي کی بہار
اس سے تو سیر گلستاں عدم ہے بہتر

عجب ڈھنگ ظالم کي آنکھوں کا دیکھا
نظارا فلک پر اشارا زمیں پر

کیا گردش فلک کا گلہ ہے کہ لے گئی
ہم کو تو تیري چشم کی گردش وطن سے دور

کافر مجھے نہ کہیو اے مومناں صادق
کرتا ہوں بت کو سجدے میں تو خدا سمجھ کر

شوخی میں تیری چشم کی بجلی کے ہیں یہ ڈھنگ
گا ہے نظر زمیں پہ گہے آسماں پر

چین سے کیا زمیں پہ بیٹھیں ہم   سر پہ یہ آسمان ہے کافر

ساتھ پیکاں کے نکل آیا جو دل لپٹا ہوا
یار پچھتایا مرے سینے سے پیکاں کھینچ کر

خاتمہ حسن حسیناں کا ہوا ہے تجھ پر
اب تو صانع نے بنائی تری تصویر آخر
''مصحفی'' یار کے ملنے سے نہ ہو نا اُمید
یہی نالے ہیں تو دکھلائیں گے تاثیر آخر

جی تو بھر آتا ہے میرا ضبط سے اے ''مصحفی''
پر حیا رونے نہیں دیتی مجھے دل کھول کر

شمع کے پاس جو آنے نہیں دیتی فانوس
گرد پروانے پھرا کرتے ہیں باہر باہر

کاش کے وہ بھی ہمارے سامنے ہی ہو چکیں
گردشیں باقی ہیں جتنی چرخ زنگاری میں اور

اس طرف ہم ہوں گے رخصت' اس طرف تو جائیو
کاٹ لے اے شمع اک شب گریہ‌وزاری میں اور

آسودگاں خاک کی عالم کی سیر کر
کیا چپ پڑے ہیں مجلس ماتم کی سیر کر

یاد آتا ہے جس وقت وہ پیارا ترا نقشہ
روتا ہوں گلے سے تری تصویر لگا کر

قاتل سے یہ کہو کہ تماشے کا وقت ہے
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے بسمل کو بے قرار
ملنے کو اس کے کیا کہوں کل اس نے ''مصحفی''
دو باتیں کر کے اور کیا دل کو بے قرار

عجب کیا کام بے قدروں سے نکلے' گر امیروں کا
رفوے شال ہے موقوف اک ادھی کی سوزن پر

ہے مری خاک بگولے کی طرح چکر میں
دست‌بردار نہیں گردش افلاک ہنوز
یار مل جائے گا اتنی بھی نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کی ہے اے دل صد چاک ہنوز

نعش پر نعش چلی آتي ہے اس کوچے میں
بس سر رحم نہیں غمزۂ سفاک ھنوز

اس کے ھاتھوں سے کہاں جاؤں کہ یہ جوش جنوں
دست بردار نہیں میرے گریباں سے ھنوز

بیگانگي ہے اس کي ملاقات میں ھنوز
وا حسرتا کہ فرق ہے دن رات میں ھنوز

شاید نہیں ہوئی مري حاجت روا، ھنوز
سوے فلک دراز ہیں دست دعا ھنوز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا مہینہ ہے ترے ھجر میں ھر روز

قصہ عشق ہے وہ طول و طویل   جس کا انجام ہے نہ کچھ آغاز

پیار کرتا نہیں نگاہ افسوس   چشم پوشي سے اس کي آہ افسوس
''مصحفی'' تیغ ناز خوباں سے   ھو گیا قتل بے گناہ افسوس

ھم اسیران قفس لطف چمن کیا جانیں
کون لے جاتا ہے ھم کو گل و گلزار کے پاس

یہی یہ روگ لگ گیا ہم کو
ساتھ لائے نہ تھے عدم سے غرض

وہ دن گئے کہ پیتے تھے جام شراب سرخ
اپنی معاش خون جگر پر ہے اب فقط

تو ادھر جاتا ہے اور ہے روح کی رخصت ادھر
کچھ تو کہہ لے مجھ سے اے آرام جاں وقت وداع

قصۂ عاشق رہا موقوف شب ہائے دگر
کر گئی اپنا بیاں اک رات میں افسانہ شمع

دل میں روشن ہے جو یارب داغ فرقت کا چراغ
صبح محشر تک نہ ہو گل یہ محبت کا چراغ
بے نشاں اب ہوگیا ہوں، میں رگر نہ پیش ازیں
یار کا نقش قدم تھا میری تربت کا چراغ

شعلہ اس کا منحصر خون لاکھ پروانوں کا تھا
دیکھتا گر ڈال کر منھ کو گریباں میں چراغ

تیر افگن ہیں ستارے ہجر میں دل پر مرے
بخت نے اس کو بنایا ہے نشانے کا چراغ

جب کر چکا تمام تو حیران رہ گیا
نقاش دیکھ کر تری تصویر کي طرف
کھنچتا ہے ہر کشش میں کماں‌دار؛ دل مرا
دیکھوں کمان کو کہ ترے تیر کي طرف

گردش تمہارے چشم کي دیکھیں کدھر کدھر
تکتي ہے ساري خلق اِسی جام کي طرف

کام ہے گانے سے کچھ اس کو نہیں
آشنا سے آشنا ہوتا ہے عشق
ماجرائے عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
سخت کافر ماجرا ہوتا ہے عشق

یہ اس کے حسن کی نیرنگیاں ہیں
تکلف برطرف کیا حسن کیا عشق

" مصحفی " جاکے میں گلزار میں ناشاد آیا
نہ ہوئي نکہت گل سے بھي ہوا داری دل

ہے گرفتاری دل باعث بیماری دل
ہوں نہ بیمار اگر ہو نہ گرفتارئي دل

" مصحفي " اس کو میں سر گرم وفا پاتا ہوں
ان دنوں کچھ تو ہوا ہے اثر زاري دل

کیا کریں جاکے گلستاں میں ہم
آگ رکھ آئے آشیاں میں ہم
جان و جاناں میں کوئي فرق نہیں
ایک پردہ ہیں درمیاں میں ہم

کبھي کام اپنا کسي سے نہ نکلا بہت خلق کی التجا کرچکے ہم

بے نام و نشاں بہت رہے ہم پردے میں نہاں بہت رہے ہم
شب گھر سے وہ ماہ رو نہ نکلا در پر نگراں بہت رہے ہم

پیدا کیا ہر ایک کو اک کام کے لئے
اس کو جفا سے کام ہے مجھ کو وفا سے کام

چھوٹتا ہے کیا ؟ نہ دکھلا آئینہ اپني صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

جتنا کہ ہمیں خوار یہ رکھتا ہے شب و روز
اتنے تو گنہ گار زمانہ کے نہیں ہم
ہوجائیں گے پامال گذر جائیں گے جی سے
پر، سر ترے قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

مرجائیں گے اے باد صبا دور چمن سے
پر تیری طرح خاک اڑانے کے نہیں ہم

ہر طرح تیرے ہی ہیں جو کچھ بھی ہیں
آشنا ہیں خواہ بے گانے ہیں ہم

مرجاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے
کس جرم کا خواہاں ہے مرا دل' نہیں معلوم
وہ بحر ہے دریائے سرشک اپنا کہ جس کا
ملاح تو کیا نوح کو ساحل نہیں معلوم

شمع آسا قصہ سوز دل اپنا ہے دراز
صبح کردیں گر کبھی چھیڑیں اس افسانے کو ہم

یاں خبر لیلے کو آیا ہے مسیحا میری
اور اب تک ہے وہاں بے خبری کا عالم

تصدق لے کے بیٹھے ہیں بس اس گلستاں میں ہم
ہے دل میں ایک دن نہ رہیں آشیاں میں ہم

کیوں جائے نہ بے پوچھے ہوئے "مصحفی" اس پاس
نادان کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم باز پسیں ہم
دنیا میں مسافر ہیں، نہیں کوئی مکیں ہم
پہلا سا مزا اب نہ رہا عشق کہن میں
پھر دل کو لگا لیں گے نئے سر سے کہیں ہم
گر دیدۂ تحقیق سے اے "مصحفی" دیکھیں
ہیں ہر طرف اس آئنہ خانے میں ہمیں ہم

ہے بر خلاف سارا زمانہ تو کیا ہوا
کی بخت نے مدد تو وہ دل بر ہے اور ہم
دل نذر ایک یار پری‌وش کو کر چکے
اے "مصحفی" اب آگے مقدر ہے اور ہم

اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو کیوں
لبریز آب و رنگ ہے یہ پیرہن تمام

مرغان باغ میں مرے نالے کا شور ہے
ہر چند میں ابھی نفس نا کشیدہ ہوں

کیا گرم اختلاط کسی سے ہوں "مصحفی"
فرصت ہے زندگی کی، بہ‌قدر شرر ہمیں

حیراں ہوں اپنے کام کی تدبیر کیا کروں
جاتی رہی ہے آہ سے تاثیر کیا کروں
دل مانگتا ہے مجھ سے، مجھے بھی نہیں ہے عذر
اتنی سی چیز ہے اسے دلگیر کیا کروں
بے دیکھے اس کے مجھ کو تسلی نہیں ذرا
نقاش اس کی لے کے میں تصویر کیا کروں

ہمارے طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وہ آنکھیں نہیں، اب جو ہم دیکھتے ہیں

تارے گن گن کے "مصحفی" کاٹی
سب شب انتظار آنکھوں میں

فلک جب کسی کو ہنساتا ہے مجھ پر
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

نہ بیٹھو ابھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
کماں ہاتھ میں لو نشانے بہت ہیں

اُٹھ اے "مصحفی" کیا یہی در ہے تجھ کو
پٹکنے کو سر آستانے بہت ہیں

ہستی کو مری ہستیٔ عالم نہ سمجھنا
ہوں مست مگر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں

دشمن جاں ہوئے ہیں عالم کی
وہ جو اک مہرباں ہمارے ہیں
"مصحفی" آنسوؤں پر اتنا ناز
ایسے کیا عرش کے یہ تارے ہیں

خوش رہو بے سبب خفا ہو اگر
اے بتو تم مرے خدا تو نہیں

کچھ دور نہیں منزل پہ پہنچ جائیں گے ہم بھی
گو راہ ابھی دور ہے جی کاہے کو ہاریں
قصد اپنا تو ہے "مصحفی" بت خانے کی جانب
جاتے ہوں جو کعبے کو وہ کعبے کو سدھاریں

دو چار قدم جا کے پھر آتے ہیں ہمیشہ
رہتا ہے نیا روز سفر اس کی گلی میں

کبھی بہار کبھی ھے خزاں زمانے میں
ھمیشہ کون رھا ھے جواں زمانے میں

مرگئے کیا سبھی زنداں میں ترے دیوانے
آج کل نالۂ زنجیر کی وہ دھوم نہیں

ھم اپنے ساتھ لے کے چلے ھیں یہ کارواں
سو آرزوئے کشتہ ھمارے کفن میں ھیں

جان دینے میں اضطراب ھے کیا   لیجئے مہربان دیتے ھیں
لاکھ چاھا زمیں پہ بیٹھ رھیں   چین کب آسمان دیتے ھیں

چھٹ گیا اپنا گریباں جب سے   ھاتھ پر ھاتھ دھرے بیٹھے ھیں

"مصحفی" آج تو ساقی کی خوشامد ھے ضرور
بھر کے لایا ھے مئے بے خبری شیشے میں

آکے کوچے میں ترے دل کی تسلی کے لئے
روزن در ھی سے ھم آنکھ ملا جاتے ھیں

کبھی پردے سے جو وہ آنکھ لڑا جاتے ھیں
نہیں دیکھا ھے جو جلوہ، وہ دکھا جاتے ھیں

"مصحفي" درد محبت هو نهاں کیا دل میں
یار تو بات کے انداز سے پا جاتے هیں

جیتا رهوں که هجر میں مر جاؤں کیا کروں
تو هي بتا مجهے میں کدهر جاؤں کیا کروں

جس طرح سب جهان میں کچه هیں
هم بهي اپنے گمان میں کچه هیں
هم بهي اس انقلاب عالم سے
آن میں کچه، هیں آن میں کچه هیں

خوف آتا هے مجهے ' هے یه زمانه الٹا
هو کے بجلي نه پڑے مجهه په مري آه کهیں

نزدیک اپنے شوق کي منزل هے دو قدم
تیزي جو پاؤں میں هو تو راه اس قدر نهیں

دست و پا کیا کوئي جاں باخته مارے اس میں
بحر الفت کو جو دیکها تو کنارا هي نهیں

هے مئے گلگوں کي تیري ایه گلابي ' هاته میں
پیاله پر خوں هے میرا اے شرابي هاته میں

دل کي بے تابي سے حالت ہے یہ میري اس سال
کہ قفس کو بھي لئے ساتھ اڑا جاتا ہوں
فائدہ اور تو اس کوچہ میں آنے کا نہیں
نقش پا سے فقط آنکھیں تو ملا جاتا ہوں

اشک جس وقت کہ مژگاں پہ رواں ہوتے ہیں
دل کے جوہر مري آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں

ہرشب، شب فراق میں، کہتا ہوں میں یہی
اس شب بچوں تو صبح مداواے دل کروں

رہروان سفر بادیۂ عشق اے وائے
قافلہ راہ میں لٹوا کے چلے آتے ہیں

سیر جہاں سے ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں
اک واہمہ سا پیش نظر ہے بھي اور نہیں
انجام کیا ہو اس شب ہجراں کا دیکھئے
طالع سے تو امید سحر ہے بھي اور نہیں
گم گشتگان بادیۂ عشق کے لئے
ریگ رواں کي طرح سفر ہے بھي اور نہیں

انس کہتے ہیں جسے پیرو جواں میں وہ نہیں
وہ جو اک چیز محبت ہے جہاں میں وہ نہیں

دیکھتا تھا خواب میں اس کا میں داماں ہاتھ میں
کھل گئی جو آنکھ تو پایا گریباں ہاتھ میں

کہا ''مصحفی'' میں روؤں یاروں کی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

نے محرم چمن ' نہ شناسائے باغ ہیں
ہم اپنے اس نصیب کے ہاتھوں سے داغ ہیں

عالم مکاں کا اور سے کچھ اور ہو گیا
تم آے قسمتیں درو دیوار کی پھریں

مرنا پڑا ہے مجھ کو زمانے کے رشک سے
لاکھوں ہیں اس کے طالب دیدار کیا کروں
اِنکار کفر عشق حمیت سے دور ہے
اب تو گلے پڑا مرے زنار کیا کروں

زباں بریدہ سے اے ہم صفیر ہم بھی ہیں
جہاں ہیں اور قفس میں اسیر' ہم بھی ہیں

ہم صفیران چمن کی انہیں حاجت کیا ہے
رمز مے کرتے ہیں جو پردۂ خاموشی میں

اس کے چتون کی شرارت سے عیاں ہوتا ہے
تیری تصویر مجھے پاس بلانے کی نہیں

ہم گرفتار بلا جی سے گذر جائیں کہیں
اس سے بہتر ہے ترے غم میں کہ مر جائیں کہیں
زیر دیوار چمن ذبح مجھے کر صیاد
شاید اڑتے ہوئے یاں سے مرے پر جائیں کہیں

مجھ کو کیا کام کہ اس کوچے میں جاؤں اے دل
تو گرفتار ہے کچھ میں تو گرفتار نہیں

خوبرو گر دل بیمار کا چارہ نہ کریں
منع کا بھی تو طبیبوں کو اشارا نہ کریں
مصلحت ہے کہ ترے در کی سنگھائیں مٹی
غش میں آئیں تو ہمیں لوگ پکارا نہ کریں

کچھ تو ملتا ہے مزا سا شب تنہائی میں
پر یہ معلوم نہیں کس سے ہم آغوش ہوں میں

یا خدا یہ چھن ہیں سب عالم ایجاد میں
کون تھا اتنا اثر بھرنا نہ تھا فریاد میں

دل ایک قطرۂ خوں، کوہ عشق بار گراں
تحمل اس کا کرے آدمی کا کام نہیں

کھاتا ہوا زمین پہ چکر پھرا ہوں میں
گردش میں آسماں کے برابر پھرا ہوں میں

از بسکہ اشک سرخ سے رنگیں ہیں پتلیاں
اپنا قفس بھی ہم کو کم از گلستاں نہیں

مذہب عشق کا عالم ہی جدا ہے، ہم کو
کافروں میں کوئی گنتا ہے نہ دیں‌دار ہمیں

غیبت میں بھی تصور ٹلتا نہیں ہے اس کا
شب ہائے ہجر میں بھی ہم اس کے رو بہ رو ہیں

شغل یہ ہاتھ اسیروں کے نیا آیا ہے
ذکر بے رحمی صیاد کیا کرتے ہیں
تیری تصویر سے بہلاتے ہیں ہم دل اپنا
دل نا شاد کو یوں شاد کیا کرتے ہیں

ہم جن بتوں کے خاطر زنار باندھتے ہیں
وہ قتل پر ہمارے، تلوار باندھتے ہیں

بیدار ہیں طالع انہیں لوگوں کے جو ہرگز
پاؤں پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اٹھائیں

رنگ رونے کا، ہم اس شوخ کو دکھلادیں گے
آکے چمکا جو کرئي لخت جگر آنکھوں میں

"مصحفي" شہر سے دل سخت بہ تنگ آیا ہے
قصد ہوتا ہے کہ اب چل کے بیاباں دیکھوں

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت وخواري پہ روتا ہوں
میں ہوں آزردہ دل اپنے گرفتاري پہ روتا ہوں

اس کا پیچھا چھوڑتا ہے یہ دل بسمل کہاں
ہاتھ سے جاتا ہے اپنے دامن قاتل کہاں
میرے رہنے کي جگہ یہ ہستي فاني نہیں
چھوڑ کر مجھ کو گئي یہ ہستي باطل کہاں

نہ طاقت ہے کہ اُس کي بزم سے اٹھ کر میں گھر جاؤں
نہ مقدور اس قدر مجھ کو کہ قرباں ہو کے مر جاؤں
ترحم ہے ضرور اے باغباں احوال پر میرے
بھلا اڑ کر کہاں گلشن سے میں بے بال و پر جاؤں

دیکھا جو اس کو غش کیا ' اب کیا مرے دل کو خبر؟
ساقی کہا! مے کس طرف؟ مجلس کدھر؟ جاناں کہاں؟

کیا جانیئے چمن میں کیا تازہ گل کھلا ہو
آئے تھے آگ رکھ کر ہم اپنے آشیاں میں

تھوڑی سے قید بھی ہے نازک تنوں کو زنداں
فریاد کر رہا ہے حسن اس کا پیرھن میں

یاس سے دیکھ رہا ہے جو رخ قاتل کو
کچھ تو ملتا ہے مزا تیغ تلے بسمل کو

اے "مصحفی" اک طرفہ خطا مجھ سے ہوئی ہے
روٹھا ہوں میں جس سے وہ مناتا نہیں مجھ کو

گل پوش وہ آئے ہیں جلانے مرے دل کو
لو اور لگے آگ لگا نے مرے دل کو
پیری میں بھی باقی ہے حسینوں کی محبت
اک روگ لگایا ہے خدا نے مرے دل کو

اس نور تجلی میں ہیں' سب برق کے انداز
سو بار کرے جلوہ تو سو بار نہاں ہو

لا اے صبا اڑا کے کوئی برگ گل ادھر
تسکین طایران گرفتار کچھ تو ہو

آئی بہار حسرت دل اب نکال دو
بلبل پھڑک پھڑک کے قفس توڑ ڈال تو
فتنے سے کہہ رہی ہے تری شوخئے خرام
میں سیر کو چلوں مرا دامن سنبھال تو

نہیں افلاس میں اب کوئی شناسا میرا
رنج غربت نظر آتا ہے وطن میں مجھ کو

آپ آئے ہیں ہمیں رخصت اگر کرنے کو
ہم بھی آمادہ ہیں دنیا سے سفر کرنے کو

ہم کہاں اور تماشائے رخ یار کہاں
حوصلہ چاہئے کچھ اس پہ نظر کرنے کو
زہر کا جام پلانے سے ہمیں کیا حاصل
اک نگہ کافی ہے سو ٹکڑے جگر کرنے کو
"مصحفی" یوں تو سبھی شعر و سخن کہتے ہیں
چاہئے لطف سخن دل میں اثر کرنے کو

اے شوق سفر اس کی خبر ہم کو بھی کرنا
گر یاں سے کوئی قافلہ جاتا ہو کہیں کو

سرگشتہ میری طرح جو رہتا ہے آسماں
ڈر ہے مجھے کہ اس کو تری جستجو نہ ہو
تیرے ہی ذات سے تو ہے وابستہ یہ طلسم
ہستی کہاں ہماری اگر ہم میں تو نہ ہو
مارے حیا کے خاک ہی میں تو تو مل گیا
اتنا بھی "مصحفی" کوئی بے آرزو نہ ہو

——

اے دل کہاں تلک یہ گراں جانیاں تری
چل دور ہو کہیں مری چھاتی کی سل نہ ہو

——

یہ کس نے مرے حق میں دعا کی تھی الٰہی
عاشق ہو تو اس کی نہ شب ہجر سحر ہو

——

ساتھ لے جائے کہاں عشق کی رسوائی کو
گور بھی تنگ ملی ہے ترے سو دائی کو
اپنے کوچے سے قدم پھر نہیں بڑھنے دیتی
حیرت حسن تری ' پائے تماشائی کو

——

تختہ ہو چمن کا ' مرا ہر تختۂ دامن
دامن میں اگر جمع کروں لخت جگر کو

——

حلقۂ بزم کی زینت تو رہی ہے تم سے
تم جہاں بیٹھے ہو مانندنگیں بیٹھے ہو

اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کی
بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھیڑو
رہنے دو پڑا "مصحفی" خاک پہ سر کو
اس غمزدۂ بے سرو ساماں کو نہ چھیڑو

کہتا ہے یہی تجھ سے ترا حسن ہمیشہ
اے برق جہاں سوز کہیں پردہ نشیں ہو
گہہ دیر میں جاتا ہوں، گہہ آتا ہوں حرم میں
پر دل کی تسلی نہ یہیں ہو نہ وہیں ہو

میں تو سمجھوں گا جو سمجھاتے ہو مجھ کو ناصحو
لیکن ان دزدیدہ نظروں کو بھی سمجھایا کرو

ہم سے کیا منھ کو چھپائے ہوئے تم جاتے ہو
ہم نے پہچان لیا منھ نہ چھپاؤ جاؤ

دل تو بہت قریب ہے کر لیں گے سجدہ ہم
کعبہ جو ہم سے سیکڑوں فرسنگ ہے تو ہو

پردہ اٹھے یا نہ اٹھے اس کے چہرے سے، مگر
یہ حجاب چشم، یارب! درمیاں سے دور ہو

یاد آئی جو تری زلف پریشاں، مجھ کو
صبح تک نیند نہ آئی شب ہجراں مجھ کو
میں جو کچھ ہوں سو ہوں، کیا کام ہے ان باتوں سے
کوئی کافر کہے یا کوئی مسلماں مجھ کو

روٹھ کر بیٹھ رہوں میں وہ منانے آئیں
کاش اتنا مجھے مقدور شکیبائی ہو

علاج دل کا مرے ہے اگرچہ صبر و شکیب
میں کیا کروں جو مرا دل پر اختیار نہ ہو
چلا ہے شوق مجھے لے کے آج اس کی طرف
بڑا مزا ہو اگر دریچہ پردہ دار نہ ہو
گلی گلی ہے مرا اب تو "مصحفی" چرچا
کسی کا راز نہاں یارب آشکار نہ ہو

کیا "مصحفی" میں سعی کروں روز گار میں
تقدیر گھونٹتی ہو جو تدبیر کا گلو

دل نہ سمجھو کہ فرشتوں نے جلانے کے لگے
رکھ دیا ہے مرے پہلو میں اک انگارے کو

کب تک شب فراق میں دل درد مند ہو
یارب شتاب صبح کا تارا بلند ہو

ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑ جائے پیچ کوئی
انگڑائی لے کے نا حق بل دیتے ہو کمر کو

خون ناحق ہوں، وہ کس طرح سے کھوئے مجھ کو
رھوں گردن پہ میں، دامن سے جو دھوئے مجھ کو

رہا ہے گل سے افزوں بیم تاراج خزاں مجھ کو
بنانا ہی نہ تھا ایسے چمن میں آشیاں مجھ کو
میں تھا ہمدرد اس کا پاس مجنوں ہی کے لے جاتا
اگر لیلیٰ کے ناقے کا بناتے ساربان مجھ کو
نگا ہوں میں بہار گل کو میں تو، لوٹ لیتا ہوں
بھلا کیا رخصت سیر چمن دے باغباں مجھ کو
پڑا ہوں شاخ سے گر کر میں برگ زرد کی صورت
خدا جانے کہاں لے جائے اب باد خزاں مجھ کو

رہا کچھ آسرا رستہ میں منزل پر پہنچنے کا
نظر آتی رہی جب تک کہ گرد کارواں مجھ کو

باغباں ہم سے تو آزردہ عبث ہوتا ہے
کرنے آئے ہیں فقط سیر گلستاں ہم تو
اب کی گر فصل گل آئے تو پے نذر جنوں
گل سے مانگیں گے نیا چاک گریباں ہم تو

شاید اس کے حسن میں باقی ہے آرایش ہنوز
روز محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو
یہ جوانی کھو کے، یوں پیری میں غفلت بڑہ گئی
صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

زلف کا بوجھ یوں کمر پہ نہ ڈال
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
اس قدر بھی بلند پروازی
اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ
''مصحفی'' یہ ستم نہ کر ناداں
خط نہ دے اپنے نامہ بر کو دیکھ

جاتا ہے لئے اشک مرے لخت جگر کو
اور مجھ سے یہ کہتا ہے مرے نامہ بری دیکھ

آنکھ ان کو نہیں ' شناخت کہاں
لوگ کچھ سمجھے ہیں' خدا ہے کچھ

محبت ہے ترے خیال کے ساتھ
ہے ہجر مگر وصال کے ساتھ

شیخ تو کعبہ کو جا! جاؤں میں بت خانے کو
کہ تری راہ ہے وہ اور مری راہ ہے یہ
"مصحفی" سے جو یہ کہتے ہو کہ اُٹھ جا در سے
اٹھ کے جائے گا کہاں بندۂ در گاہ ہے یہ

جو آشنا ہے اس سے ہے نا آشنا وہ شوخ
اور آشنا اگر ہے تو نا آشنا کے ساتھ

ساقی! گلے میں اس کے' مرے ہاتھ ڈال دے
اور نام اس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ

نہ یار ہے ' نہ کوئی آشنا ہے ' میرے ساتھ
خدا کے ساتھ ہوں میں اور خدا ہے میرے ساتھ

زمانے کا چلن یکساں نہیں کچھ
کہیں کچھ ہے ' کہیں کچھ ہے ' کہیں کچھ
مرا جی تو بھلا بہلے کسوئی دم
اسی کا ذکر کر اے ہم نشیں کچھ
غرض دونوں جہاں سے ہم ہیں آزاد
غم دنیا نہ ہم کو فکر دیں کچھ
اگر اے "مصحفی" ہو قصد تیرا
تو دور اتنا نہیں عرش بریں کچھ

نہ شریعت ' نہ طریقت ' نہ حقیقت ' نہ مجاز
کون کافر مجھے کہتا ہے مسلمان ہے یہ

آنکھیں نہ چرا مجھ سے مری جان ادھر دیکھ
اے میں تری ان آنکھوں کے قربان ' ادھر دیکھ

مرگئے پھر بھی ہیں کھلی آنکھیں
اپنے عاشق کا انتظار تو دیکھ
مجھ کو کیا دیکھتا ہے قتل کے بعد
اپنی شمشیر آبدار تو دیکھ

روز کي خارا تراشي سخت مجبوري هے يه
عاشقي کاهے کو هے فرهاد ! مزدوري هے يه

رات آگيا کدھر سے يه کم‌بخت محتسب
سيشے ميں ميرے دل کو بھي توڑا سبو کے ساتھ
قربانياں عيد کے همت کا هوں غلام
کرتے هيں سر کٹا کے مروت عدو کے ساتھ

داغ جگر سوخته ميرے جو يه هيں
چمکيں گے شب گور ميں انجم سے زياده

نامه بهيجا جو اُسے اس نے اڑائے پرزے
ديکھئے هے ابھی قسمت ميں لکھا کيا کيا کچھ
کان رکھ کر تو ذرا "مصحفی" اک‌بار تو سن
آتی هے دل کی دھڑکنے کي صدا کيا کيا کچھ

کل سوئے غير اس نے کئي بار کي نگاه
لاکھوں ميں سچ هے چھپتي نہيں پيار کی نگاه

مل گئے خاک ميں ايسے که نشاں تک نه رها
پھر کوئي خاک کرے گور غريباں په نگاه

آرزو ہے ترے دیدار کی ایسی کہ مدام
آنکھیں رہتی ہیں لگی روزن دیوار کے ساتھ
قصۂ کوتہیٔ عمر جو چھوڑا اس نے
شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھ

جتنی الفت زیادہ ہوتی ہے
دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے
دیکھتا ہوں جو تیری صورت کو
مجھ کو حسرت زیادہ ہوتی ہے

گرچہ بیزار ہے وہ مجھ سے مگر دھو کے میں
کچھ ہنسی اس کو مرے نام پر آجاتی ہے

کیا حور کا مذکور تو کرتا ہے ہمیشہ
خاموش ہو زاہد ہوس حور کسے ہے

اتنا بھی حقارت سے بتو ہم کو نہ دیکھو
اک دل تو ہے موجود اگر کچھ نہیں رکھتے

ہر ایک نے کھینچا ہمیں اپنی ہی طرف کو
ہم کش مکش گبرو مسلماں سے نہ چھوٹے

ترا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہاں تک میں پھڑ کا کہ کنج قفس میں
پروں کا مرے آشیانا ہوا ہے
ترے در پہ بیٹھا ہے گھٹنوں کو پکڑے
یہی "مصحفی" کو بہانا ہوا ہے

ہر حلقہ زلف میں مرا دل
ہوتا ہے شکن شکن پہ صدقے

چمکا ہوا ہے فصل بہاری سے داغ دل
وہ بھی ہماری آگ پہ دامن جھٹک گئے

آئینہ خانے میں وہ جس دم گیا
آئینے خورشید نما ہوگئے

جاتا ہے مثل برق یہ سرپٹ اُڑا ہوا
کتنی! سمند عمر کی رفتار گرم ہے

وقت پیری' ہوس عشق بتاں' کیا کیجئے
شرم آتی ہے کہ اب منھ سے فغاں کیا کیجئے

ہے نو بہار گلشن آفاق دیدنی
آنکھیں کبھی تو اے دل بے ہوش کھول دے

اشک نے راہ چشم تر لی ہے
مصلحت کچھ تو دل سے کر لی ہے
جو بلا آسماں سے آئی ہے
ہم نے وہ اپنی جان پر لی ہے
دید رخ سے ہے باغ باغ نگاہ
کیسے پھولوں سے گود بھر لی ہے
تب ڈبویا ہے قہر خالق نے
جب گناہوں سے ناؤ بھر لی ہے
میں نے بازار حسن خوباں سے
مول اک حسرت نظر لی ہے

بے امتیازی چمن دہر کیا کہوں
اس بوستاں میں قدر گل و خار ایک ہے
ہے رنج و راحت ایک اسے جس کے کان میں
صوت قفس ترانۂ گلزار ایک ہے

مجھ کو وہ بدنصیب کہتے ہیں
یہ بھی خوبی مرے نصیبوں کی

راہ عدم میں خاک ہوئے یا فنا ہوئے
یاران رفتہ آہ خدا جانے کیا ہوئے
اب آئینہ ہے اور بنانا ہے زلف کا
اچھا ہوا کہ تم بھی اسیر بلا ہوئے
کل تم کو آپ یاد کیا اس نے "مصحفی"
نالے شب فراق میں بارے رسا ہوئے

بات کہنا بڑھ کے کچھ اچھا نہیں
اس میں عاشق کا گھٹتا جاتا ہے جی

پردے میں جو پنہاں ہے وہ پیدا نظر آئے
کھل جائے اگر آنکھ ' تماشا نظر آئے
اے دل بگڑ اک روز تو اس دشمن جاں سے
تا دوستی مردم دنیا نظر آئے

یہ گم ہوے ہیں خیال وصال جاناں میں
کہ گھر میں پھرتے ہیں ہم اپنی جستجو کرتے
ملا نہ "مصحفی" اس فتنہ زماں کا سراغ
تمام عمر ہوئی ہم کو جستجو کرتے

چمن ہے سبزہ ہے ساقی ہے اور ہوا بھی ہے
جو یار ایسے میں آئے تو کچھ مزا بھی ہے

میں اعتماد کروں کس کی آشنائی پر
کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی ہے
دعا لکھی ہے اسی خط میں، میں نے کوئی بطور
اگر پڑھے تو دعا بھی ہے مدعا بھی ہے

کیوں نہ دیکھوں کہ بنائی ہے صنم
صورت ایسی ہی خدا نے تیری
"مصحفی" عشق کا اب نام نہ لے
جان رکھی ہے خدا نے تیری

مجھ کو پامال کر گیا ہے یہی یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

آیا تھا میں سجدے کو ترے، ملک عدم سے
سر سائے کے مانند اٹھایا نہ قدم سے

دیں اس نے گالیاں مجھے جس وقت اس گھڑی
کچھ ہو سکا نہ غیر دعا میرے ہاتھ سے

نہ تو یہ آہ ہی ہم دوش اثر ہوتی ہے
نہ شب ہجر ہی کم بخت سحر ہوتی ہے

واں بار یاب جلوہ اسی کی نگاہ ہو
آنکھوں سے اپنی جو کوئی پردہ اٹھا سکے

جی سے تجھے چاہ ہے کسی کی
کیا جانے کوئی کسی کے جی کی
رونے پہ میرے ہنس رہے ہو
یہ کون سی بات ہے ہنسی کی

شاہد رہیو تو اے شب ہجر
جھپکی نہیں آنکھ "مصحفی" کی

محشر کے دن وہ آنکھ نہ کھولیں گے خواب سے
جو پاؤں تیرے کوچے میں پھیلا کے سو رہے

تن میں میرے، فقط اک دم کی ہوا باقی ہے
استخواں رہ گئے ہیں اور تو کیا باقی ہے

ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں
سر پھوڑ پھوڑ کر پس دیوار مرگئے

پھنس کے ہیں زیر دام ہم ایسے کہ اب ہمیں
خنجر تلے تڑپنے کی طاقت نہیں رہی

رکھتا ہے مجھے قید بلا میں یہ ہمیشہ
دل مجھ کو نہیں ، جان کا جنجال دیا ہے
اے "مصحفی" اس شوخ کی باتوں پہ نہ جانا
اس نے تو ہزاروں کو یونہیں ٹال دیا ہے

تنہائی زلف رسا ساتھ ہے — جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ہے
اسیر بلا پھر یہ ہوتا ہے کیوں — جو بندے کے ہر دم خدا ساتھ ہے
اگر اڑ کے جائے تو اے مشت خاک — چمن تک تو باد صبا ساتھ ہے
امید اس سے خلوت کی کیا ہو مجھے — ہر اک آدمی کی قضا ساتھ ہے

پھروں تری تصویر کو دیکھا شب فرقت
مجبوری میں یوں حسرت دیدار نکالی
جب خاک میں ہم مل گئے تب دیکھنے آئے
رفتار نکالی تو یہ رفتار نکالی

دل جا چکا مرا ابھی ہوش و حواس ہیں
پر دیر کیا ہے آج گئے خواہ کل گئے

کیا جانیے ? اکسیر کہ عنقا ہے' یہ کیا ہے
ملتی نہیں' جو چیز زمانے میں وفا ہے

بے طرح نظر ھے، طرف آئینہ تیری
ڈرتا ھوں تری آنکھ کہیں تجھ سے نہ لڑ جائے

دل دھڑکنے کا یہ عالم ھے کے بے منت دست
پرزے ھو ھو کے گریبان اُڑا جاتا ھے

ھر لحظہ زلف اس کی دل مانگتي ھے مجھ سے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ھے

نہ وہ راتیں، نہ وہ باتیں، نہ وہ قصہ کہاني ھے
سر بستر فقط ھم، یا ھماری ناتواني ھے
بھلا میں ھاتھ دھو بیٹھوں نہ، کیوں کر جان سے اپني
کہ چلنے میں تمھارے، موج دریا کی روانی ھے

ھر چند کے ھے ھوش ربا صورت شیریں
دیکھے تري صورت کو اگر، جان نکل جائے

وعدہ قتل پہ رکھتا ھوں میں دل شاد اپنا
کہ اسي وعدے میں اک وعدۂ دیدار بھی ھے
مجھ سے کہتا ھے کہ گلیوں میں لئے پھر ھردم
دل بد بخت ترا کوئي خریدار بھی ھے

شرم آتی ہے اب اٹھ کر یاں سے کیا گھر جائیے
بیٹھے بیٹھے آستاں یار پر مر جائیے

سنا ہے آگ لگی ہے چمن میں ہم نفسو!
خبر تو لے کوئی بلبل کے آشیانے کی
گلہ نہ کیجئے یاروں کی بے وفائی کا
کہ ان دنوں یہی تاثیر ہے زمانے کی

اے ساکنان کنج قفس آتی ہے بہار
ایسے میں تم بھی دھوم مچاؤ تو خوب ہے

ہزاروں مومن و کافر سجود میں ہیں یہاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ہے

حسرت پر اس مسافر بے کس کے روئیے
جو رہ گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

کبھی در کو تک کے کھڑے رہے ' کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

بے لاگ ہیں ہم ' ہم کو لگاوٹ نہیں آتی
کیا بات بنائیں کہ بناوٹ نہیں آتی

مثل آئینہ فقط وہ ہے اور اک حسرت ہے
عاشق بے سروپا کی بھی عجب صورت ہے
مجھ کو اے دوست جو چاہے تو ملادے تجھ سے
میں تو عاجز ہوں پر اللہ میں سب طاقت ہے

ہزاروں حوادث ہیں تا زندگی ہے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے
چھپا منھ نہ ہم سے کہ مر جائیں گے ہم
مسیحا ترا دیکھنا زندگی ہے
تری بے وفائی کا شکوہ کریں کیا
خود اپنی یہاں بے وفا زندگی ہے

سفر اس دل سے کر گئے غم و درد
یار سونا مکان چھوڑ گئے

بلبل نے آشیانہ جب اپنا اٹھا لیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ہما بسے

میری اس کی جو سر راہ ملاقات ہوئی
منھ کیا اس نے ادھر، آہ ادھر میں نے کی

بام پر آکر جو شب' وہ کچھہ اشارا کر گئے
کیا کہیں بس کام ہی آخر ہمارا کر گئے

سوزن کا ہے نہ کام نہ ناخن کی ہے جگہہ
کہوں کو مژہ کی پھانس جگر سے نکا لئے

ہے درد عشق اس کا مداوا کروں میں کیا
اس کا علاج هي نہيں جو دل کي چوٹ ہے

بے قراری اور بھی دل کو اگر ہو جائے گی
مجھہ کو یہ ڈر ہے کہ پھر اس تک خبر ہو جائے گی
تجھہ سے اے آہ سحر مجھہ کو توقع تھي بڑي
یہ نہ جانا تھا کہ تو بھي بے اثر ہو جائے گي
بیکسي پر رحم آتا ہے کہ گر میں اٹھہ گیا
پھر کہاں اس کا ٹھکانا در بہ‌در ہو جائے گي
وصل کی شب کو میں اپنے دل میں سمجھا تھا دراز
یہ نہ جانا تھا کہ باتوں میں سحر ہو جائے گی

سیلاب اشک' میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا
کوئی کدھر سے رو کے کوئی کدھر سے باندھے

نسیم صبح ' چمن سے ادھر نہیں آتی
ہزار حیف کہ گل کی خبر نہیں آتی

اتھتے ہوئے بالیں سے مری' رات مسیحا
بولا کہ خدا کے ہے یہ بیمار حوالے

دل دو دو ہاتھ سینے میں اچھلا کیا مرا
کیا کیا شب فراق میں صدمے گذر گئے

تنہا نہ آسمان کی متی خراب ہے
عالم میں اک جہان کی متی خراب ہے
لیلیٰ کی جستجو میں ہے کتنا تباہ قیس
صحرا میں اس جوان کی متی خراب ہے

خدا یا صبر دے دل کو کہاں تک راہ میں اس کی
دھرے زانو پہ سر بیٹھا رہے دو دو پہر کوئی

از بس کہ ترے حسن میں تھا مہر کا عالم
دم بھر نگہہ طالب دیدار نہ ٹھہری

دیکھا اسے آہ ہم نے کرلی حسرت کی نگاہ ہم نے کرلی
نخوت سے جو کوئی پھنس آیا کج اپنے کلاہ ہم نے کرلی

کھاتا ہوں میں غم، پر مري نیت نہیں بھرتي
کیا غم ھے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتي

کارواں دور ھوا ' پاؤں تھکے ' جی ھارا
کون اب منزل مقصود کو پہنچائے مجھے

خار صحرائے جنوں ! دست درازي سے تري
چاک جاتے ہیں گریباں کو مرے داماں کے

غم میں تیرے، راحت و آرام سے جاتے رھے
گھل گئے ایسے کہ ھم ھر کام سے جاتے رھے

دریا میں کل نہا کر، اس نے جو بال باندھے
ھم نے بھي دل میں اپنے کیا کیا خیال باندھے

نہ پہنچو گے منزل پہ تم "مصحفي"
کیا دور اب کارواں ' بیٹھئے !

شب اٹھ کے محفل جاناں سے اپنے گھر کو چلے
مگر یہ کچھ نہیں معلوم ھم کدھر کو چلے

اے دیدہ ! شرط گریہ ہے ابر بہار سے
اتنا تو کیجیو کہ مری آبرو رہے

فغاں' میں جاں گسل کرتا ہوں لیکن
نہیں سنتا مرا صیاد' میری

خفتگان خاک کی مجھ کو فراغت پر ہے رشک
سوتے ہیں کیا چین سے یہ' پاؤں پھیلائے ہوئے

کس ناز کا آنا ہے کس قہر کا جانا ہے
صدقے ترے آنے کے قرباں ترے جانے کے

بس کہ سر رگڑا کیا میں آستان یار پر
ماہ نو کی طرح صرف سجدہ پیشانی ہوئی

مقتل میں تم جو آئے ہو کشتوں کو دیکھنے
اپنے شہید ناز کو پہچان لیجئے
مشکل نہیں ہے یار کا پھر وصل "مصحفی" !
مرنے کی اپنے جی میں اگر ٹھان لیجئے

اے "مصحفی" دل جس نے اٹھایا ہے جہاں سے
اٹھتے ہوئے وہ یہاں سے سبکبار اٹھا ہے

تیري محفل میں انهیں دخل نهیں هے ورنه
مهر و مه آ کے یہاں آئینه داري کرتے

دل کو دهڑکا هے، کہاں چین سے خواب آتا هے ؟
رات کیا آتی هے اک مجهه په عذاب آتا هے

کوئی اے "مصحفي" اس سے یه کهہدے
دعا دیتا تجهے سائل گیا هے

اهل بصر کی جلوهٔ خالق په هے نظر
صورت پرست، محو تماشائے خلق هے

مدت هوئي که بیٹهے هیں هم انتظار میں
کیا جانے آتے آتے قیامت کہاں رهي
وه تیر غمزه، دل سے مرے پار هوگیا
جان ستم رسیده سلامت کہاں رهی

اچهي وهی رهے جو گلستاں میں مرگئے
حسرت‌نصیب هم تهےکه‌زنداں میں مرگئے
پهنچا نه کام چشم کي گردش تلک دریغ
هم اس کے ایک جنبش مژگاں میں مرگئے
نسبت درست کیجئے‌اب‌کس‌سے "مصحفي"
جو منتخب تهے گبرو مسلماں میں، مرگئے

یہی حسرت رہی دل میں کہ کبھی ساقی نے
اپنے ہونٹوں سے لگا کر نہ دیا جام مجھے

اے "مصحفی" سمجھیں ہیں ہم اس شوخ کو غافل
آگاہ ہے وہ خوب وفاداری دل سے

او دامن اٹھا کے جانے والے — ہم تو بھی تو خاک سے اٹھالے
حلقے زلفوں کے تیرے رخ پر — اک ماہ ہے اور ہزار ہالے
دل نے تو مجھے بہت ستایا — دشمن کے پڑے نہ کوئی پالے

اس تامل کا ہوں کشتہ کہ ترا وقت خرام
پاؤں پڑتا ہے کہیں، آنکھ کہیں پڑتی ہے

ہر اک رگ میں جو زخم نیشتر معلوم ہوتا ہے
مژہ کا تیرے رخ کچھ تو ادھر معلوم ہوتا ہے

افسانۂ عشق کس سے کہئے — اس بات میں درد سر بہت ہے

اول تو قفس کا مرے در باز کہاں ہے
اور ہو بھی تو یاں طاقت پرواز کہاں ہے

روک لو هاتھ، آپ یہ بسمل کام اپنا تمام کرتا ھے

قصۂ غم کیا لکھوں دم بھر میں میں
اس کے لکھنے کو زمانہ چاھئے

اے عشق اب کي وہ تري تاثیر کیا ھوئي
شور جنوں کدھر گیا زنجیر کیا ھوئي
دیوانہ پن کا میرے جو کرتے نہیں علاج
تدبیر کرنے والوں کی تدبیر کیا ھوئی

نہ جھپکی، نہ جھپکی، ذرا آنکھ میري
یہ شب مجھ کو اختر شماري میں گذري

آتے ھوئے گلي سے تري، مثل گرد باد
ھم اپنی خاک آپ ھي برباد کرگئے

میں مرگیا پر اس نے میری طرف نہ دیکھا
هاں جرم عاشقي کي تعزیر ھے تو یہ ھے
فرقت میں تیري اب تک جیتا رھا یہ مصحفی
هاں سچ ھے "مصحفي" کي تقصیر ھے، تو یہ ھے

خاک بھی میری نہ پھونچی اس کے کوچے میں صبا
یوں گیا برباد میں مُشت غبار افسوس ھے
ھم صفیران چمن نے باغ کی لوٹی بہار
ھم قفس ھی میں رھے فصل بہار، افسوس ھے

عاشق سے اپنے، قطع مروت نہ کیجئے
یہ بھی نہ کیجئے جو محبت نہ کیجئے

سلوک عاشق و معشوق کوئی کیا جانے
کسی کے ھاتھ سے آفت کسی کی جی پر ھے

آئے جو تیرے کوچے میں سوداگران عشق
تیرا تو کیا گیا وھی کچھ اپنا کھوگئے

گرم سخن تھے جن کی زباں ساری ساری رات
سو وہ چراغ صبح سے خاموش ھوگئے

کچھ خوب نہیں یہ خود نمائی
ھاں اے بت شوخ! ڈر خدا سے

ھمیشہ ''مصحفی'' ھم راہ راہ جاتے تھے
کل اس گلی میں جو پھونچے تو راہ بھول گئے

اس زلف کا اینٹھنا تو دیکھو
بے چہرے بھی پیچ و تاب میں ہے
اوٹھ "مصحفی" آفتاب نکلا
تو وقت سحر بھی خواب میں ہے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے درد بے اختیار اٹھتا ہے
"مصحفی" کو یہ ہے خیال ترا سوتے سوتے پکار اٹھتا ہے

کاہے کو تیرے دام سے آزاد ہو کوئی
کیوں یاں سے اُڑئے؟ کس لئے برباد ہو کوئی؟
قاصد کوئی تم، کاہے کو بھیجوگے مرے پاس
نامہ تو وہ لکھے کہ جسے یاد ہو کوئی

اے صید فگن! تیر نہ سینے سے مرے کھینچ
پیکان کے ہمراہ کہیں دل نہ نکل جائے

قد قیامت، خرام آفت ہے وہ چھلا وہ تمام آفت ہے

کس نے دکھلائی انہیں چشم غضب کیا جانیئے
وہ جو جی اٹھے تھے پھر روز قیامت مر گئے

بیٹھ کر وہ جہاں سے اٹھتا ہے ایک فتنہ وہاں سے اٹھتا ہے
کشتۂ عشق یوں نہیں ہلتا مر کے کوئے بتاں سے اٹھتا ہے

خدا کے واسطے ہمدم ہمیں نہ چھیڑ اس وقت
کہ بیٹھے ہیں دل اندوہ گیں پہ ہاتھ دھرے

اے دل تہ خنجر، نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
کیا کرتا ہے؟ قاتل کا کہیں ہاتھ نہ تھم لے

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے؟
نہیں معلوم کہ ماتم ہے فلک پر کس کا؟
روز کیوں چاک گریبان سحر ہوتا ہے

مانگی ہزار بار دعا پر نہ کچھ ہوا
ناچار اب دعا ہی سے ہم ہاتھ اٹھائیں گے

جوش گل سے ساکنان باغ کا عرصہ ہے تنگ
دیکھئے بلبل کا اس میں آشیاں کیوں کر رہے

سراغ قافلۂ رشک کیجئے کیوں کر
نکل گیا ہے یہ کوسوں دیار حرماں سے

ہے ماہ کہ آفتاب ' کیا ہے ؟
دیکھو تو کہ نقاب کیا ہے ؟
سینے میں جو دل نہیں ٹھہرتا
یارب اسے اضطراب کیا ہے ؟

جب جدا ہم سے یار ہوتا ہے   دل بہت بے قرار ہوتا ہے

فراغت میں بتوں کی صورت دل خواہ یاد آئی
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آئی

صاف بگڑا ہوا آتا ہے مرا آئینہ رو
آج کچھ اور ہی صورت ہے خدا خیر کرے

مگر بہار کے دن ہیں کہ خود بہ خود صیاد
قفس چمن کو اڑے جاتے ہیں اسیروں کے

طاقت گئی فغاں کی' دل اب آہ کیا کرے
کیا جانے رفتہ رفتہ تری چاہ کیا کرے

نگہ ناز پسیں کی بھی ہوس مت جائے
دل کم بخت میں ارمان نہ ہو اتنا بھی

کب بھلا کوچۂ قاتل میں گذر ہے سب کا
وہی جاتا ہے وہاں، جس کی قضا آتی ہے

آیا ہوں پھرتے پھرتے غنیمت مجھے سمجھو
کیا جانے پھر کدھر مجھے تقدیر پھینک دے

زندانئی الفت نے دھرے تیغ گلے پر
زنداں سے نکلنے کی یہ تدبیر نکالی

مقابل ہو یہ خورشید اس کے، کب اس کا یہ زہرا ہے
مگر دل سخت کرکے اک ذرا آئینہ ٹھہرا ہے

اک ذرا جنبش مژگاں کی روا دار نہیں
کس کی تصویر مرے دیدۂ دیدار میں ہے

تھی گرفتاری میں بھی اک لذت آسودگی
کیا کہیں ہم، کیسے پچھتائے نکل کر دام سے

ڈرتا ہوں، خوشامد سے وہ مغرور نہ ہوجائے
قتل اس کو کہیں غیر کا منظور نہ ہوجائے

مجنوں کو بہت ضعف ہے صحرائے جنوں میں
یہ جامہ دری سے کہیں معذور نہ ہوجائے

اس سے بھی محبت ہے مجھے دل سے زیادہ
رونے سے کہیں داغ جگر دور نہ ہو جائے

جہاں مجنوں پکارا بس وہیں در تک نکل آئی
صدا پہچانتی ہے آپ لیلیٰ اپنے سائل کی

ذرا خوابیدہ گان خاک کی بے ہوشیاں دیکھے
نہ کی ہو گر کسی نے سیر، بدمستوں کی محفل کی

ہستی کو مٹا اپنی جو ہے وصل کا طالب
پایا ہے پیمبر نے خدا بت شکنی سے

اسباب طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن
ہمت مری سایل نہ ہوئی چرخ دنی سے

جان آنکھوں سے شب ہجر، بہ دقت نکلی
بعد اک عمر کے نکلی تو یہ حسرت نکلی

شکر کی جا ہے کہ منھہ سے مرے مرتے مرتے
نزع کے دم بھی نہ اس بت کی شکایت نکلی

ایک نے حشر کے دن بھی نہ جگایا ہم کو
ہم نہ سمجھے کہ کدھر صبح قیامت نکلی

اس کي تصوير کو چھاتي سے لگايا هم نے
آہ کچھ طرز نگہ سے وہ محبت نکلی

گرچہ سوبار مسيحا نے بلايا ہے همیں
آپ هم درد کا اپنے نہیں درماں کرتے

بندۂ خاکی جھکائے رکھ سر تسلیم کو
طوق بار زندگي جب تک تري گردن په هے
جاؤ اپنے اپنے گھر جو هو چکا وہ هو چکا
حشر کا هنگامہ یارو کیوں میرے مدفن په هے

جو یاں هے وہ پھیلائے ہوئے پاؤں پڑا هے
کیا گور غریباں بھي اک آرام کي جا هے
کیوں آج هلا جاتا هے دل بانگ جرس سے
کیا قافلے کے پیچھے کوئی آبلہ پا هے

اس وقت تو چونک اُٹھتے جو تو قبر په آتا
رخصت همیں اتنی بھي نہ دي خواب عدم نے

دست جنوں سرک که جب آئی هے فصل گل
خود چاک هوگئے ہیں گریباں سئے ہوئے

اک روز تیرے کوچے سے ہم مرکے اٹھیں گے
بیٹھے ہیں مصیبت کے یہ دن بھر کے اُٹھیں گے
چل چل کے جو رہ جاتا ہے ہر بار گلے پر
یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اُٹھیں گے
جس وقت وہ دیکھے گا تري چشم کا فتنہ
آگے نہ قدم فتنۂ محشر کے اُٹھیں گے

آبادي فضاے عدم ہم سے خاک ہو
کچھ ساتھ لے گئے نہ جہان خراب سے
ٹھوکر نے تیرے پاؤں کی اے فتنۂ زماں
چونکا دیا ہے فتنۂ محشر کو خواب سے

نظر بد کا گماں مجھ کو سوئے کوکب ہے
شب کو منھ کھول نہ اپنا کہ یہ آخر شب ہے

اشک رنگیں کے سوا اور نہ کچھ ہاتھ آیا
پھول ہم چن کے یہ لائے چمن حرماں سے

پتھر میں بن گیا ستم روز گار سے
ٹوٹے گا آبلہ نہ مرا نوک خار سے
اس شعلہ رو سے گرم ہے شاید کنار غیر
آتی ہے بوئے یاس دل داغ دار سے

نہ غنچہ لائی، نہ گل، ارمغاں ہزار افسوس
ہمیں قفس میں نسیم بہار بھول گئی

واں بادِ صبا جائے، نہ قاصد کا گذارا
یارانِ عدم رفتہ کی کیوں کر خبر آئے

اے "مصحفی" کچھ یہاں سے نہ لے جائے گا کوئی
حسرت ہی فقط سوئے عدم ساتھ چلے گی

ہوائے کوچۂ قاتل پہ جان جاتی ہے
بہار خلد بریں ہم کو کب خوش آتی ہے
دکھایا ہم کو جو پیری نے نیک و بد دیکھا
اب آ کے دیکھیئے تقدیر کیا دکھاتی ہے

جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیاں ملتیں
تو ہم انہیں کو خس و خار آشیاں کرتے
نہ دی فلک نے ہمیں فرصت اس قدر ورنہ
کسی طرح تو ترے دل کو مہرباں کرتے

مرے تو دل میں نہیں کچھ، پر اس میں ہوں مجبور
اگر زبانِ قلم سے گلا ٹپکتا ہے

لیلیٰ نے کہا دیکھ کے مجنوں کی نگاہیں
عاقل ہے یہ دیوانہ تو مجذوب نہیں ہے

ہے کچھ توسبب اس کا کہ مجھ تک نہیں آتی
وابستۂ زنجیر ہیں کیا پاؤں اجل کے

خواص دور بیں آئینہ دل میں ہے عاشق کے
نظر نزدیک ہی آتا ہے جو ہے دور آنکھوں سے
کہا تونے "نہ دیکھا کر مجھے" کیا عذر ہے مجھ کو
بجالاؤں گا تیرا حکم تا مقدر آنکھوں سے

شانہ اک لحظہ نہ ہوتا تھا جدا گیسو سے
چند دن ' ربط تھا واں آئینہ و زانو سے
ساتھ پیکاں کے مری جاں نکل آئی وہیں
تیر بے درد نے کھینچا جو مرے پہلو سے

"مصحفی" ہجر کبھی وصل کبھی ہوگا نصیب
یار باقی ہے تو تازیست ہے صحبت باقی

"مصحفی" کو بھیک اگر دیتے نہیں تو دو جواب
دیر سے کوچے میں وہ خانہ خراب اِستادہ ہے

''مصحفی'' عود جوانی تو ہے مشکل لیکن
آپ کو وصل کی شب ہم نے جواں دیکھا ہے

وا حسرتا نصیب نے چونکا دیا وہیں
آئی نظر جو خواب میں صورت وصال کی
محتاج سے نہ پوچھو کہ کیا تجھ کو چاہئے
مرد فقیر آپ ہے صورت سوال کی

کچھ ایسا آنکھ لگتے ہی آرام آ گیا
جو صبح حشر کو بھی نہ بیدار ہم ہوئے

شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے
صورت یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

شب، طبق میں آسماں کے بگڑے تھے میرے جو اشک
کچھ ثوابت بن گئے کچھ ان میں سیارے ہوئے
زخم سینہ پر نمک چھڑکا کئے تا صبح دم
ہجر کی شب دشمن اپنی نیند کے، تارے ہوئے

ہم کب سے چمن زار میں بے ہوش پڑے ہیں
معلوم نہیں گل ہے کدھر؟ خار کدھر ہے؟

پیچھے پھر کر دیکھتا ہوں بھاگتا ہوں آپ سے
اپنے سائے سے بھی مجھ کو اب تو وحشت ہوگئی
ہائے کعبے سے پھرا اب تک نہ ہرگز "مصحفی"
اس کو کیا جانے وہاں کس بت سے صحبت ہوگئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

کر سلوک اب تو گریبان سے اے دست جنوں
چاک اک جھٹکے میں تا دامن محشر پہنچے

اے "مصحفی" ہجراں میں کیا دل کو اذیت ہے
نے یار ہی ملتا ہے نہ جاں نکلتی ہے

مانی اُن ابروؤں کی تصویر کھینچتا ہے
خورشید پر دو دستی شمشیر کھینچتا ہے
رہنے دے، تا ہو، دل کو میرے ذرا تسلی
پہلو سے میرے ظالم کیوں تیر کھینچتا ہے

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے
پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

شب فراق میں بچنا بشر کا ہے مشکل
یہ بات اور ہے آدمی ہوئی قضا پھر جائے

جگو یہ صدمہ ہے غم کے مارے، تو دل میں جوش ملال بھی ہے
تپ جدائی ترا برا ہو نہ چھیڑ! کچھ مجھ میں حال بھی ہے

شمع و شراب و شاہد و ساقی ہے رو بہ رو
کیا چاہے اور طالع بیدار سے کوئی
میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا اس کا کیا علاج
پھر جائے وعدہ کر کے جو اقرار سے کوئی

مخمس بر غزل ''آصفی''

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیماں شکن جدا
آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
ہووے کسی طرح سے یہ رنج و محن جدا
صورت گراں! ہلاکم ازاں سیم تن جدا
سازید صورتے کہ نہ باشد زمن جدا

ہے بس کہ میری جان کو، تجھ سے جو اتحاد
تیرے سوا کسی کی نہیں میرے دل میں یاد
جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہی مراد
دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم ز دیدہ، دیدہ ز سر، سر ز تن جدا

کی زندگی میں تجھ سے وفا میں نے گل بدن
ایسی کہ گل سے کر نہ سکے بلبل چمن
مرنے کے بعد بھی جو مرا خاک ہوگا تن
پیوند بگسلند سگت ز استخوان من
روزے کہ بند بند شود از کفن جدا

قصیدہ در معذرت اتہام انشا بہ جناب مرشد زادہ شہزادہ
مرزا سلیماں شکوہ بہادر

قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے حضرت شہ میں ہوئی نہیں تقصیر
سوائے اس کے کہ حال اپنا کچھ کیا تھا میں عرض
سو وہ بہ طور شکایت تھی آند کے تقریر
گر اس سے خاطر اقدس پہ کچھ ملال آیا
اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
عوض رپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں
عوض دو شالہ کے خلعت بہ شکل نقش حصیر
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب
جو ہے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر
مزاج میں یہ صفائی کہ کر لیا باور
کسی کے حق میں کسی نے جو کچھ کہ کی تقریر
مصاحب ایسے اگر کچھ کسی سے لغزش ہو
تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر

اگر کریں تو پھر ایسي کہ نار طیش و غضب
مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں نور آفتاب کہاں
کہاں وہ سطوت شاہی کہاں غرور فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہئے
کہاں دمشقي و دیبا' کہاں پلاس و حصیر
میں اک فقیر غریب‌الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کي تدبیر
مرا دھن ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الست کے پھر میں یہ حرف ضمیمہ دوں تغییر
یہ افترا ہے بتایا جو منحرف مجھہ کو
یہ چاہے ہے کہ کروں شکوہ اس کا پیش وزیر
اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمد کہ ہے بشیر و نذیر
شفیع روز جزا بادشاہ او ادنےٰ
نہ کر وہ جرم پہ جس نے لکھی نہیں تعزیر
کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش ہر عاصي
تیري غلامي میں آیا ہے داد خواہ فقیر
خطا ہو میري جو پہلے ' تو کر اسیر مجھے
و گر عدو کي ' پہنا اس کو طوق اور زنجیر
اگر چہ بازي "انشا" کے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھہ کر میں بازئی تقدیر
و لے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں‌بھي نہ کھینچوں میں ھجو کی تصویر

کیا میں فرض کہ میں آپ اس سے در گذرا
پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور ان پہ بھی جو کیا میں نے تازیانہ منع
تو ہو سکے ہے کوئی ان کی وضع کی تدبیر

ہزار شہروں میں بیٹھیں ہزار جا پہ ملیں
پھریں ہمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر

نہ مانیں تیغ سیاست، نہ قہر سلطانی
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر

مزاج ان کا ٹھٹھول اس قدر پڑا ہے کہ وہ
ہنسی سمجھتے ہیں اس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ہے یعنی کہ اس مقام کے بیچ
جو ہووے منشی تو کچھ نثر میں کرے تسطیر

فکیف جن کو خدا نے کیا ہو موزوں طبع
اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر میں توقیر

یہ کوئی بات ہے سو سن کے وہ خموش رہیں
ہوا ہے مصلحتاً گو کہ تصفیہ بہ اخیر

مگر یہ بات میں مانی کہ سوانگ کا بانی
اگر میں ہوں تو مجھے دیجے بدترین تعزیر

میں آپ فاقہ کش، اتنا مجھے کہاں مقدور
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش شعیر

مرے حواس پریشاں بہ ایں پریشانی
ہو جیسے لشکر بہ شکستہ کی خراب بہیر

گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی

اگر ہو پھیر شرارت بشر ہوں میں بھی شریر

جو اب ایک کے یہاں دس ہیں اور دس کے سو

نگاہ کرنی تھی اول بہ این قلیل و کثیر

حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیہ

گیا ہو از پے تہدید شاعراں شریر

تو کوتوال ہی بس ان سے اب سمجھ لے گا

یہ دم بہ دم کی شکایت کی ہے عبث تحریر

یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ

بلند قامتی اپنی سے متہم ہو بعیر

سو متہم مجھے ناداں نے ہجو شہ سے کہا

قباحت اس کی جو سمجھے شہ اس کو دے تعزیر

ولے مزاج مقدس جو لاابالی ہے

نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر

جو کچھ ہوا سو ہوا "مصحفی" بس اب چپ رہ

زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر

خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے

کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

افسوس

شیر علی نام ' دهلی میں پیدا ہوئے - گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے اور وہیں رہ پڑے '' میر حسن '' یا '' میر حیدر علی '' حیران یا دونوں کے شاگرد تھے ' عالم ' فاضل خلیق ' اہل دل اور منکسر مزاج آدمی تھے -

ڈاکٹر گلکرسٹ کی نظر انتخاب نے صاف اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں لکھوانے کے لئے زبان دانان ریختہ ' کی جو جماعت مقرر کی تھی اس میں '' افسوس '' ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں افسوس صاحب دیوان شاعر ہیں ان کے کلام میں عاشقانہ رنگ نمایاں ہے ان کی زبان صاف اور شستہ ہے اور بیان میں درد و اثر بھی ہے -

'' افسوس '' نے سنہ ۱۸۰۹ ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

ملے ہے پانؤں سے اپنے ' وہ لالہ رو ہردم
یہ مرتبہ تو دل داغ دار کا پہونچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں "افسوس"
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہونچا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

وہ بےوفا مجھے تو تک ایک آج مل گیا
ہر اپنے اختیار سے "افسوس" دل گیا

جس کو تیر نگہ لگا ہوگا　　ایک دم میں وہ مرگیا ہوگا

اس شعلہ وش کو دیکھ کے بےتاب ہوگیا
یارو بھی دل تو تھا ہی پہ سیماب ہوگیا

دل تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار
بے وفاؤں سے رہی ہے تجھ کو یاری بیشتر

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر
روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

پاؤں یہ گڑے کے جوں نقش قدم پھر نہ اٹھے
خاک میں مل گئے بیٹھے جو ترے در پر ہم

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب، لیکن
بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں

سچ ہیں یہ خود نمائیاں، حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا، دیکھ کے اس کے نور کو

ہنستے ہیں شب وصل میں ہم اب تو، پر اک دن
اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کریں گے

صلاح جانے جو کچھ اس سے کہیو اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں اُمید
جوتا پھر آ کے مجھ سے مرا نامہ بر ملے
کچھ بات تم سے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

سینہ و دل کو ابھی رکھ دوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستم گر تیر اپنے ہاتھ سے
شکل اس میں کس کی ہے سچ سچ بتا "افسوس" تو
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے

عبث ہے سوچ تجھ کو نامہ‌بر' دے شوق سے مجھ کو
کوئی جھڑکی کوئی گالی' اگر اس کی زبانی ہے

نہیں جائیں گے اس مجلس سے ہم بے اس کے لے جائے
قسم اب کب اٹھا تے ہیں کہ ہم نے پانؤں پھیلائے

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی
دیکھئے آگے کیا ہو وے

نصیر

نام شاہ نصیرالدین ' دھلي کے رھنے والے ' ان کا خاندان فقر و تصوف میں مشہور تھا ' لیکن ان کی شہرت محض شاعری کی بنا پر ھے -

شاہ " نصیر " شاہ محمدي مائل کے شاگرد تھے ' طبیعت میں زور تھا ' چند دنوں کي مشق نے استاد بنا دیا ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں رسائي تھی دربار شاھي سے کچھ علاقے جاگیر میں ملے تھے - اس لئے فراغت بھي حاصل تھی ' طلب مزید ان کو دوبار لکھنؤ لے گئی پہلي بار " مصحفی " اور " انشا " کا دور دورہ تھا ' دوسری بار " ناسخ " اور " آتش " کے نام کا ڈنکا بج رھا تھا اس لئے ان کو وھاں فروغ نہ ھوا - لکھنؤ سے سیدھے حیدرآباد گئے ' یہ دیوان چندولال کي شہرت کمال پرستی کي کشش تھي ' وھاں اُن کی خوب قدر ھوئي -

چار مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا - آخر سنہ ۱۲۵۴ھ میں وھیں کي خاک کے سپرد ھو گئے -

شاہ نصیر کے یہاں الفاظ میں جس قدر شان و شوکت ھے معانی میں اتنی بلندی نہیں - ان کي طبیعت اس درجہ مشکل پسند تھي کہ سخت سے سخت زمین اور مشکل سے مشکل قافیہ اور ردیف اختیار

کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامي سے هر خار زار کو گلزار بنا دیتے تھے - ان کے کلام میں دل‌نشیں استعارے اور نادر تشبیهیں کثرت سے ملتی هیں -

شاہ نصیر فن شعر کے مسلم‌الثبوت استاد تھے - ان کے تلامذہ میں " حیا " " معروف " - اور " ذوق " مشہور هیں - ایک " ذوق " هی اُن کي اُستادي کی ایسي یادگار تھے جو دنیاے شاعري میں همیشه باقي رهیگی -

اِنتخاب

بے کلی کیوں کر نہ ہو وے اُس کی فرقت میں "نصیر"
عشق میں اس گل‌بدن کے دل ٹھکانے لگ گیا

دیر کیوں کرتا ہے پھر کیا جانئے کس کا ہو دور
ساقیا لب سے ہمارے تو لب ساغر لگا
آپ سے آئے نہیں ہم سیر کرنے باغ میں
لائی ہے باد صبا گلشن میں لپٹا کر لگا

نہیں اس دور میں ڈر ساقیا سنگ حوادث کا
بغل میں ہے بہ‌رنگ شیشہ تصویرِ دل میرا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہیں سکتا

وائے اے شیشۂ دل سینے میں مانند حباب
ٹھیس سے اس نفس سرد کے تو ٹوٹ گیا

کعبہ سے غرض اُس کو، نہ بت‌خانے سے مطلب
عاشق جو ترا ہے نہ ادھر کا نہ اودھر کا

صبا کیا آبرو ہو اُس کی جو ہووے تنک مایہ
چمن میں قطرۂ شبنم در مکنون نہ ٹھہرے گا

کیا ہوا، گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا
بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

ساقیا دیکھ تو کیا عالم کیفیت ہے
جام گرداب ہے، میخانے مئے ناب، حباب

موج صبا کہاں ہے یہ فصل بہار میں
مجنوں کے واسطے ہے سلاسل کا اضطراب

رات اس بت کا ہوا بوسۂ رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب

دیکھا نہ تجھے، رہ گئی دیدار کی حسرت
تا مرگ نہ نکلی ترے بیمار کی حسرت

صیاد قفس کو نہ اٹھا صحن چمن سے
باقی ہے ابھی مرغ گرفتار کی حسرت

مہر ہاے داغ سے معمور ہے سینہ تمام
رو برو اللہ کے جائیں گے ہم محضر سمیت

دیوانہ میں وہ ہوں کہ سدا پاؤں سے میرے
سر اپنا اٹھاتی نہیں زنجیر لگا کر

سو مردے جلا دے ہے وہ اک جنبش لب سے
منکر کوئی اعجاز مسیحا سے ہو کیوں کر
حسن رخ دل دار ہے ہر جا متجلی
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیوں کر
فردا تری فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مجھے وعدۂ فردا سے ہو کیوں کر

خیال زلف میں ہر دم "نصیر" پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

دل صید ہوا تیری پریشان نظری سے
کرتا ہے خطا ہو وے اگر تیر کو جنبش

کیوں نہ رکھے دانہ انگور کی تسبیح شیخ
لے گیا دامن کشاں مسجد سے میخانے کا شوق

حلقۂ چشم غزالاں خانہ زنجیر ہے
کھینچ کر لے جائے ہے صحرا کو دیوانے کا شوق

نہ تنہا اشک کے قطروں سے کچھ زیب گریباں ہے
یہ موتی ٹانکتا ہے دیدۂ نم ناک دامن تک

مکدر ہو کے وہ آئینہ رو جھٹکے ہے دامن کو
ہماری خاک پہونچی اڑ کے بھی کیا خاک دامن تک

کیا عدم کو سفر موسم بہار نے حیف
خزاں کے دوش پہ ہے آج گاھوارۂ گل

جو بات پیش آئی تھی سو پیش آ گئی
کیا دیکھیں تیرے کشتوں کے پیشانیوں میں ہم

کیوں نہ آنکھوں سے لگا کر میں پیوں اے ساقی
ہے رقم ساقی کوثر کا لب جام پہ نام

والہ و شیفتہ و زار و حزین و مجنوں
ہم کو کیا کیا تری الفت میں ملے نام پہ نام

اے باد صبا ہم تو ہوا خواہ ہیں تیرے
مشتاق ہیں گل کے نہ طلب گار گلستاں

تجھ سے کہا دیدۂ و دانستہ محبت کیجئے
آنکھ لڑتی ہے کہیں، نامہ و پیغام کہیں

آپ کا کون طلب گار نہیں عالم میں
ایک بندہ ہی گنہ گار نہیں عالم میں

برقعۂ آبِ رواں میں یہ ترے، جالی نہیں
پڑ گئے ہیں ناوکِ مژگاں سے روزن آب میں

پوچھے ہے وہ کہ کس طرح شیشہ و جام کا ہے ساتھ
کہہ دے ملا کے چشم سے چشم کو ساقیا کہ یوں

چھلنی کانٹوں سے ہوئے گو، مرے تلوے لیکن
دشت وحشت کی ابھی خاک چھنی خوب نہیں

"نصیر" دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی ہے
ہمارے اس بت خانہ خراب کے گھر میں

کیا کہوں تیرے بغیر اے ساقئی پیماں شکن
حلقۂ ماتم یہاں تھا دور ساغر رات کو

رکھتا ہے اور کیا دل ناشاد آرزو
ملنے کي ہے ترے ستم ایجاد آرزو

دم غنیمت ہے کوئي دم کي یہ صحبت هم نشیں
تجھ سے پھر ملنا خدا جانے همارا هو نہ هو

کر ذبح اسیران قفس کو کہیں صیاد
پرواز کی طاقت نہیں تا بام کسی کو
انصاف تو کر دل میں تک اے ساقی کم ظرف
خالی کوئي دیتا ہے بھلا جام کسی کو

وہ حسن بے حجاب اُس کا ہے هر جا جلوہ گر لیکن
تري آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہے بے خبر پردہ

رفتہ رفتہ یار کے زانو تلک پہونچا دیا
آفریں ہے تجھ کو اے تدبیر پشت آئینہ

جب رشتۂ محبت ساقی سے جوڑ بیٹھے
شیشے کو پھوڑ ڈالا ساغر کو توڑ بیٹھے

چشم سے پردۂ غفلت جو اٹھا دیکھیں گے
سب سے باہم تجھے اور سب سے جدا دیکھیں گے

اس قدر ہم نے کیا ہے تجھ کو یاد
ایک عالم کو ہماری یاد ہے

دیکھ لیتی جو اٹھاکر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلی ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

" نصیر " زیب مکان رونق مکیں سے ہے
فروغ خانۂ انگشتری نگیں سے ہے

راسخ

شیخ غلام علی نام ' آبا و اجداد دھلی کے رھنے والے تھے ' عظیم‌آباد (پٹنہ) ان کا مولد ھے ' اسي نسبت سے راسخ عظیم‌آبادي مشہور تھے - سنہ ۱۱۶۲ ھ میں پیدا ھوئے ' سنہ ۱۲۲۱ ھ تک مختلف مقامات کي سیر و سیاحت کرتے رھے - سنہ ۱۲۲۲ ھ میں اپنے وطن عظیم‌آباد میں واپس آئے ' عظیم‌آباد اس وقت مرجع اھل کمال تھا ' راسخ کی کافي عزت ھوئی ' راسخ نے پہلے میر " گھسیٹا " عشق ' فدوی ' شرر سے اصلاح لی لیکن کچھ دنوں کے بعد جب خمخانۂ میر سے جرعہ نوشي کی تو آخر تک اسي رنگ میں مست رھے ' " میر " کي شاگردی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے ' جا بجا مقطع میں اس کا ذکر کیا ھے ' مشہور ھے کہ " میر " نے " راسخ " کے اس شعر پر اصلاح دي تھي -

راسخ—مرتے دم ان کا ذکر جب آیا زبان پر
نیند آ گئي ھمیں تب اسي داستان پر

میر—تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر
نیند آ گئی ھمیں تو اسی داستان پر

راسخ کے کلام میں تصوف کا عنصر غالب ہے ، وہ خود سراپا کیف اور ان کا دیوان خم خانۂ کیفیات ہے "راسخ" صوفی منش ، بزرگ صفت سوز و گداز رکھنے والے شخص تھے ، موسیقی میں بھی دخل تھا ، کہا جاتا ہے کہ موسیقی سے متاثر ہو کر بیشتر غزلیں کہی ہیں ، تمام اصناف سخن پر قادر تھے - "راسخ" نے ۷٦ برس کی عمر پاکر وفات پائی -

انتخاب

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
انہیں تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سدا پایا

دل بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھوں
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھی گریباں کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بے گانگی ہو جائے گی
آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جائے گا

لاگ اس پلک کی اتنی ہے معلوم ہے کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر میں ہے اپنے چبھا ہوا

شہادت گاہ خوں ریز محبت طرفہ جا دیکھی
کہ جو مقتول تھا یاں خنجر قاتل کا ممنوں تھا

جوانی ہلس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہے
جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

تھا جی میں کہ دشواری ہجر اس سے کہیں گے
پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

بےمدعا ہوں یہ بھی ہے اک مدعائے دل
اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

انتہائے عاشقی ہے شان معشوقی کہ ہم
صید جس صیاد کے تھے وہ شکار اپنا ہوا

دور میں اس کی مست آنکھوں کے
محتسب بھی شراب خوار ہوا

بگڑی جب سب سے، تب کچھ اُن سے
اسلوب بندھا موافقت کا

رخ زیبا دیا گل کو، دل بےصبر بلبل کو
اسے خنداں کیا پیدا، اُسے نالاں کیا پیدا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا
دید کو اپنے یہ آئینہ اسے درکار تھا
دل سے آگے کیوں بڑھا تو اے طلب گار وصال
پھر ادھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

شوق کي باتوں کا کس نامه میں اظہار نه تھا
ہم نے کب خط انھیں لکھا که وہ طومار نه تھا

برسوں رہا ہے صدمه کش اشک و آہ دل
یه نسخه ہے کچھہ آب زدہ کچھہ جلا ہوا

ہوا دیوانه ہر فرزانه تیرا بہت فرزانه ہے دیوانه تیرا

مت پوچھئے مجھہ سے حال میرا حیرت زدہ کیا بیاں کرے گا
جاں جسم په اب گراں ہے اے غم کتنا مجھے ناتواں کرے گا

معمور طرب رکھے دل، دوست نے دشمن کے
آنکھوں کو محبوں کی آنسو سے بھرا رکھا

عقل والوں کے نه آیا پیچ میں " راسخ " کبھو
یه بھي اس کي ذي شعوري تھی که سودائی رہا

پیشتر تم تھے جہاں اب سبب تسکیں ہے
اس مکاں کے درودیوار کو دیکھا کرنا

ے تھے خواہاں مرے خرابي کے میں اسي واسطے خراب رہا

دشمنی در پردہ کی، اے وائے تم نے کیا کیا
آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا

کب میرا خریدار ہو موجد وہ جفا کا
بندہ تو ہوں، ہے عیب ولے مجھ میں وفا کا

سونپا ہوا داغ ان کا تازہ ہی سدا رکھا
ہم نے اس امانت کو چھاتی سے لگا رکھا

گذرے جو وہ خیال میں تو ناز کی سی ہائے
یہ رنگ ہو کہ پھول ہو جیسے ملا ہوا

ہو ضبط آب، ٹوٹے ہوئے ظرف میں کہاں
دل چاک ہو گیا ہے جو آنسو رواں ہے اب

صورت ہمارے حال کی بگڑی سے دیکھ کر
قاصد نے ان کے آنے کی دل سے بنائی بات

زندہ ہے نام "مہر" "راسخ" سے کوئی ہے شاعروں میں ایسا آج

کہاں کا دام فقط ہے تری نظر صیاد
جو چاہے صید ہوں ہم دیکھ تک ادھر صیاد

فلک تجھ سے خواہاں شاہی نہیں ہم
ہمیں کوچۂ یار کا تو گدا کر

اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے
بےاختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
شیخ اس بت شکنی پر نہ ہو اتنا مغرور
تو نے توڑا نہیں اپنا بت پندار ہنوز

بازار جہاں میں کوئی خواہاں نہیں ہے تیرا
لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنس وفا ہم

عموماً کاش مثل جلوہ فرمائی نہ ہوتے تم
جگہہ دل میں مرے کرتے جو ہرجائی نہ ہوتے تم
تمہاری التفات خاص ہی وجہہ جلوں تھی یاں
تماشا ہم نہ بنتے گر تماشائی نہ ہوتے تم

جز داغ ہے کیا ؟ دل حزیں میں لالہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

گھر سے کہو کر در پہ اپنے بیٹھنے دیتے نہیں
تم جو کہتے ہو کہ جاؤ یاں سے میں اب جاؤں کہاں

اس کا ہر برگ آئینہ روے چمن آرا کا ہے
دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کریں
باوجود دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ
آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کریں
کچھ بھی کیفیت گراں میں ہو تو یہ سب خرقہ پوش
سبحہ و سجادہ رہن ساغر و صہبا کریں

"راسخ" علاقہ دل کا نہ ہو دل‌بروں کے ساتھ
تم اہل دل ہو حق میں مرے یہ دعا کرو

گردوں نے طرفہ قلب درد آشنا دیا ہے
یعنی ہمیں یہ شیشہ ٹوٹا ہوا دیا ہے
کتنی گراں بہا ہے پاؤں کی ان کے ٹھوکر
قیمت میں اس کی سر کو ہم نے جھکا دیا ہے

آہ عالم کي ہم اس وضع سے حیران ہوئے
دشت یاں شہر ہوئے شہر بیابان ہوئے
دم میں آزاد کیا قید سے ہستی کی ہمیں
تیغ قاتل کے تو ہم بندہ احسان ہوئے

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدني رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنی آنسو صبح پیري کا ستارا ہے

غم شریف حرم کو یہ ہے کہ حیف   نہ گدائے شر اب خانہ ہوئے

خواہشیں جمع تھیں دل میں سو کیا ان کو وداع
کوچ سے آگے ہی سامان لٹایا ہم نے

ہوئے مغلوب شوق کار فرما آخر آخر ہم
ہمیں تھا اختیار آگے پر اب بےاختیاري ہے
اٹھا سکتے نہیں بے طاقتي کا بار بھی اب ہم
ہوئے ہیں ناتواں ایسے کہ جینا تک بھی بھاري ہے

اگر باب اجابت تک رسا اپنی دعا ہوتي
تو جي میں تھا کہ خواہان دل بے مدعا ہوتے

مثنوی "عشق"

اے عشق امام ہے تو میرا — دین و اسلام ہے تو میرا
تو جان ہے جسم ناتواں میں — ہووے جو نہ تو تو پھر کہاں میں
کپڑوں کے نہ بند میں رہا میں — اس قید سے ہو گیا رہا میں
پوشش سے تو میں نے ہاتھ اٹھایا — عریانی کو پیرہن بنایا
ہے طرفہ مزا تری جفا کا — جی جانتا ہے مری وفا کا
شاہوں کی تباہی تونے چاہی — کشکول بنائے تاج شاہی
تو عقل کے ہوش کھو سکے ہے — جو چاہے سو تجھ سے ہو سکے ہے

بیدار

نام میر محمدی، دهلی کے رهنے والے مولانا فخرالدین کے مرید اور مرتضی قلی خاں کے شاگرد تھے - اپنے استاد سے زیادہ مشہور هوے -

دهلی سے اکبرآباد چلے گئے تھے وهیں وفات پائی - صاف شعر کہتے هیں، اور مضمون آفرینی کی کوشش کرتے هیں ان کی غزلوں میں جا بجا تصوف کی جھلک بھی دکھائی دیتی هے - فارسی کی دل‌آویز ترکیبیں استعمال کرتے هیں -

انتخاب

اشک سے سوز غم عشق مٹایا نہ گیا
شعلہ اس آگ کا پانی سے بجھایا نہ گیا

ایک بھی تار نہیں تا سر دامن ثابت
اس طرح چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
نظر آتی ہی نہیں صورت جاناں دل میں
عکس آئینے میں پنہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد، رہ گیا
تیرا ہی ایک نام فقط یاد رہ گیا
کس کس کا دل نہ شاد کیا تونے اے فلک
اک میں ہی غم‌زدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا
" بیدار " راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس، کوہ میں فرہاد رہ گیا

طلب میں تیری اک تنہا نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا

کیا ھنگامۂ گل نے مرا جوش جنوں تازہ
اودھر آئی بہار، ایدھر گریبان کا رفو ٹوٹا

ہم خاک بھی ھوگئے پر اب تک   جی سے نہ ترے غبار نکلا

کروں ھوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ھوتا تو کیا کیا کرتا

اس نے یاں تک کبھي گذر نہ کیا   تونے اے آہ کچھ اثر نہ کیا

ھو گیا گرتے ھي تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا " بیدار " یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

نہیں رہا ھے کسي کے اب اختیار میں دل
کیا ھے قصد مگر تونے دل ربائی کا
جہاں ھو نقش قدم اُس کا دیکھ لو "بیدار"
کہ واں نشان ھے میری بھي جبہہ سائي کا

تھي جو رسوائي ھو چکی " بیدار "
پاس نا موس و ننگ کیا ھے اب

پھر سرنو سے بیاں کر ! اس کو تو اے قصہ خواں
بوئے درد آتی ہے مجھ کو تیرے افسانے میں آج
پھونک دی یہ آگ کس کے حسن بزم افروز نے
بحث جھگڑے کی ہے باہم شمع و پروانے میں آج

ہوں میں پا بند الفت صیاد　　کب مجھے باغ و بوستاں ہے یاد

نہ تاب ہجر کی رکھتا ہوں نا امید وصال
خدا ہی جانے کہ کیا ہوگا اس کا آخر کار

آخر اے دل تونے دیکھا کیا ستم تجھ پر ہوا
ہم نہ کہتے تھے کہ ظالم اس سے مت کر اختلاط
آتش حسرت میں ہو جاتے ہیں لخت دل کباب
اُس لب مے گوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
دل سے اپنے وہ خبر دار اُس کی باتوں پر نہ بھول
بے سبب کرتا نہیں ہے وہ ستم گر اختلاط

اے شیخ تو اُس بت کے کوچے میں تو جاتا ہے
ہو جائے نہ یہ سبحہ' زنار خدا حافظ

دے تو اس ابر سیہ میں جام جلدی سے مجھے
دل بھرا آتا ہے میرا دیکھ کر صہبا کا رنگ

اس آئینہ رو کے ہو مقابل معلوم نہیں کدھر گئے ہم
گو بزم میں ہم سے وہ نہ بولا باتیں آنکھوں میں کر گئے ہم
پاتے نہیں آپ کو کہیں یاں حیران ہیں کس کے گھر گئے ہم

فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ
اب تیرے شکار ہو گئے ہم

تیرے حیرت زدگاں اور کہاں جاتے ہیں
کہئے گر آپ سے جاتے ہیں تو واں جاتے ہیں

ایک دم بھی نہیں قرار مجھے
اے ستمگار کیا کروں تجھ بن

انجمن ساز عیش تو ہے یہاں
اور پھر کس کی آرزو ہے یہاں

کون ہے کس سے کروں درد دل اظہار اپنا
چاہتا ہوں کہ سنو تم سو کہاں سنتے ہو

منھ نہ پھیرا کبھی جفا سے تری
آفریں دل کو، مرحبا دل کو

ھے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ھو جسے ھے سحر پروانہ

اپنے اوپر تو رحم کر ظالم دیکھ مت بار بار آئینہ

"بیدار" چھپانے سے چھپتے ھیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ھیں آثار محبت کے

دریہ اے یار تیرے آ پہنچے طپش دل نے رہ نمائی کی

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ھے
اے نالۂ جاں سوز! یہ کیا بے اثری ھے
تیرا ھی طلبگار ھے دل، دونوں جہاں میں
نے حور کا جویا ھے نہ مشتاق پری ھے

ساقی نہیں ھے ساغر مے کی ھمیں طلب
آنکھیں ھی تیری دیکھ کے بے ھوش ھوگئے

تو نہ ھو وے تو اے مہ تاباں
چاندنی رات خوش نہیں آتی

ربط جو چاھے ھے "بیدار" سو اُس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ھے

رخ تاباں سے تمہارے کہ ھے خورشید مثال
در و دیوار سبھی مطلع انوار ھوئے

نذر میں اُس شہ خوباں کے کروں کیا "بیدار"
دل ھے سو داغ ھے، جاں ہے سو غم اندوختہ ھے

سجاد

نام میر محمد "سجاد" اکبرآباد کے رہنے والے تھے - علم طب فن انشا ور طلسمات کے ماہر تھے "میر" نے ان کا شمار استادان فن میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے کلام میں الفاظ کی بندش کا اہتمام زیادہ ہے تاہم معنی کی دل‌نشینی بھی موجود ہے - ایک شعر کی نسبت کہتے ہیں کہ جی چاہتا ہے اس کو سو مرتبہ لکھوں وہ شعر یہ ہے :—

عشق کی ناؤ پار کیا ہو وے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

ان کے اشعار میں آمد کا رنگ نمایاں ہے - جہاں آورد ہے وہاں بھی بے ساختگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - محاورہ بندی ان کی خاص شان معلوم ہوتی ہے — بعض جگہ پوری مثل مصرعہ کی صورت میں باندھی ہے -

انتخاب

ساقی! بغیر جام کے جی کو نہیں بچاؤ
جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشت گل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
"سجاد" مجھ کو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

تجھ کو اے "سجاد" غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہے گلوں سے اٹکتا ہوا   وہ کانٹا ہے جی میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے "سجاد" تجھ کو
کریں پر کیا؟ خدا نے جو نہ چاہا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا
دل پھپھولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کي بھي يہ ياد دو روز ہے   ہميشہ رہے نام اللہ کا

اب جلائے تک آن کر ساقي   عمر کا بھر چکا ہے پيمانا

عشق میں جانے کا کہیں مارا   بے طرح دل ہوا ہے آوارا

'' سجاد '' کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی
ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی   نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لائے ہو تم میرے آگے کیا دوا   خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا '' سجاد '' نے دفتر کھولا

مرے دیکھ کر حال دامان کا   پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سب کی نظر سے گر کر اک دم میں پست ہو جا
گر میکشوں میں آیا زاہد تو مست ہو جا

کوئی جا کے قاتل کو سمجھائے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائے گا

شتابی پلا لے کہ جاتا ہے ابر   جو کچھ باقي ساقی رهي هو شراب

دل آبادي میں تنہا کھیلیے مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

بند میں مت رہ دوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتي کھول کر

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا وہ قہر
جنگل میں آ بسا ہے نکل کر تمام شہر

سب ہی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

دوانے کا نہیں مطلب دوانا   تو کیوں نامے پہ ہے سطروں کي زنجیر

شوق جلوں میں تیرے عوض، خاک جیب کی
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب سے وہ رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منھ کو نکلتا نہیں ہے حرف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسن اتفاق

گلی میں تری، بیٹھتے ہی سجن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

" سجاد " فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جاکے یار کے منھ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جائے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مزے در کنار ہوتے ہیں

نا خدائي تک ایک کر ساقي   ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کہا گریباں چاک   تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ دن یہ گذرے گی   ہجر کي یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیاری بھری ہوئي
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اس کی گلي میں جاتا ہوں
دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

دیکھوں طبیب دیتےدارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جاے سر
جان! اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں سے کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ ''سجاد'' کے دل کی جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں کھینچتے ہو

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز   یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

رات اس زلف کا وہ افسانہ   قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آبلے ہے خدا سے پیری میں   بت پرستی ہے اور جوانی ہے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے   جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے نئیں کس قدر جانتا ہے
یہ کافر مرا دل، خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہونچتے ترے آستاں تلک
تب تک ہماري خاک کی مٹي خراب ھے

کچھہ یہ ''سجاد'' کے جی پر ھي عجیب حالت ھے
ورنہ دیکھے ھیں میں اس درد کے بیمار کئي

اے صنم زنار پہنی تجھہ وفا کے واسطے
ورنہ کافر کون ھوتا ھے خدا کے واسطے

ماہ رو بن' یہ شمع' محفل میں   جیسي روشن ھے سب پہ روشن ھے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ھے

دیسے جنگل اجاڑ کو دیکھوں   یہي ''سجاد'' دل میں بستی ھے

اس زمانے کی دوستي کا رنگ   آن میں کچھہ ھے آن میں کچھہ ھے

محسن

محمد محسن نام ' " حسن " خان آرزو کے بھانجے اور " میر " تقي میر کے شاگرد تھے ' بہ قول " قائم " نوجواني هي سے شعر و شاعري کی طرف مائل تھے ' کلام کا نمونہ یہ ھے :—

انتخاب

" محسن " مروں نہ میں تو بھلا ' جی کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھي کھو چکا

جس دن تري گلی سے میں عزم سفر کیا
هر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

طبع نازک کو مري هاتھ میں رکھیو تو کہ میں
قیس و فرھاد سا دھقانی و مزدور نہیں

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ھے کدھر نہیں
مجھ کو تو تن بدن کي بھی اپنی خبر نہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رهوں میں اس بن
هو بهی اے مردن دشوار تک آسان کهیں

دورے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے
میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور هے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی هے زور
مرے پاس بهی اک دم سرد هے

دل مرا وابستۂ هر تار زلف یار هے
هے تو دیوانہ پر اپنے کام میں هشیار هے
اور یہ عاجز تمهارا کچھ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر هے گر درکار هے

قائم

نام شیخ قیام الدین ' چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے ' ملازمت کی وجہ سے دہلی میں قیام رہا - اس وقت دہلی کی فضا پر شاعری چھائی ہوئی تھی ' " قائم " کو بھی دہلی میں آکر مشق سخن کا شوق ہوا - ابتداء " میر درد " کو اپنا کلام دکھاتے رہے ' اس کے بعد مرزا " سودا " کے شاگرد ہو گئے - دہلی کی تباہی کے بعد "قائم" اپنے وطن میں چلے آئے ' کچھ دنوں رہکر رام پور گئے - وہاں نواب احمد یار خاں نے ان کی تنخواہ مقرر کردی جو ان کے لئے ناکافی تھی لیکن کچھ دنوں اسی پر قناعت کی ' آخرکار لکھنؤ پہونچے ' اور ان کی جو جائدادیں ضبط ہوگئی تھیں ان کی بحالی کے لئے مہاراجہ تکیت رائے کی تحریر لے کر وطن واپس ہوئے - وطن سے پھر عازم رام پور ہوے اور سنہ ۱۲۱۰ھ میں وہیں سپرد خاک ہوے -

" قائم " با کمال اور نازک خیال سخنور تھے - ان کی فکر رسا فطرت بلند اور طبیعت معنی یاب تھی - مضمون آفرینی اور قادرالکلامی میں " میر " اور " سودا " کے قریب پہنچ جاتے ہیں - ان کا شمار اُن لوگوں میں ہے جنھوں نے اردو شاعری کا پایہ بلند کر دیا اور ثابت

کر دیا کہ اردو زبان بھی باریک خیالات اور نازک جذبات کے اظہار کی قدرت رکھتی ہے - ان کا یہ دعویٰ ہے اور صحیح ہے :—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بہ زبان دکنی تھی

زبان کی اصلاح میں '' قائم '' اپنے استاد " سودا '' سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں ' حتی‌الوسع الفاظ ثقیل سے پرہیز کرتے ہیں' اور ترکیب کی خوبی اور بندش کی چستی سے مضمون کو دل نشین بنانے کی کوشش کرتے ہیں -

انتخاب

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا
تیر سا اک دل سے گذر کر گیا
چھپ کے تیرے کوچے سے گذرا میں لیک
نالہ اک عالم کو خبر کر گیا

اے ابر! اپنے گریئے میں جس وقت جوش تھا
جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفاں خروش تھا
" قائم " تو اپنی هستی نہ سمجھا کہاں تلک
اے خانماں خراب کوئی یہ بھی ہوش تھا

عار ہے ننگ کو مجھ نام سے، سبحان اللہ
کام پہونچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

عہدے سے تیرے، یار! بر آیا نہ جائے گا
یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
دل کو نہ صرف گریہ کر اے چشم اشک بار
ایسا رفیق ڈھونڈھے بھی پایا نہ جائے گا

ٹوٹا جو کعبہ ، کون سی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
"قائم" خدا بھی ہونے کو جو جانتے ہیں ننگ
بندا تو اُن کے پاس کہایا نہ جائے گا

سنے کو دیکھے پہ ہم دیویں کس طرح ترجیح
خدا کو ہم نے سنا ہے تمھیں بتاں دیکھا

غرور مجھ کو نہیں شیخ بےگناہی کا
امیدوار ہوں میں رحمت الہی کا
ہمیشہ خوف میں رہ دل تو گو ہے بے تقصیر
مباد جرم کہیں تجھ پہ بے گناہی کا
فلک جو دے تو خدائی تو اب نہ لے " قائم "
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

بے دماغی سے نہ اُس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا
آہ پہلو میں سے میرے دل رنجور گیا
تا کجا ضبط نفس کیجئے کہ مقدور گیا

مرے نزدیک دل سے درد پہلو اور بہتر تھا
عوض اُس چشم کے ہوتا اگر ناسور ، بہتر تھا

ہریک سے راز دل کہہ کے تو یاں رسوا ہوا "قائم"
بھلا اے بے خبر یہ بھی کوئی مذکور بہتر تھا

کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہ گار نہ تھا
لیکن اتنی تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا
لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا "قائم"
شاید اس جنس کا یاں کوئی خریدار نہ تھا

عوض طرب کے گذشتوں کا ہم نے غم کھینچا
شراب اوروں نے پی اور خمار ہم کھینچا
طریق عشق میں کہہ بوالہوس سے جائیں ہیں سر
بھلا ہوا کہ تو اس راہ سے قدم کھینچا
خلش تھی مد نظر ہم سے حرف گیروں کو
سو ہم نے ہاتھ ہی لکھنے سے یک قلم کھینچا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا　　ہائے چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم　　کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

ہم بھی ہر طرح تری دوری میں دل شاد کیا
ہچکی گر آئی تو سمجھے ہیں کہ تم یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

وہ حال سے مرے اتنا نہ بے خبر ہوتا
اگر مرا اثر آہ' نامہ بر ہوتا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

اے نزع پھر قریب ہے شام شب فراق
یہ مرحلہ تو اب تئیں یک سو نہیں گیا

جب تک ہی مثل آئینہ امکان دیکھنا
دکھلائے جو فلک سو مری جان دیکھنا
سر سے کفن کو باندھ کے آیا ہے تجھ تلک
عاشق کا اپنے تک سر و سامان دیکھنا

قدم تو کس کا ترے کو میں پھر گیا ہوگا
گیا بھی ہوگا کسی کا' تو سر گیا ہو گا
گلے سے اس کے جو ''قائم'' کو لائیے ہم تو کہا
یہ دل پہ نقش ہے اب تک کہ پھر گیا ہوگا

گو تغافل سے میرا کام ہوا   پر بھلا تو تو نیک نام ہوا

مرے دماغ سے مانوس ہے شمیم صبا
کسی کے کوچے سے آئی مگر نسیم صبا
گل شگفتہ دیروزہ ہوں میں گلشن میں
زیادہ باد خزاں سے ہے مجھ کو بیم صبا

جب سنگ آستانہ ترا تکیہ گاہ تھا
ہم کو بھی کوئے عشق میں اک عز و جاہ تھا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

موج گرداب کی طرح ہم نے گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا

ہم سے بےچاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے پہ کچھ فکر ہمارا نہ کیا

رات کو چین ہے نہ دن کو تاب
دل ہے یا رب کہ پارۂ سیماب
دل گنوانا تھا اس طرح "قائم"
کیا کیا تونے ہائے خانہ خراب

نکلی اُدھر زباں سے ادھر جی نکل گیا
کیا جانے کیا بلا تھی کچھ آواز عندلیب

دیکھئے اب کی آپ عشق سے کیوں‌کر بھتے
غالب آیا ہے طبیعت پہ یہ آزار بہت
" قائم " آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

رہا میں اس سے گرفتہ اک عمر تک لیکن
کیا جو خوب تامل تو کچھ نہ تھا باعث

اے وہ کہ تو کرے ہے ہر آزار کا علاج
جز مرگ کچھ بھی ہے ترے بیمار کا علاج
اے ضبط گریہ روئے کیوں‌کر نہ اب لہو
کچھ ہو سکا نہ دیدۂ خوں‌بار کا علاج

بیکسی اپنی کس کو سونپ مروں
میں تو رکھتا تھا اس کو جاں کی طرح

گردش میں ہوں میں رات دن ایام کی طرح
یہ چال ہے تو کون ہے آرام کی طرح

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گئی بہار خزاں آئی ' گل ہوئے پامال
مري رهائي میں اب کیا درنگ ہے صیاد

نے ہم اُس کے لے لیا دل کو نہ کی جان پسند
اور کیا چیز ہے گھر میں جو ہو مہمان پسند

ہم نشیں ! کہہ لے قصہ مجنوں   ہم کو بھی دل کي داستاں ہے یاد

بے شغل نہ زندگي بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تھوڑي ہے قصہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگي بھی
اس سے جو کوئي جیا تو مرکر

تھی وفا اس مرتبہ یا بے وفائي اس قدر
آشنائي اس قدر نا آشنائي اس قدر

میں بعد مرگ بھي " قائم " چھٹا نہ گردش سے
ہے میري خاک سے اس بزم میں ایاغ هنوز

گو یاں نہ کسی کو آئے افسوس حالت تو ہے اپنی جائے افسوس

صحت کا جی میں چاؤ نہ آزار کی ہوس
نا گفتنی ہے کچھ ترے بیمار کی ہوس
طوبیٰ کی چھاؤں تجھ کو مبارک ہو زاہدا
ہے اپنی دل میں سایۂ دیوار کی ہوس

گستاخ نہ ہو خاک نشینوں سے کہ "قائم"
دیکھی ہے چھپی راکھ میں ہم بیشتر آتش

وعدہ جھوٹا بھی وہ نہیں کرتا
بس ہمیں انتظار سے کیا حظ
پونچھے آنسو نہ آستیں جو تری
دیدۂ اشک بار سے کیا حظ

شب میں چاہا کروں کچھ اُس سے سوال
بن سنے ہی کیا جواب شروع
نام سنتے ہی اس کا کہوں "قائم"
پھر کیا تونے اضطراب شروع

جان بہ لب ہے دل، نہ کہاؤں کس طرح سینے میں داغ
نزع میں رنجور کی بالیں پہ لازم ہے چراغ

کس بات پر تري میں کروں اعتبار ہاے
اقرار اک طرف هے تو انکار اک طرف

سو دیکھي جفا په منه نه موڑا
رحمت هے تجھے وفائے عاشق
هجراں میں بھی مر گیا نه ''قائم''
بس بس تو اور کھائے عاشق

دل دے کے دیا میں تجھ، کو جاں تک
اب اور جگر کروں کہاں تک

'' قائم '' جہاں کے بیچ تو آسودگي نه ڈھونڈہ
هر خار گلستاں میں همیشه هے پائے گل

اب کي جو یہاں سے جائیں گے هم
پھر تجھ، کو نه منھ، دکھائیں گے هم

جب موج په اپني آگئیں چشم
دریا دریا بہاگئیں چشم

لے پہنچیو تو صحن چمن تک ہمیں نسیم
آمادہ سفر ہیں بہ رنگ غبار ہم

جوں شمع جلتے مرتے ہی گذری تمام عمر
رکھتا ہے کوئی ایسے بھی شام و سحر کہ ہم
"قائم" یہ کہتے تھے کہ نہ مل اِن بتوں سے گرم
اب سنگ آستاں سے تو مارے ہے سر کہ ہم

شب اس سے لگ چلا تھا میں سو ہنس کر یہ لگا کہنے
کہ ہیں باتیں یہی اس جبہ و دستار کو لازم

اچھا تو ہے "قائم" کو دبا دیں جو اسی طرح
یہ آگ کا شعلہ نہیں رکنے کا کفن میں

اب تک بھی جلوں ہاتھ اُٹھاتا نہیں مجھ سے
ہر چند گریباں کے کئی تار رہے ہیں
دیکھا ہے جنھوں نے تجھے اے یوسف خوبی
سو جان سے تا زیست خریدار رہے ہیں
پوچھ ہم سے تو احوال خرابات کہ "قائم"
یک عمر ہم اس گھر میں بھی مختار رہے ہیں

سمجھ کے شیشہ دل کو پٹکیو اے بت مست
بہ جائے بادہ لہو ہے اس آبگینے میں

یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا "قائم"
پر اک خلش سے رہے ہے مدام سینے میں

"قائم" اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دلِ کھلے نالے سے جس کے ہے وہ آواز کہاں

کوئی مختار کہو یا کوئی مجبور ہمیں
ہم سمجھتے ہیں جہاں تک کا ہے مقدور ہمیں

جتنے اسباب تھے دنیا کی سو دیکھے " قائم "
اب وہ ہو فکر کہ ہم ترک سب اسباب کریں

دیکھا میں نہ جو سایہ بازوئے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

اپنا قصور سعی ہے ملتا جو تو نہیں
کیوں کر ملے وہ جس کی ہمیں جستجو نہیں

جور سپہر ' دوري ياران و روئے غير
جو کچھ نہ دیکھتا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

" قائم " یہ جي ميں هے کہ تقيد سے شيخ کي
اب کی جو میں نماز کروں بے وضو کروں

رهنے دو میرے نقش کو هو جائے تا غبار
لے جائیگي اڑا کے نسیم سحر کہیں
روتے هيں تو گلوں هی کو شبنم ! ادھر تو دیکھ
ٹکڑے ہے اس طرح سے کسي کا جگر نہیں

''قائم'' هو کس طرح سے بہم ربط و اختلاط
وہ اس غرور ناز میں هم اس حجاب میں

شام شب ہزار هوئي ' صبح زندگي
لیکن شب فراق کو اب تک سحر نہیں

ایک جاگہہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا' صبح کہیں' شام کہیں

آنا ہے تو آو ورنہ پیارے
ہم آپ سے آج جارہے ہیں

گریبان کی تو "قائم" مدتوں دھجی اڑائی ہے
یہ خاطر جمع اس دن ہوئے جب سینے کو ہم چیریں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں
کہئے ہم اعتبار کرتے ہیں

نت ہوں "قائم" خموش کیا جانے
کس تہی دست کا چراغ ہوں میں

میں اس اخفا سے تیری یاد میں دل شاد کرتا ہوں
کہ خود واقف نہیں اب تک میں کس کو یاد کرتا ہوں

"قائم" اک بات میں جیتا ہے تمہاری' لیکن
پرسش حال تم اوس خستہ کی کب کرتے ہو

جانے دو جو نصیب میں ہونا تھا سو ہوا
یارو خدا کے واسطے تکرار مت کرو

رہتا کہ کہوں کا حال دل کا
آ جائیں تلک حواس مجھ کو
حیرت نے کیا ہے اک جہاں کا
جوں آئینہ روشناس مجھ کو

مری نظر میں ہے ''قائم'' یہ کائنات تمام
نظر میں گو کوئی لاتا نہیں یہاں مجھ کو

یہ کون طرز وفا ہے جو ہم سے کرتے ہو
میاں خدا نہ کرے تم خدا سے ڈرتے ہو

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

شمع تک جاتے ہوئے دیکھا تھا اُس کو ''قائم''
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ

جوں موج، مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے

ساقیا دور کیا کرے ہے تمام آپ ہی آپ دور چلتا ہے

عذر ستم عبث ہے کہ گذرا جو کچھ ہوا
منظور گر ہے لطف تو آئندہ کیجئے

شب کو تو شغل گریہ ہے اور دن کو مشق غم
اوقات اس طرح کوئی کب تک بسر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے
کہتے ہیں لوگ گالیاں "قائم" کو دے گیا
اے کاش یہ سلوک وہ بار دگر کرے

مجھ سا بھی تری چشم کا بیمار ہے کوئی
جینے کی بھی جو شکل سے بیزار ہے کوئی

مر جائیے کسی سے الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

شب، غم سے مری جان ہی پر آن بنی تھی
جو بال بدن پر تھا سو برچھی کی انی تھی

روز و شب ہے حالت انجام مےنوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے کیا پیغام بے ہوشی مجھے
منحصر ہے شرح سوز دل پہ میری زندگی
شمع ساں مرتا ہوں گر اک دم ہو خاموشی مجھے

داماں گل تئیں ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ دے اے ہوس مجھے
ساقی نہ کھینچ مجھ کو تو مستوں کے دور میں
تک گردش نگاہ ہی تیری ہے بس مجھے
"قائم" میں عندلیب خوش آہنگ تھا پہ حیف
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

کہتے ہیں خوش دلی ہے جہاں میں، یہ سب غلط
رنج و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا جو ہر طرف
اے ہم رہاں پیش قدم، تم کدھر گئے

دو چیزیں ھیں یادگار دوراں تیرا ستم، اپنی جاں فشانی

کس کس صورت سے جلوہ گر ھے اللہ رے نمود بے نشاں کی

دل ڈھونڈھے ھے سینے میں مرے، بوالعجبی ھے
اک ڈھیر ھے یاں راکھ کا اور آگ دبی ھے
کیا پوچھتے ھو موجب آزردگی یار
دل لے چکے مدت ھوئی اب جاں طلبی ھے

جنوں کے ھاتھ سے گو ناتواں ھوں
گریباں تک مری تو دسترس ھے
نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت
برس گذرے کہ میں ھوں اور قفس ھے

صدموں سے یاں طپش کے نے بال ھے نہ پر ھے
اے شوق پر فشانی! کچھ تجھ کو کیا خبر ھے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جاے ھے جی گرد سے ویرانے کی
آج کی رات میسر ھو جو اس گل کا وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

میرا پیغام بہر طرز ادائے ناز کیا سمجھے
خدا جانے یہ کیا بہکے وہ مست ناز کیا سمجھے

عوض امید کے اب دل کو یاس آئی ہے
عجب زمانے نے جي سے خلش مٹائی ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسو کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا؟ خدا نہ پھرے

نیا ہر لحظہ ہر داغ کہن ہے
بہار سینہ رشک صد چمن ہے
یہ صحرا ہے بھلا دیکھوں تو بارے
جنوں کیسا ترا دیوانہ پن ہے

صبر و قرار و هوش و دل و دیں تو واں رہے
اے ہم نشین یہ تو بتا ہم کہاں رہے
دل میرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے

اے گر یہ دعا کر کہ شب غم بسر آوے
تا چند ہر اک اشک کی تہ میں جگر آوے

نے ناز و نہ عشوہ ہے نہ تقطیع نہ چھب ہے
دل کو جو لبھاے ہے وہ کچھ اور سبب ہے

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے
کہ دن گر رو کے گذرے ہے تو مرکر رات کٹتی ہے

هنوز شوق دل بے قرار باقی ہے
بجھی ہے آگ تو لیکن شرار باقی ہے

سحر ہے ' رات بیتی' مئے ہے شیشے میں' ابھی باقی
ادر کاساً و نا ولہا الا یا ایہا الساقی

لبریز شوق میرا از بسکہ مو بہ مو ہے
سمجھا نہ میں یہ اب تک یہ میں ہوں یا کہ تو ہے

" قائم " شباب هي کے مناسب تھا شور عشق
جانے دے اب یہ کام کہ وہ ولولے گئے

بیتاب

سلتھوکھ رائے نام ' " قائم " کے معاصر تھے ان کے کلام میں
پختگی ' سوز و گداز اور بے ساختگی پائی جاتی ھے -

اِنتخاب

نہ رھے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ھم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ھم
اپنے مذھب میں ھے اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ھیں نہ اسلام سے ھم

گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں
پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں

محبت کی بھی کچھ ھوتی نہیں کیا ھم نشیں راھیں
کہ خوباں یوں ھمیں دکھ دیں ھم اُن کو اس طرح چاھیں

آہ دی سینے میں آتش کون سی بے درد نے
دل سے لے کر منھ تلک امڈا ھوا اک دود ھے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹتی ہے یاں
اب تک جو ہم نہ آئے الہی کہاں رہے

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تا ثیر مجنوں کی
کہ بن لیلے نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

عشق میں کاہے وصل کہ نہیں ہے
نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے
نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

(رباعی)

یاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے
مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر
اِس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

مجذوب

مرزا غلام حیدر نام ' دهلی کے رهنے والے مرزا رفیع سودا کے (متبنٰی) اور شاگرد هیں غزل میں " سودا " کا رنگ نمایاں هے ' صفائی میں " سودا " سے زیادہ' درد اور گداز میں کم هیں -

انتخاب

چمن میں حسن کی مے جب وہ گل اندام لے آیا
ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا

عجب قسمت هے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئی صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا
دھوکا هے یہی ' کہ کیا کرے گا

پھرتا نہیں خورشید جو دیکھے بہ سر بام
گردش تو کرے اپنی ' فراموش فلک پر

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں
خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
"سودا" کا بیٹا مجھ کو "مجذوب" جانتے ہیں

عداوت سے تمھاری کچھ اگر ہو وے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمھارا ہم سے جو عہد وفا ہے، اس کو تم جانو
مرا پیمان کچھ نوع دگر ہو وے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے! کہ شب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہو وے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
"مجذوب" ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں
بندہ کبھی ہو بیٹھے ہو، گاہ خدا ہو

گزرے ہے یوں خیال وطن جوں کرے ہے یاد
خو کردہ، قفس گل و گلزار گاہ گاہ
طاقت کہاں کہ حال کہے یہ طبیب سے
تھمتی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

زلفوں کو گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار
ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

اشک آنکھ میں ہو، عشق سے تا، دل میں غم رہے
یہ گھر ہے وہ خراب جو آنسو سے تھم رہے
چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر
صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہے

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے
یاد بھی کچھ نہیں کہاں سے چلے

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے

ماھر

فخرالدین خاں نام ، آباو اجداد دھلی کے رھنے والے تھے ، مگر ماھر نے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا - اشرف علي فغاں کے بیتے اور "سودا" کے شاگرد تھے -

---

انتخاب

چشم اس سے تر حم کی نہ رکھہ! رو رو کے "ماھر"
کب پونچھے ھے وہ دیدۂ خوں‌بار کسو کا

جو اُس کے درپہ بیٹھے ھیں ، سمجھتے ھیں وہ در کس کا
ھوے جو اُس کے آوارہ وہ کہتے ھیں کہ گھر کس کا

میں تو مانوں ترا سخن ناصح
پر ، نہیں دل پہ اختیار اپنا

مدت ھوئي کہ دل کی مجھہ تک خبر نہ پہونچي
ملتا نہیں نشاں کچھہ اس بے نشاں سے مجھہ کو

تو تو کب اعتبار مانے ھے — جس پہ گذرے ھے سو ھي جانے ھے

سبز و خرم تر و تازہ ھے گلستاں ھر چند
تو ھی جب پاس نہ ھو کہوں کہ یہ شاداب لگے

کوئي نہ بھلا کام ھوا عمر میں ھم سے
اُمید ھے بخشش کي مگر تیرے کرم سے

ممتاز

حافظ فضلو نام، سودا کے شاگرد تھے ان کا وطن دھلی تھا مگر کچھ دنوں دکھن میں بھی قیام کر لیا تھا -

ممتاز کی زبان میں صفائی اور روانی، بیان میں درد و اثر اور تشبیہات و تمثیلات میں جدت و ندرت ہے -

---

انتخاب

هزار مرتبه دیکھا ستم جدائی کا
هنوز حوصله باقی هے آشنائی کا

قروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا
میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کس طرح کردیا مایوس
اور ان کی خاطر امید وار میں کیا تھا
ترے هی واسطے آئے عدم سے هم یہاں تک
و گرنہ هستئی نا پائیدار میں کیا تھا

کہوں کہ سر سبز هو شاهی و گدائی کی هوس
رہ گئی آہ مرے دل میں خدائی کی هوس

بال و پر توڑ کے جب تونے قفس کو سونپا
وهیں آخر هوئی صیاد رهائی کی هوس

گذرا کبھی شاید کہ وہ بے باک چمن میں
آتا هے نظر جامۂ گل چاک چمن میں

جو کیفیت نہ هو مستی میں کیا خمار میں هو
جو رنگ و بو نہ هو گل میں تو کیا بہار میں هو
نہ کر تو صبر نصیحت کا هم پر اے "ممتاز"
سخن تو کہتے هیں اس سے جو اختیار میں هو

یے نیازی عشق کی وہ کچھ تمہارا ناز یہ
اُس کا کیا انجام هو گا جس کا هے آغاز یہ

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ
یہ عجب طرح کی شادی هے اسے غم نہ سمجھ

همارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا هے
کہ جیسے پانی کے چھڑ کے غبار اٹھتا هے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار هے
میرا هی دست دعا منھ پر مرے دیوار هے

هدایت

ہدایت اللہ نام، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے، خواجہ میر درد کے شاگرد اور معتقد تھے، غزلوں کے علاوہ رباعیاں، اور بنارس کی تعریف میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے - شاعری کی طرح طبابت میں بھی مشہور تھے میر قدرت اللہ قاسم ان کے ارشد تلامذہ میں تھے -

ہدایت اعلیٰ درجے کے غزل گو شاعر ہیں، انسانی فطرت کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے - دلی حالت کے وہ نازک تغیرات جو عام نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اُن کی باریک بیں نگاہیں اُن کو دیکھ لیتی ہیں اور وہ ان کو عام فہم اور پر اثر انداز میں بیان کر سکتے ہیں - اُن کے منتخب کلام میں "میر" کی شاعری کا لطف ملتا ہے -

ہدایت نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں اپنے صبر
ہماری گذرے گی کیوں کر الٰہی کیا ہوگا

دیکھ اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
بس میری جان! دھی پیالوں میں چھلک گیا

دیکھا نہیں ہے ہم نے "ہدایت" کو ان دنوں
شاید کسی جگہہ یہ دل اس کا اٹک گیا

ہے آدمی کو بھی کہیں حیات ان دنوں
کسی نے خوب کہا ہے موا سو چھوٹ گیا

آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں
یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

کچھ ان دنوں ہے حال "ہدایت" ترا تباہ
کیوں میری جان! کیا تجھے آزار ہو گیا

اک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا
اے آہ و نالۂ سحری تم کو کیا ہوا ؟

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا
نہیں بعد میرے کوئی بیکسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
میں منھ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

روئے ہے کیا جوانی پہ اپنی کہ بے خبر
شب کیا گذر گئی ہے کہ اب دن بھی ڈھل گیا
لب پر ہزار حرف شکایت کا تھا ہجوم
مکھڑے کو دیکھتے ہی پہ کچھ دل بہل گیا

ہر لخت دل گلے کا مرے ہار ہو گیا
گل تھا پر اپنی چشم میں یہ خار ہوگیا
ہے کس کے جی میں خواہش سیر چمن یہاں
سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا

جاتا رہا ہوں آپ بھی میں اپنی یاد سے
کیا جانئے کہ کس نے فراموش کر دیا
مجلس میں رات اس کی "ہدایت" نے سوز دل
یاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رہا، جہان میں ، نے جام رہ گیا
مردوں کا اس جگہہ میں مگر نام رہ گیا
کوئی پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک
پایا جہاں کسو نے کچھہ آرام رہ گیا

نہ صحن باغ میں لگتا ہے جی نہ صحرا میں
ہوا ہوں آہ میں یارب کس انجمن سے جدا

نہ ملے کارواں سے ہم اے وائے   گرچہ کتنا جرس پکار رہا

جس دم زباں پہ پیارا ترا نام ہو گیا
کچھہ دل کو چین ، جان کو آرام ہوگیا

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھہ کو ہٹانے نہ دیا

یار ، ہم میں ہے "ہدایت" جلوہ گر
جس طرح ہو گوہر یکتا میں آب
یہ نہیں معلوم ہرگز آپ کو
آب میں دریا ہے یا دریا میں آب

تیری زلفوں کی کچھہ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گزری ساری رات

دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر "ہدایت" چشمِ تر کا کیا علاج

کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب یارب کیا آج سو گئی صبح

تونے گو قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

کس دل جلے کی خاک سے گزری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں میں نسیم بہار کو

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے ٹھیس، نکہتِ گل سے دماغ کو

کرتا نہیں ہے جانے کو دل، کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یاں رہے

کیا خاک کو کہیں مری، گلشن میں جا نہ تھی
پر چشم تجھ سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی

ضعف سے بیٹھا ہوں جوں نقشِ قدم تو کیا ہوا
گرد باد آسا مری طینت میں ہے آوارگی

موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے
مل گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے

دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہ تھا
چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور ہے

گو نت یہی جور اور جفا ہے   بندے کا بھی اے بتاں خدا ہے

غرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے
کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی
وگرنہ فائدہ اس کو مرے ستانے سے
میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقۂ در
یہ سر لگا ہے مرا، اس کے آستانے سے

آنکھوں نے تری جس کے تئیں مست کیا ہو
وہ شور قیامت سے بھی ہشیار نہ ہووے

کیا کہوں تجھ سے "ہدایت" کہ مری شام و سحر
یاد میں زلف و رخِ یار کے کیوں کر گزری
دن گزرتا ہے مجھے روزِ قیامت سے دراز
رات گزری تو شبِ مرگ سے بدتر گزری

پختہ مغزان جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے
جو ثمر پکا سو پامال جفائے سنگ ہے
عشق نے تیرے، مجھے یاں تک کیا ہے ناتواں
تا بہ لب آنا نفس کو راہ صد فرسنگ ہے
ان دنوں کچھ تو "ہدایت" ہو گیا ہے زرد سا
ظاہرا عاشق کسی پر ہے، ترا کیا رنگ ہے؟

صدقے ترے گل‌عذارا جی سے　　اک جی سے نہیں ہزار جی سے

گھر سے نکلے ہے تو جی ساتھ نکل جاتا ہے
کوئی قامت ہے کہ یہ آہ دل محزوں ہے

چشمۂ خوں ہے، دامن دریا　　آستیں کس نے یاں نچوڑی ہے؟

ایک وہ ماہ رو غائب ہے نظر سے ورنہ
وہی تارے ہیں، وہی ماہ، وہی گردوں ہے

خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسا کیا ہے؟ دم آوے نہ آوے

غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن
پھر اپنا یاں قدم آوے نہ آوے

گویا کہ تیرے ہجر میں، میں مر گیا ہوں رات
تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

صبا کوچے سے اس کے، مت اٹھانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گل فام پر بیٹھے

شب ہجراں میں تری، صبح کے ہوتے ہوتے
استخواں شمع صفت بہ گئے روتے روتے

ہمیں نشیب و فراز زمانہ سے کیا کام
جو سر بلند ہیں ان کو ہے فکر پستی کی

جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
کس کی مجلس سے ہم اداس گئے

ھوس

مرزا محمد تقی خاں نام ، " ھوس " تخلص نواب مرزا علی خاں کے بیٹے اور نواب آصف الدولہ کے قریبی عزیز تھے - وطن فیض آباد اور مسکن لکھنؤ تھا - نہایت فارغ البال اور خوش حال تھے " ھوس " " مصحفی " کے شاگرد تھے مگر اُستاد کے طرز کی تقلید نہیں کی - اپنا راستہ الگ بنایا ان کے یہاں آمد کم آورد زیادہ ہے پھر بھی ان کلام لطف سے خالی نہیں - عبارت کی چستی اور فارسی ترکیبوں کی کثرت میں اپنے اکثر ہم عصروں سے بڑھے ہوئے ہیں -

انتخاب

مہر معنی میں نے جب کاغذ پہ نور افشاں کیا
مطلع صبح قیامت مطلع دیواں کیا
اک تبسم کو نہ فرصت لب تک آنے کی ملی
کس قدر اس گل نے پاس خوبی دنداں کیا

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا
الان توکلت علی اللہ تعالیٰ
آنکھوں سے لہو آنے لگا اشک کی جاگہ
نیرنگئی الفت نے عجب رنگ نکالا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوف فنا ہم کو
ہستی سے "عرش" اپنی بہتر تھا عدم اپنا

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا
خواب میں ہم نے تمھیں دیر تلک پیار کیا
شرم کی اوٹ ہی سب کام بنا جاتا تھا
ذوق بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

بیچ ڈالا ھے مجھے ھاتھ خوش اسلو بوں کے
اس کا بندہ ھوں انہیں جس طرح سے دار کیا

بے دست جنوں کچھ تو موئے پر بھی مدد کر
بد نامی وحشت ھے گریبان کفن کا

حسن کو ھوتی ھجوم عاشقاں کی گر خبر
تو جلوہ خانہ کو صحرائے قیامت مانگتا

جو اڑتا تو گماں طاقت کا ھوتا ھم صفیروں کو
ھجوم ضعف نے چہرے پہ میرے رنگ تھہرایا
زباں طاعناں سے اے "ھوس" کیونکر بچیں کیا ھو
جنوں عشق نے ھم کو حریف ننگ تھہرایا

پائے تلاش پہلے ھی منزل میں رہ گیا
جی اشتیاق خنجر قاتل میں رہ گیا
کام اپنا تو تمام کیا یاس نے "ھوس"
شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا

ھم سے وا رفتۂ الفت ھیں بہت کم پیدا
ھاتھ سے کھو نہ ھمیں ھونگے نہ پھر ھم پیدا

میں بھی ہوں باعث ایجاد "ہوس" اک شے کا
میری خاطر میرے خالق نے کیا غم پیدا

اگرچہ آج ہے بالیں سنگ و بستر خاک
کبھی تو سر مرا آغوش یار میں بھی تھا

بلبل نے کڑھایا نہ غم گل نے رلایا
ہم کو تو فقط اس کے تغافل نے رلایا

جگر پہ داغ ہوا یار کی جدائی کا
یہ داغ جی سے نہ جاوے گا آشنائی کا

شمع، پروانے پہ مصروف ہے، گل، بلبل پر
حسن ہر رنگ میں پاتا ہے خریدار اپنا

سینے کے داغ، دیکھ لئے میرے، خلق نے
وحشت میں پھاڑ کر میں گریباں خجل ہوا

جی اس کے در سوا، نہیں لگتا کہیں ذرا
فرصت دے ناتوانی تو جاویں وہیں ذرا

منزل میں جہاں کی' نہ ہوا دل سے جدا غم
اس راہ میں کیا یار سفر ہم کو ملا تھا
کہتا تھا اُسے کوئی " ہوس " اور کوئی مجنوں
کل دشت میں اک خاک بہ سر ہم کو ملا تھا

ایسے آنے سے تو قاصد تو نہ آیا ہوتا
کیسی امید میں تونے مجھے مایوس کیا

سینے میں تڑپتا ہے پڑا' برق کے مانند
کچھہ حال نہ پوچھو دل بے صبر و سکوں کا

آتی نہیں چمن سے یہ' سوئے قفس کبھی
روکا ہے بخت بد نے نسیم رواں کو کیا

کسی کا روکنا وحشت میں جو مجھہ کو نہ بھاتا تھا
جنوں میں میں نے سر ہر خار دامن گیر کا توڑا

نقش پائے رفتگاں کا سلسلہ جاتا رہا
ہم تو تھک کر رہ گئے اور قافلہ جاتا رہا
ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوۂ درد فراق
مسکرا کر اس نے دیکھا سب گلا جاتا رہا

عہد طفلی سے غم عشق ہے دمساز اپنا
قیس وارفتہ کا انجام ہے آغاز اپنا
پاس ناموس محبت سے کبھو آہ نہ کی
نادم مرگ کسی پر نہ کھلا راز اپنا

غفلت ہی میں ہم خوش تھے، بیداری کا اک غم تھا
ہنگام شباب، اپنا کیا خواب کا عالم تھا

مشت پر بلبل نالاں کے جو برباد ہیں سب
ہاتھ پر ہاتھ دھرے سوچ میں صیاد ہیں سب

ستا نہ ہم کو دم نزع اے تصور یار
چلے ہیں ہوکے ہم اپنے دیار کو رخصت

نہیں "ہوس"! وقت جوش مستی، قد خمیدہ سے کچھ حیا کر
بتوں کا بندہ رہے گا کب تک؟ خدا خدا کر؟ خدا خدا کر
کہاں کی نیند آگئی الٰہی مسافران رہ عدم کو
کچھ ایسے سوے کہ پھر نہ چونکے تھکے ہم ان کو جگا جگا کر

طفلی کو یاد کرلے! جنازے کو دیکھ لے
آغاز بھی ہے دوش پر، انجام دوش پر

ہمارے شہر میں ہے عام راہ و رسم خود داری
نہ ہویاں جذب مقناطیس، دست انداز آہن پر
زمین مزرع الفت، بہار ستان آتش ہے
یہاں پروانہ کرتا ہے شرر کا کام خرمن پر

دیدنی ہے حسن اس بت کا کہ کیا کیا صنعتیں
خرچ کی ہیں صانع قدرت نے اس تصویر پر

کوڑا جو اس پہ، موج نسیم سحر کا ہے
جاتا ہے مثل آب رواں توسن بہار

ہر ساعت و ہر لحظہ فزوں ہے الم عشق
ہم سے تو اٹھائے نہیں جاتے ستم عشق

کس سوختہ کي خاک سے اٹھا ہے بگولا
اک شعلہ جوالہ ہے پہونچا پس محمل

یہي کہتي تھی لیلی سوختہ جاں، نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
قم قیس سوا مجھے غم نہیں کچھ، اُسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم

دل نے کی ہے مشق ضبط آہ و زاری ان دنوں
طایر بے آشیاں ہے بیقراري ان دنوں

ناز پروردہ چمن تھے، اب اسیر دام ہیں
کچھ تو اے صیاد کر خاطر ہماری ان دنوں

وصل کا دن ہے، ولے آنکھوں کے میری سامنے
ہے کھڑے شب‌ہائے ہجراں کی سیاہی کیا کروں
ٹکڑے ٹکڑے دل ہوا جاتا ہے پہلو میں "ہوس"
ذبح کرتی ہے بتوں کی کم نگاہی کیا کروں

ہے جو نالاں ہم صفیران چمن کی یاد میں
اک مزا ہے عندلیب زار کی فریاد میں

لے گئی ہے دور از خود رفتگی اُن سے ہمیں
مدتیں گذریں کہ اب ہم آپ میں آتے نہیں
اس کے جاتے ہی ہوا ہے مضطرب کیسا "ہوس"
ہجر بھی ہوتا ہے لیکن اتنا گھبراتے نہیں

سوا غم کے نہ کچھ دیکھا، بہ جز حسرت نہ کچھ پایا
عدم سے ساتھ اپنے ہم عجب تقدیر لائے ہیں
ہمیں پرسش سے تھا کیا کام؟ ہیں ہم لوگ دیوانے
صف محشر میں ہم کو یار بے تقصیر لائے ہیں

خواہ وہ قید رکھیں خواہ وہ آزاد کریں
ہم کو طاقت نہ رہی اتنی کہ فریاد کریں

گل سے کہہ جاکے اسیروں کی طرف سے یہ صبا
قید سے چھوٹیں تو پھر ہم چمن آباد کریں

نام لینے سے ترے ہم کو حیا آتی ہے
رو بہ رو کس کے ؟ ترا شکوہ بیداد کریں

گر کوئی مانع نہ ہو واں سجدہ کرنے کا مجھے
آستان یار پر برسوں جبیں سائی کروں

محمل نشین ناز کو مطلق خبر نہیں
کس کس کی خاک ہوتی ہے پامال کارواں ؟

اے باد صبا ہوئے گی بلبل کو ندامت
لے جا نہ تو خاکستر پروانہ چمن میں

بھرے گلشن سے میں نے پھول کب چن چن کے داماں میں
یہاں تو عمر بھر جھگڑا رہا دست و گریباں میں

بلبل کو ترنم نے گرفتار کیا ہے
ہر تار نفس ہے اسے زنجیر قفس میں

گہہ ہے عفو کی امید ، گاہ قتل کا بیم
کھڑے ہیں تیرے گنہگار دیکھئے کیا ہو

نہ آشنا ہیں موافق، نہ دوست ہیں غم‌خوار
فلک ہے درپے آزار دیکھئے کیا ہو

لطف شب وصل اے دل! اس دم مجھے حاصل ہو
اک چاند بغل میں ہو، اک چاند مقابل ہو

صحرا میں جنوں کے مجھے نخچیر بناؤ
دل کو مرے، اس کا ہدف تیر بناؤ
اے ملعمو کیا قصر و محل کرتے ہو، تم طرح
ٹوٹے ہوئے دل کی مرے، تعمیر بناؤ

دیکھو نہ پریشانی مری، آئینہ لے کر
آشفتگی زلف پریشاں کو تو دیکھو

میں چراغ سر رہ ہوں نہیں صر صر در کار
قتل کرنے کو ہے بس جنبش داماں مجھ کو

دکھائے رنج پیری کے، اجل تیرے تغافل نے
تجھے آنا تھا پہلے، آہ تو انجام کار آئی
نہ پایا وقت اے زاہد کوئی میں نے عبادت کا
شب ہجراں ہوئی آخر تو صبح انتظار آئی

اللہ رے بد مزاجی! کرتا ہے عاشقوں سے
وہ گفتگو کہ جس میں الفت کی بو نہ آوے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشان شباب باقی ہے

ہوے آج بوڑھے جوانی میں کیا تھے
جب اٹھتے تھے زانو سے ہاتھ آشنا تھے
جہاں کی تو ہر چیز میں اک مزا تھا
نہ سمجھے کہ کس شے کے ہم مبتلا تھے
بلا کر بگاڑا ہمیں کیوں ؟ جہاں میں
یہ سب حرف کیا سہو کلک قضا تھے
خدا جانے دنیا میں کس کو تھی راحت
" ہوس " ہم تو جینے سے اپنے خفا تھے

مرگیا غصے میں حاجت بھی نہ تلوار کی تھی
کیا مری موت بھی مرضی میں مرے یار کی تھی
یاد ایام توانائی و آغاز جنوں
وہ بھی کیا دن تھے کہ طاقت مری رفتار کی تھی

کبھی زلف دن کو جو کھول دی ، تو نمود ہے شب تار کی
جو نقاب شب کو الٹ دیا تو سحر ہے فصل بہار کی

توبۂ مے کا چلے ہیں داغ ہم دل پر لئے
سامنے آئیں نہ حوریں ہاتھ میں ساغر لئے

ہو حکم باغباں ، تو پئے بلبل اسیر
پژ مردہ پھول باغ سے دو چار توڑئیے

نیند بھر کوئی نہ سویا مرے زنداں میں کبھی
صلح اک دم نہ ہوئی دست و گریباں میں کبھی
قیس و فرہاد نہیں ہائے میں کس سے پوچھوں
نیند آتی ہے کسی کو شب ہجراں میں کبھی
باغباں باقی ہے اب بھی کوئی تنکا کہ نہیں
آشیاں ہم نے بنایا تھا گلستاں میں کبھی

رونے میں رات ہجر کی ساری گذر گئی
گذری بری ، پہ یوں ہی ہماری گذر گئی

تم جو غافل رہے الفت کے گرفتاروں سے
سر پٹک مرگئے زنداں کی دیواروں سے
زینت پائے جنوں اس سے زیادہ کیا ہو
آبلے سب گہر سفتہ بنے خاروں سے
داغ دل ، سوز جگر ، کاوش غم ، درد فراق
بیشتر مرتے ہیں عاشق انہیں آزاروں سے

کیا کیا نہ رنج ہم پہ ' ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے
رخصت کے وقت ہم نے "ھوس" آہ تو نہ کی
صدمے ھماری جان پہ ممکن گزر گئے

دامن میں رکھا بھر کر یوں لخت جگر ہم نے
یہ باغ محبت کے پائے ھیں ثمر ہم نے

قفس سے چھوٹنے کی ھے خوشی' پر ساتھ یہ ڈر ھے
ھماري ناتوانی پھر نہ ہم کو دام ھو جاوے

فدوی

مرزا محمد علی نام اور عرف پھجو تھا — شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے ' آخر میں ترک وطن کر کے عظیم آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی — مشہور بزرگ شاہ گھسیٹا کے معتقد اور شاگرد تھے علم موسیقی میں بھی مہارت رکھے تھے —

اشعار میں بندش کی چستی اور زبان کی شیرینی ہے ' محاورہ بندی اور معانی و مضامین کی تلاش میں الفاظ کی چنداں پروا نہیں کرتے ہیں — بعض اشعار میں ترنم خاص طور پر نمایاں ہے -

انتخاب

هم کو تو وفا سے نہیں اے یار ! گزرنا
پر تو بھی جفا سے نہ ستم گار ' گزرنا

تجھ سے ہوتے ہیں درہ مند جدا؟
گو کرے کوئی بند بند جدا

کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا
جو اب آنا اِدھر کا شاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا
یار تیرا کدھر خیال گیا

گلا آپس میں آگے بھی کبھو تھا
تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا ؟

بہ رنگ آئینہ جو آب‌جو تھا
وہ پانی پانی اس کے رو بہ رو تھا

تک اثر ہو زبان میں پیدا
پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے ہم جہان میں پیدا

کیا تسلی کر گیا تھا یار اس دل کو مرے
یہ تو کچھ جاتے ہی اس کے اور گھبرانے لگا

کون اس سے یہ کہے، "کیوں قتل عالم کو کیا"
کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا

دل سے یہ دور رہے آج کی شب ہوگی صبح
شب فرقت ہے خدا جانے کہ کب ہوگی صبح

بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح
ہم سب طرح ترے ہیں، سمجھ تو کسی طرح

مجھ سوختہ دل کو نہ کہہ پیکر طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

ہر طرح ہم اس کے ہیں دل و جان سے "فدوی"
وہ خواہ ہمیں یاد کرے خواہ فراموش

عاشق کی کچھ نہیں ہے دل و جاں سوا بساط
اے دوست امتحان نہ کر اس کی کیا بساط

گیا وہ زمانہ ' ہوا اور عالم
نہ وہ دن' نہ وہ دل' نہ وہ تو' نہ وہ ہم

چشم بد دور ' عجب آنکھیں ہیں
قتل کرتی ہیں غضب آنکھیں ہیں

کچھ خوش آتا نہیں بغیر ترے
زندگانی عذاب ہے تجھ بن

وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا مہر کا عار ہے

گو تجھ کو نہ اعتبار ہووے
کافر ہو جسے قرار ہووے

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی
دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی

ٹک ساتھ ہو حسرت دل مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دزدیدہ نگہ نے تری بندہ کیا مجھ کو
اِس آن کے، اس ڈھب کے، اس انداز کے صدقے

دل ہے ازل سے تختۂ مشق ستم گراں
تقدیر کے لکھے کو کوئی کب مٹا سکے

کس دل جلے کی تیری تئیں بد دعا لگی
اے شمع اب تو آہ ترے سرپہ آ لگی

ملے وہ غیروں سے مہرروش جو، ہمیں کب آتا ہے رشک اس کا
یہ ڈھلتی پھرتی ہے چھاؤں "فدوی" کبھی ادھر ہے کبھی اُدھر ہے

تری ، هم نے تاثیر بس آہ دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

میں دل اور جان حاضر هوں ، پر تو اس کو کیا جانے
مرے دل میں تو یہ کچھہ ہے ترے دل کی خدا جانے
همیں تو عین راحت ہے جو کچھہ تری عنایت ہے
گرفتار جفا هو وے جفا کو جو جفا جانے

مصنف

مرزا حسین علی نام ' جرأت کے شاگرد تھے ' لکھنؤ میں تعلیم اور تربیت پائی تھی ان کی غزلوں میں آورد زیادہ ہے --

---

انتخاب

اپنا تو درد عشق سے بس کام ہو چکا
گر غم یہی ہے تو ہمیں آرام ہو چکا

ناصح تو نصیحت نہ سنا ! میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا ! میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا ' میں نہیں سنتا

بیماریٔ غم سے کوئی جیتا ہے طبیبو !
کیوں مجھ کو بتاتے ہو دوا ' میں نہیں سنتا

کیوں پہلے نہ آنے کی خبر اس کے سنادی
پیغام بر اب کچھ نہ سنا ! میں نہیں سنتا

کیا حرف ؟ یارب ! اس کے دهن سے نکل گیا
سنتے هی جس کے جی مرا، سن سے نکل گیا
چھوڑا قفس سے تب همیں صیاد نے آہ
جب موسم بہار چمن سے نکل گیا
تیرے جلے بلے کو ، رکھیں خاک قبر میں
شعلہ سا ایک تھا سو کفن سے نکل گیا

مت اپنا سنا غم دل افگار کسي کر
مرجائیں گے ورنہ ابھی دو چار تڑپ کر

سیر گل کو وہ بھی آیا تھا ، هوا مجھ کو یقیں
ٹکڑے ٹکڑے باغ میں گل کا گریباں دیکھ کر

آ گیا غش میں وہ افراط نزاکت کے سبب
سخت محجوب هوئے هم تو اسے مار کے پھول

اس سے یہ روٹھنا میرا نہ ستم لائے کہیں
نہ دل اس یار کا اغیار سے مل جا کہیں
نشۂ مے میں ، نہ دیکھ آئینہ لے کر پیارے
غرۂ حسن تجھے اور نہ بھکائے کہیں
ٹکٹکي اس کی طرف اس لئے میں باندھے هوں
کہ دم نزع مری آنکھ نہ پھر جائے کہیں

دم کسی شکل تھرتا نہیں اب اے "محمت"
تھرے جینے کی جو ملنے کی وہ تھہرائے کہیں

کیا اس کی کہوں حالت دشوار ہے اب محمت
خاموش ہے کچھ تیرا بیمار کئی دن سے

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کی
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

ہے انکھڑیوں میں نیند تو اک کام کیجئے
یہ بھی تو گھر ہے آپ کا ' آرام کیجئے
اس زندگی سے کھینچئے "محمت" گر اپنا ہاتھ
پھیلا کے پاؤں ذوق سے آرام کیجئے

مت اٹھا ان کو جو ہیں ظلم اٹھانے والے
جیتے جی وائے ترے ہم نہیں جانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مرگئے گھڑیال بجانے والے

غضنفر

غضنفر علی خاں نام، لکھنؤ کے رہنے والے جرأت کے شاگرد تھے۔ کلام میں صفائی اور روانی ہے - محاورہ بندی کا خیال زیادہ ہے - واردات عشق کے علاوہ دوسرے مضامین بہت کم نظم آتے ہیں -

---

انتخاب

حال کہنے کی بھی اب طاقت نہیں اے ہمدمو!
کیا کہیں؟ کیا حال وہ ظالم ہمارا کر گیا
نام سے جس مرنے والے کے تمھیں اب تک ہے ننگ
سچ تو یہ ہے نام وہ سب میں تمہارا کر گیا

آغاز محبت ہی میں دنیا سے اٹھے ہم
صد شکر اٹھایا نہ کچھ احسان کسی کا

دیکھنے کو ترے بیمار کے لوگ آئے ہیں
ایسے میں آکے ذرا تو بھی نظارا کرنا

شکوا کروں آہ کیا کسی کا — کوئی نہیں آشنا کسی کا
مذکور جو رات تھا کسی کا — کچھ ہوش نہ تھا بجا کسی کا
محتاج کسی کو اے "غضنفر" — ہرگز نہ کرے خدا کسی کا

تا دم زیست نہ اس شوخ کا در چھوڑوں گا
آخر اک روز میں اپنا اسے کر چھوڑوں گا
جب تلک اس کے بھی دو چار نہ آنسو نکلیں
آہ رونا نہ میں اے دیدۂ تر چھوڑوں گا

غالباً مرگ ہی آئی ہے اب اپنی کہ جو آہ
نظر آتا نہیں تصویر سحر کا نقشا

جاتے ہیں وہاں سے گر کہیں ہم
ہر پھر کے پھر آتے ہیں وہیں ہم
صد حیف کہ کنج بیکسی میں
کوئی نہیں اور ہیں ' ہمیں ہم
خاموشی کی مہر ہے دہن پر
ہیں حلقۂ غم میں جوں نگیں ہم
آیا نہ وہ شوخ اور گئے آہ
حسرت ہی بھرے تہ زمیں ہم
تکتے رہے جانب در اے واۓ
مر مر کے بوقت واپسیں ہم

قسمت میں تو ہجر ہے "غضنفر"
اب وہ ہے تو آپ میں نہیں ہم

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے اب اپنا آزار
ہیں تو چنگے بھلے، پر لگتے ہیں بیزار سے ہم

بے توقع ہوئے از بسکہ ہر اک بات سے ہم
دستبردار ہیں اب سب کی ملاقات سے ہم
اب تو ہم بیٹھے ہیں خاموش "غضنفر" گویا
آشنا تھے ہی نہیں حرف و حکایات سے ہم

تصور میں ہو اس سے دو بدو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے تھے بس ہو بہ ہو ہم

نہ کاٹے کٹیں اور نہ مارے مریں
تمہیں پر یہ عاشق تمہارے مریں
مریضوں کا تیرے ہے چارہ یہی
چھٹیں دکھ سے گر، یہ بچارے مریں

میں نے مانا تو مجھ سے کام نہ رکھ
پر مجھے عاشقوں میں نام نہ رکھ
قاصد جو کہا ہو اس نے، کہدے
اس کا باقی کوئی پیام نہ رکھ

سونا فراق یار میں خواب و خیال ہے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ہے

میری ایذا کے جو رہتا ہے وہ درپے دن رات
کچھ تو اس کو بھی ستانے سے ہے حاصل میرے

نالہ و شور و فغاں تھا، آہ و زاری رات تھی
کنج تنہائی میں کیا کیا بے قراری رات تھی
بے کلی سے کل نہ تھی کل شام سے لے تا سحر
ایک سی حالت دل مضطر کی ساری رات تھی
فکر دنیا و غم دیں دونوں بھولے تھے اُسے
اک فقط دل کو تمہاری یادگاری رات تھی
تار رونے کا نہ ٹوٹا جب تلک ٹوٹا نہ دم
شدت غم سے یہ حالت مجھ پہ طاری رات تھی
تیرے آنے کی توقع تھی جو دل کو بعد مرگ
نا امیدی میں عجب امید واری رات تھی

جس میں تری طلب ہو اس جستجو کے صدقے
ہو جس میں ذکر تیرا اس گفتگو کے صدقے

جائیے واں تو کہیں کوچۂ دلبر والے
اس طرف راہ نہیں او دل مضطر والے

جس کے بن دیکھے نہیں زیست کا اسلوب کوئی
بد تو کیا اس کو کہوں، ہے وہ غرض خوب کوئی

مطلوب نہ ہاتھ آئے تو طالب کی ہے خامی
دیکھیں تو بھلا ہم سے وہ کیوں کر نہیں ملتے
بے دید ہیں کیا ملک عدم کے بھی مسافر
جاتے ہیں تو برسوں میں پھر آکر نہیں ملتے

نصرت

نصرت تخلص تھا ، جرأت کے شاگرد تھے - الفاظ ثقیل سے پرہیز کرتے ہیں اُن کی طبیعت کا میلان سلاست اور محاورہ بندی کی طرف معلوم ہوتا ہے -

انتخاب

ہر برگ شجر کو ہے ترے نام کی تسبیح
ہر رنگ میں عالم کو ترے دھیان میں دیکھا
اول تو تجھے کعبہ و بتخانے میں ڈھونڈھا
دیکھا تو پھر آخر دل حیران میں دیکھا

ہوس کسی کو جو دیکھنے کی ہو موج بے انتہائے دریا
تو آکے چشموں کو دیکھے میری کہ یاں سے ہے ابتدائے دریا
درون گرداب اب تو جاکر پھنسی ہے کشتی ہماری یارب
سرشک یاس اب نہیں ہیں آنکھوں سے کیا کہیں ماجرائے دریا

بات وہ حق کے سوا اور نہ کچھ کہتا تھا
کیوں سر دار پہ ناحق سر منصور کیا

بن ترے آئے پریشاں ہیں سبھی سامان عیش
مے کہیں، مطرب کہیں، ساقی کہیں، ساغر کہیں
کارواں عشق سے بچھڑا میں اب جاؤں کدھر
گم صدائے زنگ ہے اور چل بسے رہبر کہیں

ہو صبر کو کیا قرار دل میں   ہے ہم سے خفا وہ یار دل میں

جس کو غم عشق گل‌رخاں ہو   کب اسکو ہوائے بوستاں ہو
وہ دوست جو مہرباں ہو کیا غم   گو دشمن جاں مرا جہاں ہو

طبیبوں نے جو دیکھا نبض کو میری تو یہ بولے
یہ جاوےگا تمہارے جی کے ساتھ آزار دیکھو گے
نہ دوگے شربت دیدار گر بیمار کو اپنے
تو جی دیگا تمہارا طالب دیدار دیکھو گے

لچھمي نرائن ، صاحب و شفیق

لچھمي نرائن نام ، صاحب و شفیق تخلص ، اورنگ آباد دکن کے رهنے والے تھے - ان کے والد لاله منسا رام عرصے تک سلطنت دکن میں صدرالصدور کے پیشکار تھے سنه ۱۸۵۸ ھ میں پیدا ہوئے ، مولوي شیخ عبدالقادر سے کتب درسی پڑھیں ، فن شعر میں علامه میر غلام علي " آزاد " بلگرامی کے شاگرد ہوئے ، پہلے " صاحب " تخلص کیا جب میر محمد مسیح " صاحب " کا شہرہ ہوا تو آزاد کے مشورے سے شفیق تخلص اختیار کیا چنانچه پہلے دیوان میں صاحب اور دوسرے میں شفیق تخلص ملتا هے -

ان کي زبان ان کے دکن همعصروں کے مقابلے میں بہت صاف هے لیکن یه شاعري میں کوئی خاص درجه نہیں رکھتے ان کے بہت سے شعروں کي بنیاد لفاظی پر هے ایسے شعر انتخاب میں نہیں لیے گئے هیں -

انتخاب

شمع پر پروانہ جل کر راکھ ہو
عاشقی کا نام روشن کر گیا

قباحت ہے بڑے فرزے سے آکر پھر کے مت جانا
جھجک کر مسکرا کر دیکھ کر ہلس کر لپٹ جانا

ان وفاؤں کا یہ بدلہ ہے ملا یا قسمت
ہم چلے ، تم کو تو اب کر کے دعا یا قسمت

باغباں ہم کو نہیں واللہ کچھ گل سے غرض
ہیں گے مشتاق صدا ہے شور بلبل سے غرض

کم رکھے جی دل میں اپنے گل رخاں کا اختلاط
جی میں لے چھوڑے گا چٹکی ان بتاں کا اختلاط

بہار آئی جلوں نے سر اٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

جیوں جلا آگ کا، آتش ستی ہوتا ہے بھلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا ہے گا عشق

مرا دل لینے ہی تک آشنا تھا
تری آنکھیں پھرانے کے تصدق

دل الجھتا ہے مرا جیوں جیوں کہ سلجھے ہیں وہ بال
کیا مچے گی دیکھئے کاکل کے کھل جانے میں دھوم

کس طرح بیمار دل کی ہم شفا چاہیں کہ آج
پڑ گئی ہے اس کی آنکھوں سیتی مے خانے میں دھوم

کیا کریں عرض حال تیرے پاس
ہم کو دل نہیں تجھے دماغ نہیں

اب حیات حق میں سخن گو کے ہے سخن
باقی ہے میرے بعد یہی یادگار کچھ

اس طور تھیج گئے ہیں نین کس کی یاد میں
نرگس کو ہے چمن میں مگر انتظار کچھ

مت کوئی روشن کرو تربت پہ مجنوں کے چراغ
روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھہ

کبھو باتیں بنا تم اب و لیکن تمہارا دل کہیں جاتا رہا ہے

ہمیں کنج چمن میں چھوڑ کر صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے یا ناشاد جاتا ہے

اگر وہ شعلہ خو تک پردہ منھہ سے دور کر دیوے
پتنگے جل مریں اور شمع کو بے نور کر دیوے

خاک سے اس کی نرگس اگتی ہے
جو ترا منتظر ہو مرتا ہے

ہر جہت باد صبا سے یہ قدم کا فیض ہے
مرقد بلبل پہ گل جو یوں چراغاں ہو گئے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

چکوریں ماہ کے اور بلبلیں گلزار کے صدقے
کوئی قربان کس کا ہے میں اپنے یار کے صدقے

خدا کسی کو کسی ساتھ آشنا نہ کرے
اگر کرے تو قیامت تلک جدا نہ کرے

کیا ہوا ہے کس طرح کا ابر ہے
جس کو دل چاہے نہ ہو کیا جبر ہے

اختر

محمد صادق خاں نام، بنگال کے رہنے والے تھے مگر ترک وطن کر کے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا، مرزا قتیل کے شاگرد تھے - اردو اور فارسي دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - ان کی شاعری کا اس قدر شہرہ ہوا کہ غازي الدين حيدر فرما نروائے اودھ نے ان کو ملک الشعرا کا خطاب دیا، عالم و فاضل شخص تھے - اختر عالم فاضل نکتہ رس دقیق نظر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے - شعبدہ بازی میں بھي کمال رکھتے تھے -

خیالات کي بلندي، مضامین کا تنوع بندش کي چستي، فارسي ترکیبوں کی دل آویزي اور بیان کي متانت "اختر" کی شاعری کے خصوصیات ہیں -

اختر نے "مصحفي" اور "انشا" سے لے کر "وزیر" اور "صبا" تک کا زمانہ دیکھا تھا - انہوں نے سنہ ۱۸۵۸ع میں انتقال کیا -

اِنتخاب

تھی کرم سے چشم بخشش قہر سے خوف عقاب
دل میں اپنے عمر بھر حشر امید و بیم تھا

اگرچہ روز جاں کاہ اجل بھی تیرہ ہے لیکن
ترقی پر ہے کچھ بخت سیہ شب ہاے ہجراں کا

شب جو اپنا نالہ دل بسکہ سہر آہنگ تھا
زندگی کا عرصہ یاروں پر نہایت تنگ تھا
زندگی میں دیکھتے کیا خاک ہم اس کو یہاں
عمر بھر آئینہ دل پر ہوس کا زنگ تھا

کوثر سے بھی نہ اس کے بجھی سوزالعطش
مشتاق ہے گلو ترے خنجر کی آب کا
رو تیرا درمیاں ہے کروں کیا خموش ہوں
ورنہ میں ایک بند نہ رکھتا نقاب کا

لطف بےحد سے ترے سب دشمن جاں ہوگئے
ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

دل مجھ کو ھائے بے کس و بے چارہ کر گیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا
برسوں میں آیا تھا جو وہ دم بھر کے واسطے
آنکھوں کو وقف حیرت نظارہ کر گیا

پاے بند زینت دنیا دل روشن نہیں
رنگ گل مانع ہوا شبنم کی کب پرواز کا

طمع سے آبرو برباد یوں ھوتی ھے دنیا میں
جلا دیتا ھے جیسے آب گوھر شعلۂ آتش

آئینۂ اندیشہ نمائے دل " اختر "
ھے پیچ و خم حلقۂ گیسو سے ترے داغ

کس چشم کی گردش کا تھا مارا ھوا " اختر "
خاک اس کی بگولے سے جو ھے ھم سفر اب تک

کھینچے لئے جاتا ھے مجھے ساتھ جو اپنے
شاید کشش یار ھے اب راہ بر دل

کشور عشق میں بیکار ھے اعجاز مسیح
لوگ یاں مرگ سے امید شفا رکھتے ھیں

جان دے بیٹھیں تو دیکھے نہ کبھی آنکھ اٹھا
ایسے بے دید سے ہم چشم وفا رکھتے ہیں

خرام یار سے اسودگان خاک اٹھ بیٹھے
یہ چلنا کیا ہے ؟ آشوب قیامت اس کو کہتے ہیں

قتل عاشق سے ہے تیغ یار منھ موڑے ہوئے
کون گردن سے اُتارے آہ بار عاشقاں

خون ناحق کا دکھا دیتے تجھے محشر میں رنگ
پر کریں کیا تیرا فریادی ' کوئی بسمل نہیں
تاب کیا فریاد کی اس کو جفائے یار سے
اس قدر ہے مضمحل سینے میں گویا دل نہیں

آتش گل سے تو بلبل جل گئی گلشن میں آہ
رہ گیا اس سے نشان آشیان سوختہ
عمر جو گذری سو گذری فکر باقی کیجئے
ہے یہ آتش ' یادگار کاروان سوختہ

دوری سے تری' ہر صحرائے رشک گلستاں
آنکھوں میں مری باد صبا شعلہ فشاں ہے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیران قفس
کچھ جو اڑتی سی سنی ہے کہ بہار آئی ہے

لبوں تک آہ کا آنا ہے دشوار — یہ زوروں پر ہے اپنی ناتوانی
کیا ہے امتحاں ہم نے جہاں میں — کہ ہے بے قدر عہد زندگانی

الفت اس کی ہر جگہ میرے لئے تعمیر ہے
جاؤں صحرا کو تو واں بھی خانۂ زنجیر ہے
جو مقدر ہے وہی ہوتا ہے ظاہر، سعی سے
صورت تدبیر یاں در پردۂ تقدیر ہے

ہے رگ جاں تک جو اپنی موج زن، خون جنوں
یہ بہار نشتر مژگاں کا کس کے جوش ہے

عجب ڈھب کی یہ تعمیر خراب آباد ہستی ہے
کہ پستی یاں بلندی ہے، بلندی یاں کی پستی ہے
تردد کیوں تمہیں اے ساکنان ملک ہستی ہے
عدم کی راہ سیدھی ہے بلندی ہے، نہ پستی ہے
وصال اس کا عوض مرنے کے گر ٹھہرے، غنیمت ہے
متاع وصل جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے
حصول جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

سمجھ ہر ایک کو ہشیار ہم آئے تھے یہاں "اختر"
بہ چشم غور جو دیکھا تو متوالوں کی بستی ہے

دوستی کا حال کیا پوچھے ہے اے ناکردہ کار
دیکھ میرا سینہ مالا مال داغ دوستی سے ہے

اُدھر قاصد گیا ہے، اور اِدھر جاتا ہے جی اپنا
جواب نامہ تک کس کو امید زندگانی ہے
نہ پوچھو بے قراری کا مری، راتوں کو اب عالم
دل مضطر ہے، میں ہوں، اس گلی کی پاسبانی ہے

گو زر نہ ہو، پر مایۂ ہمت کی بہ دولت
گنجینۂ ارباب کرم خانۂ دل ہے

شہیدی

کرامت علی نام ' شہیدی تخلص وطن بریلی تھا مگر لکھنؤ میں پرورش پائی - پہلے مصحفی سے اصلاح لی جب ان کا انتقال ہو گیا تو شاہ نصیر سے مشورہ کرنے لگے -

آدمی بذلہ سنج ' اور یارباش اور آزاد تھے ' آزادی وارستگی تک پہونچ گئی تھی -

شہیدی ' سرکار انگریزی کے محکمہ کمسریٹ میں ملازم تھے ' اس خدمت سے کنارہ کش ہونے کے بعد پھر کہیں ملازمت نہیں کی ' وہ ایک بذلہ سنج - یار باش - آزاد منش اور وارستہ مزاج آدمی تھے - دہلی ' اجمیر ' پنجاب ' بھوپال ' گجرات میں ان کے احباب بہت تھے ' وہ اکثر ان شہروں کا دورہ کیا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کے یہاں مہمان رہتے تھے -

" شہیدی " کا دل سراپا درد و عشق تھا - ان کی طبیعت کا میلان عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کی طرف تھا - وہ سچے عاشق رسول تھے ' اس لئے نعت میں جو کچھ کہتے تھے دل کی زبان سے کہتے تھے اور نئی نئی باتیں پیدا کرتے تھے ' ان کی غزل میں سوز و

گداز کی کمی نہیں ہے - زبان صاف و شستہ ہے اور طبیعت دریا کی روانی رکھتی ہے - سنگلاخ زمینوں کو پامال کرکے چھوڑتے ہیں اور مشکل طرحوں میں سہ غزلہ اور چو غزلہ لکھ کر اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دیتے ہیں -

شہیدی نے ۴ صفر سنہ ۱۲۵۹ھ کو مدینہ کے راستے میں انتقال کیا -

انتخاب

تصویر ایک آئینہ انواع مختلف
کس وجہ میں نہ محو رہوں ہر شکیل کا
جھوٹھے پڑیں گے نامۂ اعمال روز حشر
جب عفو عام کام کرے گا وکیل کا

طلوع روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا
ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا
شب و روز اس کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا
عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا
شب معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اُتر آیا
بیاں اُس قلزم معنی کی ہو کیا جزر اور مد کا
اُدھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

تو ارد کے یہ معنی، جب لکھا شعر اس کی مدحت میں
مرے مضموں سے مضموں لڑ گیا ہے نظم قرآں کا

شوق وصال، سینے میں آزار بن گیا
میں خواہش طبیب میں بیمار بن گیا
تیرے خیال نے مرے دل کو کیا فگار
طالع کے انقلاب سے گل، خار بن گیا

ہر گل تف جگر سے مرے، مضمحل ہوا
لے جا کے خلد میں مجھے رضواں خجل ہوا

مجھے عذاب جہنم کہ بت پرست ہوں میں
وہ بت، بہشت میں دعوی جسے خدائی کا

بتوں کا سجدہ مرا سر نوشت میں کب تھا
کہ عزم، کعبہ کے در پر ہو جبہہ سائی کا

دیکھ کر مجھ کو پھڑک جائے نہ صیاد کا دم
چھپچھے کرتا ہوا خود میں تہہ دام آیا
اب نہ سن! گر میں کروں تیرے تغافل کا گلہ
بات کیا صبح کا بھولا ہوا گر شام آیا

قیس! ہوتی کف لیلی ہی میں ناقے کی مہار
گر پری چہرہ مرا رونق محمل ہوتا
سچ ہے ناصح کہ ضرر دل کا ہے خوں رونے میں
خوں نہ روتا مرے سینے میں اگر دل ہوتا

پلٹی صورت سے تجھے عشق نہیں ہے ورنہ
در و دیــوار سے آئینــہ مقــابــل هــوتا

تصور عاشق بے تاب نے دل میں جہاں باندھا
نقاب اس شرمگیں نے اپنے چہرے پر وہاں باندھا

یہ عاصی رہے نار میں یا الٰہی
بہشت بریں میں وہ کافر نہ ہوگا

اب ''شہیدی'' سے تو ہے ضبط جنوں بس دشوار
دامــن یــار هــی چھوٹتا تو گریباں کس کا

سن کے میری مرگ کا آوازہ، وحشت نے کہا
اُٹھ گیا دنیــا سے وارث خــانۂ زنجیــر کا
دیکھ لے جو چاہے میرے صفحۂ دل میں تجھے
فــرط حیرت سے ہوں آئینہ تری تصویر کا
کر کے میں قطع تعلق سب میں دیوانہ بنا
وہ بــڑا عاقل ہے جو بستہ ہوا زنجیر کا

لاؤں گا زباں پــر تری بیداد نہ ہرگز
بے رحم، تجھے خلق میں مشہور کروں کیا

ہو جائے گا چپ، سن کے مرا حرف تمنا
ناداں ہے اسے اور بھی مغرور کروں کیا

عاشقوں میں قابل کشتن نہ تھا میرے سوا
میں ہوا قتل اور کمر سے یار کی خنجر کھلا

کرتے ہو نیم نگہہ پر، مرے دل کا سودا
نہ خریدو یہ ابھی اور بھی ارزاں ہوگا

مرے پہلو سے جاتے ہو یہ کہہ کر دم میں آتا ہوں
تمہارا وعدہ سچ پر یاں بھروسا کس کو ہے دم کا

صنم بہر خدا رکھنے دے اپنا ہاتھ سینے پر
ہمارا زخم دل محتاج ہے ان روزوں مرہم کا

شکر ہے خانۂ زنداں کی شکایت نہ رہی
جاکے صحرا میں بھی دیوانہ ترا تنگ رہا
حیف صیاد نے گن گن کے گرفتار کئے
نہ گلستاں میں کوئی مرغ خوش آہنگ رہا
عار تھا ہر کس و ناکس سے مقابل ہونا
شکر صد شکر مرے آئینے پر زنگ رہا

اغیار کا منھہ تھا مجھے محفل سے اُٹھاتے
سچ یوں ہے تری رنجش بے جا نے اُٹھایا
بیمار محبت کو اب اللہ شفا دے
سنتے ہیں کہ ہاتھہ اُس سے مسیحا نے اُٹھایا

ہجر میں جینے سے مرنا وصل میں مجھہ کو قبول
یہ سخن پروانہ کہہ کر شمع سوزاں پر گرا

دن رہائی کے قریب آئے "شہیدی" شاید
خود بہ خود آج مرا طوق گلو ٹوٹ پڑا

خود بہ خود آتا ہے گریہ ہر گھڑی — عاشقی نے طفل خو ہم کو کیا
اُس کی بے رحمی کا شکوہ ہے عبث — کب کسی نے رو برو ہم کو کیا
اے "شہیدی" شوق وصل یار نے — جسم و جاں سب آرزو ہم کو کیا

بھروسا کس کو تھا فرقت کی شب میں زندگانی کا
ملایا تجھ سے پھر، ممنون ہوں اپنی سخت جانی کا
ذرا کاندھا تو دے لو تم بھی تا عالم میں شہرہ ہو
ہماری جاں فشانی کا، تمہاری قدر دانی کا

آشیاں سے صحن گلشن تک بچھے ہیں لاکھہ دام
کاش ہو موج ہوا زنجیر پائے عندلیب

آئے تھے لے لے کے کوڑے محتسب
بن گئے مستوں کے گھوڑے محتسب
گر ہمارے میکدے میں ہو گذار
خم کے بدلے توبہ توڑے محتسب

چشم ساقی کے ہوئی دور میں یہ عام شراب
قاضی شہر کو ملنے لگی بے دام شراب

وعدہ رویت کا ہے موقوف ترا فردا پر
آہ کچھ چارا نہیں حسرت دیدار سے آج

ہوے عشاق نوازی کے وہ دل سے مصروف
ہائے مقبول ہوئی مری دعا میرے بعد

سیکھ لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز
برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

تونے اے دل! سینۂ پر داغ سے جنبش نہ کی
یار کی محفل میں گل پہونچا گلستاں چھوڑ کر

اس ایک پھول نے روشن کیا ہی گلخن کو
جہان تیرہ کو ہے عشق کے شرار سے فیض

مدت سے رزو ہے ترے پیرھن کی بو
اے کاش ایک صبح کرے وہ صبا غلط

چمن میں سبزۂ بیگانہ میں تھا
مرے اتھتے ھوئی وہ انجمن صاف
کدورت دل کی آتي ہے زباں پر
کہے انساں نہ رنجش میں سخن صاف

مجھ کو تو ہے پسند تجھ کو رقیب
میرے اور تیرے انتخاب میں فرق
سینہ پر سل دھری گئی پس مرگ
نہ ھوا دل کے اضطراب میں فرق
کم ہے میری وفا سے تیری جفا
روز محشر نہ ھو حساب میں فرق

ھمارے عشق کو تو اے جنوں نہ رسوا کر
کہ پیرھن کے سبب سینے کے ھیں پنہاں چاک

ھم نے دیکھا ہے تماشا آمد سیلاب کا
کب کسي کے روکے سے رکتا ہے جب اُتا ہے دل
بے قراري دل کي میں کیوں کر جتاؤں یار کو
سینے پر جب ھاتھ رکھتا ہے تھہر جاتا ہے دل

خواهاں کام جاں ھیں تن آسانیوں میں ہم
تا زندگی رہیں کے پشیمانیوں میں ہم
اس خود نما کا آئینہ خانہ تھا دو جہاں
مرنے کے بعد بھی رھے حیرانیوں میں ہم
دیکھا کبھی نہ خار کی دامن کشی کا لطف
صحرا کی سیر کو گئے عریانیوں میں ہم
آب بقا خضر کو مبارک رھے ہمیں
کافی ھے جام زہر کہ ہیں فانیوں میں ہم
ناخواندگی سے کہتے ھیں نامہ کے میرے حرف
یارب نہ کیوں لکھے گئے پیشانیوں میں ہم

فردوس کی گل گشت کو بھی چلتے ھیں رضواں
دوزخ میں ذرا سیلک لیں یہ دامن ترھم
یارب ھو برا تفرقہ انداز فلک کا
مشتاق ادھر یار ھے بے تاب ادھر ہم

طالع خفتہ مرے کہتے ہیں شور حشر سے
چونک اٹھیں عالم کے مردے پر نہ ہوں بیدار ھم
انتہاے عشق میں ہونا ھے کافر ایک دن
تار تار جیب سے بٹوا رکھیں زنار ھم
گھر ہمارے آج وہ خورشید پیکر آئے گا
دیکھتے ہیں شام میں کچھ صبح کے آثار ھم

مے فروش اپنا سبو اب ہم سے اٹھواتا نہیں
ایک دن غفلت میں کچھ بیٹھے تھے ہیں ہشیار ہم
رو رہے ہیں یہ جو منہہ ڈھانکے سرہانے لاش کے
زندگی میں تھے انہیں کے طالب دیدار ہم

ہم نے آنکھیں موند لیں دنیا کا پردہ کھل گیا
بیٹھے ارباب بصورت جام جسم دیکھا کریں
طرفہ صحبت ہے ' ہماری شکل سے بیزار تم
اپنی یہ خواہش تمہیں ہم دم بہ دم دیکھا کریں

شیخ خلوت میں مریدوں سے کرے جو تلقین
رند چرچا سر بازار کیا کرتے ہیں

ایک ہے حسرت و امید مرے مذہب میں
جب سے طالب ہوں ترا ' کچھ مجھے مطلوب نہیں

انداز ترک عشق عبث رو بروے یار
ناصح ! رفو کتاں کو نہ کر ماہتاب میں

آیا تھا عیادت کے لئے یار کئی دن
میں کیوں نہ رہا اور بھی بیمار کئی دن

کیا ملاحت رخ جاناں میں ہے اللہ اللہ
آگیا جس کے تصور سے مزا آنکھوں میں
سات پردوں میں اگر رہنے سے ہے شوق تجھے
یہ بھی اک منظر پاکیزہ ہے آ آنکھوں میں

جا ہمرہ رقیب نہ سیر چمن کو تو
ظالم نہ تازہ کر مرے داغ کہن کو تو
مجنوں کسی کی چشم کا شاید بندھا ہے دھیان
پھروں سے تک رہا ہے کھڑا کیوں ہرن کو تو
حسرت کشوں کا اور ہی درجہ ہے عشق میں
پرویز آپ سا نہ سمجھ کوہ کن کو تو

جانب مسجد نہیں جاتا ہوں میں بہر نماز
صندل بت خانہ جب تک زیب پیشانی نہ ہو

سرو سے قد پہ اٹھا ہاتھ جو انگڑائی کو
مستزاد اُس نے کیا مصرعہ رعنائی کو

فراق یار میں چنداں نہیں ہوں میں مجبور
ہر آن مرگ مری میرے اختیار میں ہے
پلٹ گیا وہ پری نیم راہ سے سو بار
عجب اثر دل وحشی کے اضطرار میں ہے

صبر کا ناصح نہیں یارا مجھے　　چارہ گری نے تری، مارا مجھے

دل کے جانے کا "شہیدی" حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

نہ رکھ آنکھوں پہ میری، آستیں لطف اے ہمدم
کہ اشک سرخ کے ہمراہ دل کا غم نکلتا ہے
"شہیدی" سے نہیں واقف مگر اتنا تو واقف ہیں
کہ راتوں کو کوئی کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے
جی چاہے گا جسکو اُسے چاہا نہ کریں گے
ہم عشق و ہوس کو کبھی یکجا نہ کریں گے

مرے گھر آکے یوں دامن کشاں وہ گل گذر جاتا
نہ میرا ہاتھ نکلا ضعف کے باعث گریباں سے

یار نے گوش "شہیدی" میں کہا وقت وداع
رو لے دو آنسو فراق جسم و جاں کا وقت ہے

اے دل! نکال اپنے سب ارماں شب وصال
ہنگام صبح تک مجھے مہلت اجل سے ہے

ہم دل افسردوں کي تکليف "شہيدي" ہے عبث
اور کر ديں گے دم سرد سے محفل ٹھنڈي

آکر غم صنم نے يہاں تک کيا ہجوم
پائي نہ ميں نے کعبے ميں فرصت نماز کی

کيا ھي يہ پيرہن کا بوجھ ' مجھ کو ہے لاکھ من کا بوجھ
جاں کو گراں ہے تن کا بوجھ ' جسم کو روح بار ہے

ياد بندے کي اُسے ہے يا نہيں کس کو خبر
ياد اُس کي تو خدا کا شکر ہردم ہے مجھے

قتل کرتا ہے مجھے وہ اپنا عاشق جان کر
ھاتھ سے اسکے گلے پر ميرے ' خنجر کيا چلے

پھينک دي ھاتھ سے احوال قيامت کي کتاب
سن کے واعظ نے بيان شب ہجراں ہم سے

اس پند سے دل ' ناصح دين دار نہ توڑے
بت توڑ نے ميں کعبے کي ديوار نہ توڑے

اور غافل ہوئے سن سن کے ہمارا احوال
ان کو نیند آگئی عشاق کے افسانوں سے
تیرے خرقے نے چھپایا ہے "شہیدی" تجھ کو
یار پہ عیب کو پردہ نہیں عریانوں سے

شکر دیدار صنم کی آرزو دونوں کو ہے
یاں زباں کو آنکھیں، آنکھوں کو زباں درکار ہے
مل چکا صندل جبیں پر درد سر جاتا رہا
اس مسیحا دم کی خاک آستاں درکار ہے

مشام بلبل میں رشک گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے
ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ، نسیم چھو بھی نہیں گئی
"شہیدی" اتنی گماں پرستی کہ نشہ میں بھول بیٹھے ہستی
ہوئی ہے اس مے سے تم کو مستی جو تا گلو بھی نہیں گئی ہے

صوم و صلوۃ سے مجھے دن رات کام ہے
تیرے فراق میں مے و نغمہ حرام ہے

بس تجھی پر ہے نگاہ اپنی پری خانے میں
اس قدر ہوش ابھی ہیں ترے دیوانے میں

رومال معطر ہے محبت کی جو بو سے
یہ ہم نے بسایا ہے "شہیدی" کے لہو سے

(نامہ)

سر دفتر اشتیاق کیشاں　　شیرازہ خاطر پریشاں
تازیست نہ ہو تمھیں کوئی غم　　غم کھانے کو ایک ہم ہیں کیا کم
اپنی ہے یہی دعا خدا سے　　تم خوش رہو ہم موے بلا سے
انجم سے جو شب شمار غم ہے　　دن کو مجھے کاروبار غم ہے
کس سے کہیں آہ حال اپنا　　فرقت میں ہوا وصال اپنا
سوز تپ غم سے ہوں بہ جاں میں　　جلنے میں علم ہوں شمع ساں میں

قطعہ

اک روز وقت پاکے جو کی میں نے اُس سے عرض
آزردہ خاطروں کے ستانے سے فائدہ
بولے کہ واقعی بڑے بیدادگر ہیں ہم
ہم نے کسی کو دل کے لگانے سے فائدہ

امیر

محمد یار خاں نام ، رام پور کے رهنے والے خاندانی نواب اور صاحب جاہ تھے - آبائی جائداد کی آمدنی علاوہ پچاس هزار روپیہ سالانہ نواب شجاع الدولہ کي وراثت سے ان کو ملتا تھا '' امیر '' ذهین ، ذی مروت ، سخی اور عالی حوصلہ امیر تھے ، فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے اردو شاعری کی طرف توجہ کی تھوڑے هی دنوں میں اچھا کہنے لگے ، ''قائم'' اور ''مصحفی'' دونوں سے تلمذ تھا ، ''مصحفی'' سے آخر تک فیض حاصل کرتے رهے - شعرا کا هجوم رهتا تھا - سنہ ۱۷۷۴ع میں وفات پائی -

'' امیر '' کے کلام پر '' مصحفی '' کا رنگ خاص ھے ، غزل میں واردات اور اخلاقیات دونوں اچھے اسلوب سے نظم کرتے هیں -

انتخاب

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا
یارب برا ہو اس دل خانہ خراب کا

جس سر میں ہے جنوں حباب ہوئے
واں زیر کلاہ کچھ نہ نکلا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

کہاں کی عمر؟ کس کی زیست؟ یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا اک نفس کا

داغ دل لے چلے گلی سے تری
چاہئے کچھ نشان کی خاطر

ہے فردا کا یہ وعدہ، کیا قیامت
نہیں عاشق کو ٹھہرے آج ہی کل

کہوں سہل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل موج
جائیں گے کس طرف کو ہیں آئے کہاں سے ہم

ماھیت خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

اپنی ھستي پہ ھیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ھي جس وقت تو پھر نام کہاں

جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ھے سو دل جانے
یہ دل کی بات ھے دلبرا کسی بے دل سے مت کہیو

گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
پیارے کسی کا ھاتھ کسي کي زباں چلے

بھول کر بھی نہ کبھي عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ھے تری یاد مجھے

جوں نقش قدم نام کو ھستی ھے ھماري
اک باد کے جھونکے میں نہ ہم ھیں نہ نشاں ھے

مسرور

شیخ مہر بخش نام ، شیخ "مصحفی" کے شاگرد کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے ، دہلی کی سیاحت بھی کی تھی - بلند مضامین پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق الفاظ نہیں ملتے تغزل کا رنگ اچھا ہے ، مضمون آفرینی میں "مصحفی" کا انداز نمایاں ہے حتی‌الوسع کوئی لفظ بیکار نہیں لاتے ، زبان بھی شستہ ہے ترکیب صاف اور بندش چست ہوتی ہے ، بے ساختگی سے معلوم ہوتا ہے کہ دل چوٹ کھایا ہوا ہے -

انتخاب

گھونگھٹ کا شرم پر ھے حجاب اور دوسرا
پردے میں رخ ھے، رخ پہ نقاب اور دوسرا

تا ٹھہر کی نہ آہ دل نار سا لے کیا
آنا تھا جلد دیر لگائی قضا لے کیا
دست جنوں کے ھاتھ سے "مسرور" دیکھنا
پھاڑے پاؤں اس مرے چاک قبا لے کیا

بزم خوباں سے جو میں رات بصد یاس اٹھا
درد بے ساختہ اک دل کے میرے پاس اٹھا

اس حسن کی داد اس دل دل کھر سے لوں گا
آنکھوں کا مزا میں تری تصویر سے لوں گا

بت خانہ کو اس بت کے جھکی ساری خدائی
اس سال بھلا طوف حرم کون کرے گا

بیٹھے تھے کس خوشی سے سنانے کو حال دل
وہ بھی بیان رات کو سارا نہ ہوسکا

قافلے والوں کی اللہ کرے خیر کہیں
گم ہے کچھ آج کے دن بانگ درا کیا باعث

پہلو سے لے گئے دل دل گیر کھینچ کر
اچھا سلوک تم نے کیا تیر کھینچ کر

تو مجھ سے دشمنی بھی فلک اس قدر نہ کر
کس نے کہا ہے ہجر کی شب کو سحر نہ کر
مرنے کو زندگی تو سمجھ درد عشق میں
"مسرور" اپنی جان کا ہرگز خطر نہ کر

اے دل تو مے عشق کو ہشیاری سے پینا
گر پڑتے ہیں اس بزم میں مے خوار سنبھل کر

فرصت نہیں ہے درد جگر کو تو کیا کریں
مقدور بھی تو اس کی دوا کر چکے ہیں ہم

چمن میں زمزمہ سنجی کروں میں کیسے صبا
قفس میں قید مرے ہم صفیر کتنے ہیں

لگائیں کیوں نہ ہم آنکھوں سے ان کے ہاتھوں کو
جو چلتے دم ترا دامن سنبھال دیتے ہیں

بے اثر نالوں سے کچھ اب تو نکلتا نہیں کام
ہم انہیں کرد رہ بے اثری کرتے ہیں

دن وصل کے، رنج شب غم بھول گئے ہیں
یہ خوش ہیں کہ اپنے تئیں ہم بھول گئے ہیں
جس دن سے گئے اپنی خبر تک نہیں بوجھی
شاید ہمیں یاران عدم بھول گئے ہیں
یا راحت و رنج اب ہے مساوات ہمیں کو
یا آپ ہی کچھ طرز ستم بھول گئے ہیں
کچھ ہوش ٹھکانے ہوں تو لیں نام کسی کا
ہم دے کے کہیں دل کی رقم بھول گئے ہیں

وہ کبھی بھولے سے ہم کو یاد بھی کرتے نہیں
جن کی خاطر ہوش کیا ہم جی گنوائے بیٹھے ہیں

اے جوش اشک وقفہ کوئی دم ضرور ہے
کب تک لگے ان آنکھوں پہ ہم آستیں رہیں

باهیں گلے میں ڈور کے کس طرح ڈال دوں
گر حکم ہو تو آپ کا دامن سنبھال دوں

طلوع ہو کہیں صبح مراد جلد کہ ہم
جگر کو تھامے شب انتظار بیٹھے ہیں

ہر تان پہ دل کو یہ کھینچے نہ کس طرح وہ "مسرور"
اللہ نے بخشی ہے یہ تاثیر گلے میں

بے چین دل کرے ہے مرے تن کو، کیا کروں
اے دوستو! بغل کے میں دشمن کو کیا کروں

سر کو پٹک پٹک شب ہجراں کہوں ہوں میں
خنجر پہ رکھ دوں جاکے میں گردن کو کیا کروں

مل رہیں گے زیست گر باقی ہے پھر اے ہمدمو
اب تو جاتے ہیں، جدھر میرا خدا لے جائے ہے

اے دست جنوں اس کا لگادے تو ٹھکانا
دم تنگ مرا میرے گریباں کے تلے ہے

پڑھتا ہے کھڑا فاتحہ وہ فتنۂ دوراں
محشر کہیں برپا مرے مدفن سے نہ ہوئے

سانولی دیکھ کے صورت کسی متوالے کی
گو مسلمان ہوں بول اٹھتا ہوں جے کالی کی

ٹکڑے ٹکڑے کئے دامن کے تو اے دست جنوں
رحم کر اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئی

تدبیر بس اب اس کی ذرا ہم سے نہ ہوگی
اے درد جگر تیری دوا ہم سے نہ ہوگی

وہ اپنی جاں فشانیاں ساری نہ بھولئے
سب بھولئے پہ یاد ہماری نہ بھولئے

یہ گر کے شمع پہ پروانے رات کہتے تھے
سمجھو اے دل میں کہ ہے گرم انجمن ہم سے

کس کام کي هے بے مئے و معشوق زندگي
افسوس دن شباب کے یوں رائگاں چلے

کهہ دو ا مجنوں سے که پهرتا هے تو کها دل تهامے
ناقہ اٹهتا سا هے ذرا لیلے کا محمل تهامے

عیشی

طالب علی خاں نام، لکھنؤ کے رہنے والے "مصحفی" کے شاگرد تھے فارسی میں 'قتیل" سے اصلاح لیتے تھے - فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے مگر دونوں دیوان نایاب ہیں - بعض اور کتابیں بھی ان کی تصنیف سے تھیں مگر اب نہیں ملتیں- "عیشی" کے کلام میں آورد کا رنگ غالب ہے مگر بیان میں وہ زور اور بندش میں وہ چستی ہے کہ معمولی خیالوں میں رفعت اور بے مزہ باتوں میں لذت پیدا ہو جاتی ہے - فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت ملتی ہیں - کہیں کہیں "مصحفی" کا رنگ جھلک جاتا ہے -

انتخاب

ہے قصور اے ہم نشیں سرتا سر اپنی دید کا
ورنہ ہر ذرے میں تاباں نور ہے خورشید کا

گر حصول مدعا ہو، ورنہ ہو ہم شاد ہیں
وقف برق یاس ہے خرمن یہاں امید کا

باغ فانی کے گلوں پر ہے یہ رنگ دل پذیر
ہوگا کیا عالم بہار گلشن جاوید کا

دل میں آتا ہے نظر وہ جس نے دل پیدا کیا
جلوہ پھیرا ہے جمال اس جام میں جمشید کا

سب کو رقیب کہئے کس کس سے رشک کیجے
خورشید دار اس کا جلوہ کہاں نہ ٹھہرا

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہو کے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا

ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح
مے کشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

رنگ تاثیر بھی نالوں کو وھی دیتا کاش
جس نے سولے میں کیا یہ دل نالاں پیدا

داغ تنھائی سے جلنے کو ھوئے ھم "وحشی"
صورت شمع سر گور غریباں پیدا

کون پا بند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس ننگ جوانی تھا جو زنداں میں نہ تھا

چشم پوشی ھے عبث مجھ سے کہ مانند سر شک
دیکھنا مجھ کو کہ اک جنبش مژگاں میں نہ تھا

"وحشی" اس مے کدے میں کب ھمیں لائی تقدیر
درد بھی جب کہ خم بادہ پرستاں میں نہ تھا

لذتیں چشم تماشا کو ملیں یاں کیا کیا
یاد آوے کا کوئی دل میں گلستاں کیا کیا

اول شام خبر موت نے لی ورنہ ھمیں
رنج کیا جانے دکھاتی شب ھجراں کیا کیا

آمد عشق ھی میں صبر نے رخصت مانگی
اس سے رکھتا تھا توقع دل ناداں کیا کیا

دشمن و دوست سے اُلفت ھے ز بس کام اپنا
محتسب تھامے جو ساقی سے گرے جام اپنا

تنہا نہیں اس جہان کی منزل میں رہ گیا
اور داغ ہم رہان سفر دل میں رہ گیا
"عیشی" مشابہت رخ جاناں سی تھی اسے
پر داغ عارض مہ کامل میں رہ گیا

گلچیں کا دل جلا نہ کبھی اس کے حال پر
تاثیر آہ بلبل نالاں سے دور تھا
دھویا نہ اس کے دامن دل سے غبار کیں
جوش سرشک دیدۂ گریاں سے دور تھا

مزرع امید کی خشکی تھی ہمت کو قبول
آسماں سے پر نہ میں باران رحمت مانگتا
گر دل دیوانہ کی مقبول کرتا حق دعا
میں لٹانے کے لئے گلزار جنت مانگتا

ناکامی قسمت ہمیں تب بزم میں لائی
خالی سر خم کر چکے جب بادہ کشاں بلند
یاں صورت نے دم ہے تن زار میں "عیشی"
زنہار نہ ہوں گے لب فریاد و فغاں بلند

وفاداری مری کب اس جفا کاری کے قابل تھی
ستم گر تونے محبوبوں کا کھویا اعتبار آخر

یہ قسمت دیکھئے صیاد جب آزاد کرنے کو
لگا پر کھولنے میرے ، ہوئی فصل بہار آخر
اسیر دام ہستی کو نہیں طول امل لازم
کہ ہو جاتی ہے پل میں یہ حیات مستعار آخر

نے کبھی روئے نہ پٹکا سر کو کاہے سنگ پر
مفت اپنا خوں ہوا جرم شکست رنگ پر
کیسے مشتاق نوا ہیں گوش ہائے اہل بزم
کیا مصیبت پڑ گئی مرغان خوش آہنگ پر

ہیں زلف تابدار کے ' زندانیوں میں ہم
رہتے ہیں الجھے سخت پریشانیوں میں ہم
خون اس کے ہاتھ میں دم تکبیر ہو گیا
محشر تلک رہیں گے پشیمانیوں میں ہم

تبسم سے نہیں لب آشنا اپنے کبھو برسوں
ہنسے زخم نہاں گاہ ' سو روئے ہیں لہو برسوں
نہ اپنے نے ہمیں پوچھا نہ بیگانے نے وحشت میں
بہ رنگ گل رہا چاک گریباں بے رفو برسوں

یہی وحشت ہو تو اک دن لگا کر آگ گلشن میں
پڑے ہوں گے لپیٹے منہ کسی صحرا کے دامن میں

کرے کیا امتیاز کفر و دیں چشم حقیقت بیں
وہی تسبیح کا رشتہ ہے زنار برہمن میں

سخن اس کے عجائب لطف لکنت میں دکھاتے ہیں
نزاکت سے زباں پر حرف کیا کیا لو کھڑاتے ہیں

فریاد کس کے ہاتھ سے کیجئے کہ جادہ وار
راہ وفا میں ہم ہوئے پامال کارواں

اپنا کیا ذکر نیست و بود کریں　　بے نمودی کی کیا نمود کریں

گریہ نے فرصت نہ دی یار کے دیدار کی
ڈوب گئے لے کے ہم دل کی امنگ آب میں

زیست کی امید کیا رکھوں کہ سینے میں ترے
ایک بھی پیکان بے لذت جگر کھنچتا نہیں
سر گرانی اتنی بیمار محبت سے نہ کر
ایک دو دن سے اب اس کو بیشتر کھنچتا نہیں

رونقیں، آباد یاں، کیا کیا چمن کی یاد ہیں
بوے گل کی طرح ہم گلشن کے خانہ زاد ہیں

بھٹکا کدھر پھرا ، میں کہاں کہاں
افسوس مجھ کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

تا چند سر کو پھوڑئے دیوار باغ سے
رونق چمن کی لے گئی باد خزاں کہاں

مانند سایہ تا فلک اپنا عروج ہے
افتادگی سے پہونچے ہم آخر کہاں کہاں

نالہ سو بے اثر ہے دعا ہے سو نا قبول
کیا جانے آگیا تھا وہ نا مہرباں کہاں

لانا ادھر نہ بوئے گل اے موج باد صبح
میں کم دماغ اور یہ بار گراں کہاں

بے رحم باغبان ہے اور بے وفا بہار
باندھا تھا ہم نے آ کے عبث آشیاں کہاں

جنوں نے پائے وحشت آشنا باہر نکالے ہیں
مرے دامن سے ٹانکو عرصۂ محشر کے دامن کو

گریباں گیر گردوں ہے غبار راہ محرومی
کسی کی خاک سے جھٹکا کسی ظالم نے دامن کو

نہ دیکھا ناز نیتان چمن کا سانحہ " عیشی "
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل گراں گوش و چمن صورت حیرانی ہے
کس گلستاں میں ہمیں حکم غزل خوانی ہے

کف افسوس بہم ملتے ہیں مژگاں، یعنی
آخر اس دید کا انجام پشیمانی ہے
قطع کر رشتۂ احباب تعلق "وحشی"
ترک جمعیت دل بے سر و سامانی ہے

پر خطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے
خضر توفیق ازل وقت مدد گاری ہے
بختیاری ہے جسے ہو مرض عشق نصیب
لاکھ دردوں کی دوا ایک یہ بیماری ہے
نالۂ مرغ چمن سن کے، میں خوں روتا ہوں
بسکہ دل شیفتہ لذت غم خواری ہے
گو ہر اشک ہوں بکتا ہوں کہاں میں "وحشی"
نا مرادی سے مجھے چشم خریداری ہے

نہ پہنچا ساتھ یاران سفر کے ناتوانی سے
میں سر پٹکا کیا اک عمر سنگ سخت جانی سے
مرید مرشد ہمت ہوں میں میری طریقت میں
کفن بھی ساتھ لاتا ننگ ہے دنیائے فانی سے
شراب عشق کا ساغر دیا ہے مجھ کو ساقی نے
نہ اٹھوں گا میں محشر کو بھی اپنی سر گرانی سے

همیں وہ راہ بتلائی ھے خضر عشق نے "هیشي"
نشان رفتگاں پیدا ھے جس میں بے نشانی سے

یہ تصور نے ترے جلوہ گري دکھلائی
کہ مرے اشک میں دیتی ھے پری دکھلائي

صلح کس سے تھی کہ دل وابستہ تھا آرام سے
کس سے اب بگڑی کہ ھر دم عافیت سے جنگ ھے

سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے
یہ بھی ھم نخل محبت کے ثمر دیکھ چکے
دیکھو "هیشي" کہیں بدنام نہ ھو بیٹھ کے یاں
بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

بے اثر نکلیں جو کیں ناصح نے تدبیریں کئي
رات توڑیں تیرے دیوانے نے زنجیریں کئي

وھاں صیاد ظالم سان پر خنجر چڑھاتا ھے
اسیر دام یہاں پا بند اُمید رھائی ھے
بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ھم گلشن میں رھتے ھیں
نہ الفت باغباں سے ھے نہ گل سے آشنائی ھے

اٹھایا اپنا سر بیمار نے کیوں اپنی بالیں سے
مگر شاید کسی کے پاؤں کی آواز آئی ہے

جب سے وہ رشک گلستاں پئے گلگشت آیا
ہر دم اک تازہ خلل رونق گلزار میں ہے

عشق کے رنج یہی ہیں تو ہم
ایک دن جی سے گذر جاویں گے
کم ہوئی بانگ جرس بھی یارب
ہم سے وا ماندہ کدھر جاویں گے
فلک سے ہاتھ اٹھا کر آخر
نام ہم عشق میں کر جاویں گے
لوگ کیا سن کے کہیں گے دم نزع
آپ بالیں سے اگر جاویں گے
تا چمن دوش صبا پر صیاد
پھرے اکھڑے ہوئے پر جاویں گے

چشم کس ترک کی شمشیر لئے پھرتی ہے
کہ قضا حسرت تکبیر لئے پھرتی ہے
کوئی اس فصل میں دیوانہ ہوا ہے شاید
کہ ہوا ہاتھ میں زنجیر لئے پھرتی ہے

بوئے گل ھوں میری عریانی کے درپے کیوں ھے چرخ
آپ کب رھنا مجھے منظور پیراھن میں ھے
ایک مجسم ناتوانی ھے یہاں سرتا قدم
لوگ کہتے ھیں ، تن رنجور پیراھن میں ھے

تجھ کو اے رنج گراں‌جانی ! خدا غارت کرے
عاقبت ھم بار دل ھائے عزیزاں ھو گئے
استخواں ھی کچھ فقط یاں خنجر پہلو نہیں
خوں کے قطرے بھی رگوں میں میری پیکاں ھوگئے

کبھی صیاد چھیڑے ، ھاتھ گاھے باغباں ڈالے
چمن میں کیا سمجھ کر کوئی طرح آشیاں ڈالے
بنا کر مجھ کو سر سے تا قدم ایک ضعف کا پتلا
قضا نے دوش پر کیا کیا مرے بار گراں ڈالے
وفاداری وہ دکھلاؤں کہ خود کھینچے پشیمانی
خدا سے چاھتا ھوں تو بنائے امتحاں ڈالے
ھجوم ناتوانی کم نہیں تسخیر " عیشی " کو
کوئی کیوں پاؤں میں ایسے کے زنجیر گراں ڈالے

کاش اے رخنۂ دیوار چمن تیری طرح
دور سے ھم بھی تماشائے گلستاں کرتے
دی اجل نے نہ اماں ورنہ دکھاتے وہ وفا
کہ تجھے تیری جفاؤں سے پشیماں کرتے

هر گام' پائے سعی میں سو خار توڑئے
سر رشتہ جستجو کا نہ زنہار توڑئے

هر جام' رشک ساغر جمشید ہے ہمیں
آباد ساقیا! تری بزم طرب رہے

جلا دے طور او سوز نہانی
اوٹھائے کون ناز لن ترانی
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی
شراب صاف کا دے جام ساقی
مکدر ہے ز لال زندگانی
نہ پھری میں سدا اے محملت عشق
اوٹھاتی تھی ترے صدمے جوانی
کہا خاک در مے خانہ مجھ کو
جز اک اللہ دور آسمانی
شب غم میں مواجل جل کے "وحشی"
سدا ہے شمع محفل کی زبانی

هستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

غافل

منور خاں نام، فقیر محمد خاں گویا کے دوست، لکھنؤ کے رہنے والے - مصحفی کے شاگرد تھے - "غافل" ایک خوش گو شاعر ہیں ان کا کلام حشو و زوائد سے پاک ہے - ان کی زبان میں شیرینی اور طرز ادا میں دل‌نشینی ہے، ان کی شاعری درد سے خالی نہیں ہے مگر انبساطی کیفیت نمایاں ہے - ان کی بعض غزلیں عوام تک میں مشہور ہیں -

---

انتخاب

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

دوستی کا بھی تجھے پاس نہ آیا، ہے ہے
تونے دشمن سے کیا میرا گلا، میرے بعد

گرم بازاری الفت ہے مجھی سے ورنہ
کوئی لینے کا نہیں نام وفا، میرے بعد

منھ پہ لے دامن گل روئیں گے مرغان چمن
باغ میں خاک اڑائے گی صبا میرے بعد

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

تجھ کو اے بلبل مبارک ہو یہ سامان بہار
دم کے دم مثل صبا ہیں ہم تو مہمان بہار
آب و رنگ گل ہمارے گریۂ خونیں سے ہے
دیدۂ پر خوں ہے اپنا ، مہر سامان بہار

آتش جو ہمارے تن پر داغ کی بھڑ کی
دامن سے بجھائی تو گریباں میں لگی آگ

جلوہ برق کم نما ہیں ہم
ہے جو ہستی یہی تو کیا ہیں ہم
وصل میں بھی نہیں مجال سخن
اس رسائی پہ نارسا ہیں ہم
چتونوں میں وہ شوخ کہتا ہے
قہر ہیں، فتنہ ہیں ، بلا ہیں ہم
خوف محشر ہے کیا ہمیں "غافل"
پیرو آل مصطفی ہیں ہم

صدمۂ ہجر مری جان، اٹھانے کی نہیں
تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی
پیرہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

مبتلا رنج مکافات میں فرزانے ہیں
پرسش حشر سے فارغ ہیں، جو دیوانے ہیں

شب فراق میں بہلائیں کس سے دل اپنا
نہ ہم دموں میں کوئی ہے نہ ہم نشینوں میں
جہاں جہاں عرق افشاں وہ ماہ رو گذرا
چمک رہے ہیں ستارے سے اُن زمینوں میں

اللہ رے شرم حسن کہ مجنوں کو دیکھ کر
چھپ چھپ گیا ہے ناقہ لیلی غبار میں

تر اشک خوں سے گوشۂ داماں ہے ان دنوں
کیا آب و رنگ پر یہ گلستاں ہے ان دنوں
باہر ہیں اپنے جامے سے دیوانگان عشق
از بسکہ جوش فصل بہاراں ہے ان دنوں
بیدار بخت ہمسا زمانے میں کون ہے
بالین خواب ز انوے جاناں ہی ان دنوں

نگاہ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
کسی کی کچھ نہیں چلتی ہی جب تقدیر پھرتی ہے
تری تلوار کا منھ ہم سے پھر جائے تو پھر جائے
ہماری آنکھ کب قاتل نہ شمشیر پھرتی ہے

کبھی تو کھینچ لائے گی اُسے گور غریباں تک
که مدت سے ہماری خاک دامن گیر پھرتی ہے
مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
زلیخا ہر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے

چمن کوچۂ جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے
صبح کس طرح سے ہوگی شب دیجور فراق
نہ تو نیند آتی ہے مجھ کو نہ قضا آتی ہے

دورنگی ذرا باغ دنیا کی دیکھو
جو روتی ہے شبنم تو ہنستی کلی ہے
کہیں آنسوؤں سے نہ دھو ڈالیں آنکھیں
ابھی خاک اُس در کی منھ سے ملی ہے

مے خوردہ جو وہ نرگس شہلا نظر آئے
تو صبح گلستاں کا تماشا نظر آئے
اُٹھ جائے جو غفلت کا در چشم سے پردا
اس آئینہ دل ہی میں کیا کیا نظر آئے

مانع سیر عدم تار نفس ہیں اپنے
کٹتی زنجیر تو ہم قصد بیاباں کرتے

هم نے جو دل میں ٹھانی تھی وہ بات کر گئے
نـام فـراق سـنتے هـي جـی سے گذر گئے
کب اُن سبک رووں کا نشان قدم ملے
جو اس چمن سے مثل نسیم سحر گئے
"فافل" پہ مہرباں نہ ھوا وہ شباب میں
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

مخمور

محمد جعفر نام ، لکھنؤ کے رہنے والے ، مصحفی کے شاگرد تھے ۔ ان کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی ان کی زبان کی صفائی اور روانی ہے ۔ ان کے یہاں ایسے الفاظ بہت کم ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہوگئے ۔

انتخاب

یہ بے قراری ہوئی شب کہ کوئے جاناں میں
ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا

وہ لب میگوں جو یاد آئے مجھے " مخمور " رات
میں لب ساغر سے لب اپنا ملا کر رہ گیا

آیا در چلمن مجھ کو نظر حسن روئے یار
عینک کا کام روزن دیوار نے کیا

سوجھتا ہی نہیں کچھ تیرے تصور سے مجھے
ایک سا حال ہے بے ہوشی و ہشیاری کا

کیا لخت جگر پارۂ آتش ہے خدا یا
آنکھوں سے نکلتی ہے جو مژگاں میں لگی آگ

ترے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم
اسیر تازہ ہوں طرز فغاں نہیں معلوم
کیا ہے شرم محبت نے ایسا پوشیدہ
کہ مجھ کو بھی مرا راز نہاں نہیں معلوم

سحر شمع شبستاں ہوں میں
شام پروانۂ سوزاں ہوں میں
دیکھ اے گل مرے داغوں کی بہار
اک تماشائے گلستاں ہوں میں

یاروں سے میں گو جدا رہا ہوں پر دل سے تو آشنا رہا ہوں
گلشن اک مدرسہ ہے میرا بلبل کو سبق پڑھا رہا ہوں

فکر یاروں کو مرے جیب سلانے کی نہیں
اور یہ کیا ہے جو تاثیر زمانے کی نہیں

خدا کے فضل و کرم پر نگاہ کرتے ہیں
گناہ گار ہیں، لاکھوں گناہ کرتے ہیں

چشمک تھی غضب، سحر نگہہ، قہر اشارا
کافر تری ہر ایک ادا لے گئی جی کو

آمد آمد ہے بہاراں کی جنوں کا جوش ہے
پھاندئے دیوار گلشن توڑئے زنجیر کو

مال دنیا چھوڑ جائیں گے جہاں میں بادشاہ
قبر میں بھی فقر کی دولت گدا کے ساتھہ ہے

انگور کے سایہ تلے میں مست رہا بیٹھہ
شاید کوئی دانہ مری تقدیر سے ٹپکے

جان جاتی ہے شب ہجر، نہ یار آتا ہے
نہ تو موت آتی ہے، نہ دل کو قرار آتا ہے
کیا چلی جاتی ہے ناقے کو بڑھائے لیلےٰ!
پیچھے پیچھے ترے مجنوں کا غبار آتا ہے

اِس ہستی موہوم پہ کیا ناز کریں ہم
ہے ایک کف خاک سے بنیاد ہماری

غم ہو تو امید رکھ خوشی کی
رونا بھی دلیل ہے ہنسی کی
ہر ایک نفس کی آمد و شد
دیتی ہے خبر روا روی کی

چاہئے اتنا ہو استغنا گدا کے واسطے
ہاتھ بھی اپنے نہ پھیلائے دعا کے واسطے

قید خانہ ہوگا مےخانہ فراق یار میں
موج مے میرے لئے زنجیر پا ہو جائے گی

طیاری ہو مینا و مئے و جام کی "مخمور"
ایام قریب آئے ہیں توبہ شکنی کے

تنہا

شیخ محمد عیسیٰ نام، دہلی کے رہنے والے تھے، مگر دہلی کی سکونت چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ ان کا خاندان شرافت اور نجابت میں مشہور تھا۔

"تنہا"، "مصحفی" کے نہایت عزیز و رشید شاگرد تھے۔ وہ بذلہ سنج، خلیق اور سلیم الطبع شخص تھے۔

غزل میں گداز ہے لیکن زبان "مصحفی" سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے وہی تک وہی دوانا "میر تقی" اور مرزا سودا کی زبان ہے تاہم سادگی میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔

سنہ ۱۲۲۲ھ میں ڈاکوؤں نے مار ڈالا۔ غزلوں کے علاوہ مثنوی مخمس اور رباعیاں بھی لکھی ہیں، لیکن وہ قابل ذکر نہیں۔

غزلوں کی تعداد بھی ۵۸ سے زیادہ نہیں۔

انتخاب

گو قافلے سے یارو " تنہا " رہا ہے پیچھے
دن تو ابھی بہت ہے، کیا ڈر ہے جا ملے گا ؟

ہووے گا کوئي لطف و عنایت کا دوانا
" تنہا " ہے فقط آپ کي صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں تک دامن کو اتھا، ہے یہ بھي کوئی چلنے کی ادا
خاک اس کي تو یوں برباد نہ دے، جو راہ میں تیری خاک ہوا

بازار دہر میں ہوں میں وہ جنس نا قبول
جس کو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں
افسوس کي جگہ ہے یہ " تنہا " کہ چھٹ گیا
ہاتھ اس کا آکے میرے کئي بار ہاتھ میں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے " تنہا "
ہم کوئي اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

خانہ آباد' چھوڑ تیری گلی ہم کس اجڑے ہوئے نگر جاویں

چشم تر گور غریباں پہ نہ کی
ابر رحمت اِسے کیا کہتے ہیں

ساقی نے دیا تھا جو' معلوم نہیں مجھ کو
جام مے گل‌گوں تھا' یا دام گرفتاری

میں جو روتھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
کبھی کیا کرتے ؟ جو تم کو نہ مناتا کوئی

گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد' تیرے ہاتھ سے
وہ نہ کر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے

پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری لے گیا
جب ہوئے صیاد ! ہم آزاد تیرے ہاتھ سے

ہے جی میں اس کے کاکل پر خم کو دیکھئے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

لے کے ہر دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی
نا توانی بھي ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئي
رو بہ و غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تري

جوشش

شیخ محمد روشن نام ' جسونت راے ناگر کی اولاد میں تھے - علم عروض میں کافی دخل تھا کہتے ہیں کہ خواجہ "میر درد" کے پیرو تھے ' لیکن ان کا کلام " درد " کی خصوصیات سے خالی ہے بہرحال اپنے رنگ میں اچھا کہتے ہیں ان کے کلام میں خاص طرح کی چاشنی ضرور ہے -

انتخاب

جی سیر میں گلزار کی' تن کنج قفس میں
یہ صید گرفتار اِدھر کا نہ اُدھر کا

سر اُس کی تیغ سے جب تک جدا نہ ہو وے گا
کسی طرح سے حق اُسکا ادا نہ ہو وے گا
دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط " جوشش "
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہو وے گا

" جوشں " مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُس کی آنکھوں کو دیکھیں اے " جوشں "
منھ تو دیکھو شراب خواروں کا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا
جیسا کہ دل پہ زخم ہے اُس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب و رنگ کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں' دیوانہ تھا
اُس کو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مرجا نا تھا

کل بزم میں سب پر نگہہ لطف و کرم تھی
اِک میری طرف تونے ستم گار نہ دیکھا
جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں " جوشں "
ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

نگاہ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے
سلام اُس نے ہمارا لیا لیا نہ لیا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر، نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھئے ہم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کی پیاسی ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہیں ہم

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جب تک بہ رنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑئے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رو بہ رو ہے

کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے
اُس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانا مجھے

ویدان

دیا کرشن نام ' شاہ آباد کے رہنے والے تھے ' مگر ایک مدت تک لکھنؤ میں قیام رہا -

عام طور پر مصحفی کے شاگرد مشہور ہیں' مولف خمخانۂ جاوید نے " موجی " شاگرد " مصحفی " کا شاگرد لکھا ہے -

واجد علی شاہ کے زمانے میں راجہ الفت رائے کے بخشی تھے نازک مزاج ' اور وضعدار تھے ' علمی استعداد معقول تھی غزل میں اخلاقی مضامین کا عنصر غالب ہے ' روانی اور صفائی بھی ہے ' لفظی پابندیوں سے دامن بچاتے ہیں -

سنہ ۱۸۸۵ع میں وفات پائی -

اِنتخاب

تہمت ہے تیغ تیز پہ، خنجر پہ اتہام
قاتل! میں کشتہ ہوں تری ترچھی نگاہ کا

بے خیال بندگی، باب عنایت کھل گیا
راہ میں میں نے رجوع قلب جب ادھر کیا

عقدہ کھلتا ہی نہیں تقدیر کا
گھس گیا ناخن مری تدبیر کا
نوک مژگاں کی خطا اس میں نہیں
خود بنا عاشق نشانہ تیر

جب دیا حور نے مجھ رند کو جام کوثر
رشک زاہد کو ہوا میری گنہ گاری کا

اے سرو کر نہ یار کے قامت کا سامنا
قامت کا سامنا ہے، قیامت کا سامنا

نہ کچھ جینے کی راحت ہے نہ کچھ مرنے کا ہے کھٹکا
علاقہ اُٹھ گیا دونوں سے جب سے دل کہیں اٹکا

آنکھوں میں سمایا جو ترے گھر کا تصور
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

فرہاد تیری ہمت عالی کو آفریں
جی کھو کے عاشقی کا تماشا دکھا دیا

جائے جو چاہے سوئے دیر و حرم
ہم تو بیٹھے ہیں در دلدار پر

دیکھیں تو وہ موزوں ہے کہ بوٹا سا یہ قامت
ہو جاؤ کھڑے سرو گلستاں کے برابر

دشمن کسی کا ہوکے کوئی کیا بنائے گا
انساں کا اختیار نہیں اپنی جان پر

کیا کہوں بھول گیا ورنہ خدا سے کہتا
مجھ کو دیوانہ نہ کر اس کو پریزاد نہ کر

رند و زاهد کي لڑائی کو نہ جانے کم کوئي
خون کي ندي بہے گی خلد میں کوثر کے پاس

اور جینے کي آرزو کیا ہو ؟ کیا بنایا اگر جئے اب تک

مرے بس میں کبھی اے دلربا اپنا نہ آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کرلیتے ہیں قابو میں پرایا دل

سچ ہے کہ نر زبان حقیقت، مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نہ ہو راہ پر صنم

زندگی کس طرح اے " ریحاں " کٹے
عاشقي سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

آنکھوں پر اختیار ہے، اچھا نہ روؤں گا
کچھ، آپ میرے دل کو بھي سمجھاتے جاتے ہیں ؟

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں ہم بھي کیا میٹھي بات کہتے ہیں

یہ بھی اسی کی اے بت بے رحم شان ہے
بندہ خدا کا ہوکے میں سجدہ ترا کروں

سوال کرتے نہیں ، گو زبان رکھتے ہیں
گداے عشق بھی کیا آن بان رکھتے ہیں

سنا ہم نے کانوں سے عنقا کا نام
وفا دار ، آنکھوں سے دیکھا نہیں

کیا مرض ہے درد دل، جس کی دوا ہوتی نہیں
جب تلک مرتا نہیں کوئی شفا ہوتی نہیں

محبت کا لطف اے دل آپس میں تب عیاں ہو
معشوق قدرداں ہو ، عاشق مزاج داں ہو

کہئے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میری
آپ بھی جاتے ہو ، دل کو بھی لئے جاتے ہو

جال میں تو پھانستے آیا ہے مجھ دل گیر کو
کیا سنوں ? ناصح ! تری الجھی ہوئی تقریر کو

مجنوں کے آب رشک سے تر ہے تمام دشت
پھیلے نہ پاؤں ناقے کا، اے ساربان دیکھ !

دل رنجیدہ کہتا ہے نہ بولوں یار سے لیکن
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آ ہی جاتی ہے

پیام وصل دلبر لے کے جب قاصد پھرا میرا
پلٹ کر لب سے پھر سینے میں جان بے قرار آئی

اک جان پر ہزار طرح کی بنی رہی
تھوڑی سی زندگی میں مصیبت بڑی سہی

بسمل

سید جبار علی نام، نواح چنار ضلع مرزاپور کے باشندے تھے بنارس اور عظیم آباد میں بھی قیام کیا تھا -

مہاراجہ اجیت سنگھہ راجہ بنارس کے مصاحب تھے، آزاد وضع، اور سخن فہم تھے - سنہ ۱۱۹۶ھ کے بعد تک زندہ رہے - بیشتر اشعار بے نمک ہیں لیکن جو گداز کے سانچے میں ڈھلے ہیں وہ درد کی تصویر معلوم ہوتے ہیں - اس میں اورد کی رنگ آمیزی زیادہ ہے —

ذیل میں بسمل کے چند منتخب اشعار تذکرہ گلشن ہند سے نقل کئے جاتے ہیں -

نامۂ درد و الم میں نے جب آغاز کیا
جو ترے غم کے سوا تھا، نظرانداز کیا

انا بھی داغ عشق سے معمور ہوگیا
سینہ تمام، خانہ زنبور ہوگیا

یار! تیری ہی زلف میں دیکھا
ایک زنجیر، لاکھہ دیوانہ

کیا خیال آوے بلاؤں سے اسے پرہیز کا
ہے جو بیمار اس تری چشم بلا انگیز کا

جب غمزہ، چشم یار، دیکھا
سو تیر جگر، کے پار دیکھا

یاد آگئي مشت خاک اپنی
اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا

دل خس و خاشاک کي صورت اٹکتا هي رہا
گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا هي رہا
جستجو میں یار کي گم کردہ راہوں کي طرح
میں کبھي ایدھر کبھي ادھر بھٹکتا ہی رہا

خط ترا نام خدا خط ہے ادا و ناز کا
دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اس آغاز کا ؟

دل میں بہ رنگ موج تمہارے وصال کا
بڑہ بڑہ کے اشتیاق کئی بار گھٹ گیا

هر دم مجھے نیاز اسے ناز ہي رہا
انجام کار عشق کا آغاز هي رہا
صیاد فایدہ ہے رہائی سے کیا مجھے
اڑنے سے جب مرا پَرِ پرواز هي رہا

یہ داغ عشق مثل نئے نے نواز کے
نکلے ہے بند بند سے اب پھوٹ پھوٹ کر

پہلو میں رکھوں میں دل ناشاد کہاں تک
اے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک

زمانے سے نرالے هیں جگر افگار کہتا هوں
کہ لوگ ابرو جسے کہتے هیں میں تروار کہتا هوں

جزیاد حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گرہ
دے سبحہ وار منھہ پہ اگر اپنے تو گرہ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی

دردوالم سے منزلت دل ہے بس بلند
یعني مکین سے ہے بزرگی مکان کی

کوے بتاں تلک تو رسائي محال ہے
جب تک یہ مشت خاک نہ برباد کیجئے

پیارے ! یہ وضع چشم مروت سے دور ہے
دل لے کے اس طرح بہي نہ آنکھیں چرائیے

روبرو تیرے ہي گر ظالم نہ یہ دل کیجئے
پھر اس آئینہ کو جا کس کے مقابل کیجئے

اُٹھتا ہے وہ غبار ہمارے مزار سے
ٹکر لیا کرے ہے جو نت کوہسار سے

آوارگي سے آہ رکھوں باز کس طرح
دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے

پیش آئي ہمارے وہ ' جو کچھہ کہ تھي پیش آني
اب یہ درد دولت ہے اور اپني یہ پیشاني

تیري هی یاد ، ذکر تراهي هر آن هے
گویا اِسی لئے مرے منهه مین زبان هے

عهدوپیمان بتاں بس که بهسالوسی هے
ایک اُمید تو سو باعث مایوسي هے

آئے جلد که یه بسمل مجروح هنوز
هر لب زخم سے مشتاق قدم بوسي هے

صحت نامه جواهر سخن جلد دوم

صفحه سطر	غلط	صحیح
ا-۱۱	شعر	شعرا
و-۸	شعروں	شاعروں
م-۱۰	شفارش	سفارش
ن-۹	افتار	رفتار
س-۱۳	حسن	چسں
ق-۷	لالهه	لاکهه
ر-۱۴	ابیات غزل میں تاثیر	ابیات و غزل میں حسن تاثیر
ر-۱۷	هے	وهي
ش-۵	دقت	واسوخت
۱۰-۷	تهي قسمت	محبت
۱۳-۲۶	مذکور	مرکوز
۳-۳۰	خوشبو	خوشبو کا
۱۰-۳۵	یه	په
۱۸-۳۵	کی	کے
۱-۳۶	تب	جب
۱۳-۴۰	نچهوڑا	نه چهوڑا
۱۵-۴۲	حق	عشق
۱.۴۴	برتن	برق
۱۲-۵۰	چشم	خشم
۷-۵۸	کها	گها
۷-۵۸	بدراه	دلخواه
۱۴-۶۷	هے هے	کے هے
۱۶-۷۰	جهکا دوں گا	جهکاؤں گا
۲-۷۳	تلک	تک
۱۵-۸۲	جفا	خفا
۱۱-۸۵	چا	چار
۳-۹۰	هے معلوم نهیں	سب کچهه هے معلوم همیں
۱۳-۹۵	س	اُس
۱۱-۱۰۵	هوا	موا
۳-۱۰۸	سفیر	سفر
۹-۱۳۲	باغ صحرا	باغ و صحرا
۱۰-۱۳۲	صحرا	سودا
۴-۱۴۴	یه ناز	نماز
۱۸.۱۴۷	بهی	تو
۸-۱۷۰	چشم	خشم
۱۰-۱۷۴	دل یا	دل هے یا
۱۱-۱۷۴	پهچان	پهچاں
۱۳-۱۷۵	کرنے سے	کرلے تو
۳.۱۸۱	قطعه	×
۱۱-۱۸۹	خاک	چاک
۸-۱۹۰	غیرت	عبرت
۱۲-۱۹۰	کرلي	کرے
۱۷-۱۹۰	کی	کے
۱-۱۹۳	قطعه	×
۵-۱۹۳	لئے	هے
۶-۱۹۳	از جاوے	اڑا جاوے
۷-۱۹۳	یا کوئی	یا کوئی بلادي هے
۱۷-۲۰۴	کهل چلے	کهل چلے هیں
۸-۲۰۵	یاں سے هم	هم یاں سے
۱۵-۲۱۸	کیا	کها
۴-۲۲۴	هوں	هو
۳-۲۲۵	سب	کس
۱..۲۲۶	دغ	داغ
۱۰-۲۲۹	یار	یارا
۲-۲۳۶	الس	ایسی
۱۸-۲۳۷	آگئی	آکهی
۳-۲۴۳	قدر منزلت	قدرو منزلت
۱۳-۲۴۳	هستي	عرصهٔ هستی
۱۹-۲۴۳	کهیں اور خوب کها کهیں	اور خوب کها
۸-۲۴۴	انواع سنجي	انواع سخن سنجی
۶-۲۴۵	۱۸۹۵	۱۱۹۵

صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲-۲۴۶	حرف	صرف	۱۰-۳۹۵	ثرب	شرب
۱۵-۲۴۷	شکستہ پائی	شکستہ پالی	۷-۳۹۶	گفتگو کو	گفتگو کر
۳-۹۲۴	چھانی	چھاتی	۵-۳۹۹	ضمیر	خمیر
۴-۲۴۹	بالی	پالی	۱۰-۳۹۹	کا	کے
۹ ۲۵۴	اشک	رشک	۸-۴۰۰	اگر	اگر میرے
۱۱-۲۶۰	کو	کا	۸-۴۰۰	نہ تھا	نہ ہوتا
۱۳-۲۶۵	نہیں	نہیں ہے	۱۹-۴۱۳	لائیں ہم	لائے ہیں ہم
۱۲-۲۶۷	یہ	×	۴-۴۱۴	کیا	کب سے
۴ ۲۷۴	ذرا	ذرہ	۱۹-۴۱۵	یا کریں	یا نہ کریں
۱۴-۲۸۱	کہاں کہ	کہاں ہے کہ	۱ ۴۲۴	جاں بار	جاں باز
۹-۳۰۴	دور رہا	دوراہا	۹-۴۳۵	پردھے	پردے
۱۰-۳۱۲	آئے	آئی	۲۴-۴۳۷	موسریوں	مولسریوں
۳ ۳۲۵	کمہت خالے	کمیت خامہ	۱-۴۳۸	موسریوں	مولسریوں
۱۳-۳۲۵	گل گوں	گلگوں	۶ ۴۳۹	وات	رات
۲۳-۳۳۰	جسبت	جست	۵-۴۴۱	نظریں	نذریں
۲۳ ۳۳۰	کلیم	حکیم	۱۸-۴۴۲	اک اک کی	رک رک کے
۱۸-۳ ۲	مقل	اقل	۲۱-۴۴۳	اشک	رشک
۲۲ ۳۳۲	تعال	یتعال	۴-۴۴۴	مکیں	ملیں
۸ ۳۳۳	قووت	قوت	۱۴-۴۴۶	سب دل	سب کے دل
۱۷ ۳۳۳	نیسا	نیساں	۵ ۴۵۴	فطرت تھا	فطرت میں تھا
۱۷-۳۴۲	راہی	رہی	۱۳ ۴۵۴	مہر	مہر سوز
۲۵ ۳۴۹	وصف	دست	۱۷-۴۵۴	صور	صورت
۲۰ ۳۵۳	مکر	فکر	۸-۴۶۲	جھکتا	جھٹکتا
۳-۳۵۵	امام عسکری	امام حسن عسکری	۱۳-۴۶۷	نصایے	نصائح
۸-۳۵۵	پڑھیں	پڑھے	۱-۴۶۸	ناقدی	ناقدری
۱۶-۳۵۵	۳۶	۳۹	۱۲ ۴۶۹	تھرے	تھری
۷-۳۵۶	خوشی	خوشی سے	۲۰-۴۸۲	ہندوستان	ہندستان
۸-۳۵۶	محاصرین	معاصرین	۶-۴۸۴	آتی	آئے
۱۳-۳۵۷	دیکھیے	دیکھیے کہ	۶-۴۸۶	گل	گھائل
۲۰-۳۵۷	مجازی	مجازی کا	۷ ۴۸۶	دیکھو	دیکھیو
۲۲-۳۵۷	مجار	مجاز	۸-۴۸۶	بوسے	بوسی
۱۰-۳۵۸	شیریں	شریلی	۱۶-۴۸۸	راہ لی	راہ لے
۱۳-۳۶۹	سایہ‌ار	سایہ ار	۸-۴۸۹	ترن	ترے

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۵-۴۹۰	درد	دور
۵-۵۰۳	بھی	یہي
۱۵-۵ ۴	یر	پر
۱۸-۵۰۴	تم دیکھہ کے	دیکھہ لیجیو
۸-۵۱۰	انظار	انتظار
۱۲-۵۱۰	کیا کھول	کیا کہوں
۳-۵۱۳	جیٹے	جہٹے
۱۶-۵۱۳	درد بام	دروبام
۶-۵۱۸	درد دیوار	درو دیوار
۱۱ ۵۱۸	هي	هے
۱۵-۵۲۵	سب	شب
۱۴-۵۳۹	کچھہ بات	کچھہ تو مجھہ سے بات
۸-۵۴۲	یکتا هے	یکتاے
۱۷-۵۴۸	کس هے	کس کو هے
۱،۰۵۴۹	پڑتا	پڑتا هے
۷-۵۵۲	تہاهدوز	تاهدوز
۱۲-۵۵۶	پھر کے	پھر سے
۱۳-۵۶۱	هو چکي	هو چکے
۴-۵۶۲	سہر تو هو	سہر تو هے
۷-۵۶۲	اُٹھتے هی	اُٹھتے هیں
۸-۵۶۲	تیرے پاس	تیري باس
۵ ۵۶۲	حباب	حجاب
۹-۵۶۲	سچ	سج
۲-۵۶۷	سے	هے
۱۰ ۵۶۸	باادب هو کے	مؤدب هو
۲۲-۵۶۹	تھی	تھے
۱۲-۶۹	طرق	فرق
۱۴-۵۶۹	عشرت نعم	عشرت و نعم
۱۷-۵۶۹	یا	یا
۱۳-۵۷۰	وادے الامر منکم	واولیٰ الامر منکم آ
۲۴-۵۷۱	نرگس جادو	نرگس جادو
۲۳-۵۷۱	لت	رت
۳-۵۷۲	هیں امرا	هیں سب مرا

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۴-۵۷۲	فوجوں کی	فوجوں کے
۴-۵۹۲	غت غت	غت کے غت
۱۶-۵۷۲	سی	سے
۱۶-۵۷۲	کیت	بیت
۱۷-۵۷۳	یہ قدرت	ید قدرت
۱۰-۵۷۴	اسرفیل	اسرافیل
۲-۵۷۵	دهلي قیام	دهلی کے قیام
۲-۵۷۷	سمری	سحری
۴-۵۷۷	سحري	سفری
۱۸-۵۷۹	ارظار	انتظار
۵۸۰ ۳-۴-۶ –۸–۱۰	تھرے گا	تھہرے گا
۱۱-۵۸۴	کسي	کس
۱۵-۵۸۴	تب	تپ
۱۳-۶۰۸	تصدیع	تصدیع
۵-۶۱۱	کي	کے
۹-۶۱۲	چھت	پھت
۱-۶۲۹	ازو	آرزو
۵-۶۳۰	مدے	ترے
۱۴-۶۳۲	پھر هیں	پھرتے هیں
۸-۶۳۰	عالم هوں	عالم میں
۱۶-۶۳۰	اپنے کلاہ	اپني کلاہ
۱۳-۶۴۳	وهي رهے	رهے وهي
۱-۶۴۹	رشک	اشک
۱-۶۵۰	ناز پسیں	باز پسیں
۱۱-۶۶۰	انشا کے	انشائے
۸-۶۷۲	پہونی	پہنچی
۹-۶۷۴	کم طرف	کم ظرف
۱۴ ۶۸۰	مرے	مری
۱۱-۶۸۱	سے	سي
۱۸-۷۰۶	اُس چشم	اِس چشم
۷-۷۰۸	هي	هے
۴-۷۲۷	بیٹھا مجھہ کو	سن کے بیٹھا
۸-۷۲۷	مرا پیماں	مرے پیماں میں

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴-۷۲۷	بیٹھے ہو	بیٹھے ہے تو
۱۷-۷۲۷	یہ	سب
۲-۷۲۸	تھم	تم
۱-۷۳۱	فضلو	فضل علی
۱۲-۷۳۱	اُن کی	اپنی
۷-۷۳۲	صبر	جبر
۸-۷۳۴	ان دنوں	اِک زنداں
۱۴-۷۶۱	مل جا کہیں	مل جائے کہیں
۱۰-۷۶۲	ذوق	شوق
۱۲-۷۶۲	والے	درسے
۴-۷۶۳	نظم آتے ہیں	نظم کرتے ہیں
۲-۷۸۳	آئینہ	آئینے

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۲ ۷۸۸	رے	رہے
۱-۷۸۹	رزو	آرزو
۵-۷۹۴	پرہن	پیرہن
۳-۷۹۷	آمدنی علاوہ	آمدنی کے علاوہ
۴-۷۹۷	وراثت	سرکار
۱-۸۰۰	مہر بخش	پہر بخش
۱۳-۸۰۲	بھی	بھر
۵-۸۰۵	متوالے	متوالی
۲-۸۲۴	جعفہ	جعفر
۷-۸۳۱	اور	میں
۴-۸۳۱	روبہ و	روبرو

ہندستانی اکیڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

کے مطبوعات

۱—ازمنۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات —
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ، ایم — اے ، — ایل ایل —
ایم - سی — بی — اے مجلدہ - ۱ روپیہ ۴ آنہ — غیر مجلد ۱ روپیہ -

۲ اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب
ایم — اے ۱ ۰ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی —
۴ روپیہ -

۴—ناتن—(جرمن ڈراما) مترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب —
ایم — اے ، ایم — آر — اے — ایس — ۲ روپیہ ۸ آنہ —

۵—فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ، رواں —
۲ روپیہ —

۶—کبیر صاحب — مرتبہ پنڈت منوہر لال زتشی — ۲ روپیہ

۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہو اپادھیا
پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ، مترجمہ منشی پریم چند —

۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی -

۹—ترقی زراعت — از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ،
ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -

۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ، بی - اے ، ایل ایل - بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم اے ، پی ایچ ڈی -
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہا راجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ، ایم - اے
قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۳ روپیہ -

۱۴—جواہر سخن — جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی -
قیمت مجلد ۵ روپیہ ، غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۵—علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں ایل - اے - جی - قیمت
مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۶ روپیہ

سول ایجنٹ کتابستان الہ آباد

باہتمام بھگوتی پرشاد سریواستوا مینیجر کایستھ پاٹھ شالا پریس الہ آباد
ناشر— ڈاکٹر تارا چند ، ہندستانی اکیڈیمی — الہ آباد